آسمانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے نجوم وکواکب کا زرّیں سلسلہ - ۵

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام

الدین کا خصوصی شمارہ

بہ عنوان

ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن

بیادگار

محسنِ قوم وملّت حضرت اقدس مولانا احمد حسن بھام سملکی رحمہ اللہ

(بانی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک)

زیرِ سرپرستی

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث جامعہ ھٰذا)

حسبِ ایماء

حضرت اقدس مولانا احمد بزرگ صاحب سملکی مدظلہ العالی

(مہتمم جامعہ ھٰذا)

مجلسِ مشاورت

- حضرت مولانا احمد بزرگ سملکی (مہتمم جامعہ ہٰذا)
- حضرت مفتی ابوبکر صاحب پٹنی (استاذ جامعہ ہٰذا)
- حضرت مفتی معاذ صاحب بمبوی (استاذ جامعہ ہٰذا)

مجلسِ ادارت

- عبدالرحیم کشمیری
- ثناءاللہ ایم پی
- طاہر ٹنکاروی

ناشر

شعبۂ تقریر و تحریر

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک، گجرات

تفصیلات

کتاب کا نام : ازواجِ مطہرات
کاوش : طلبۂ جامعہ ڈابھیل
زیرِ سرپرستی : حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
حسبِ ایماء : حضرت اقدس مولانا احمد بزرگ صاحب سملکی مدظلہ العالی
صفحات : ۴۸۰
سن اشاعت : رجب المرجب ۱۴۳۹ھ/ اپریل ۲۰۱۸ء
ناشر : شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

اجمالی فہرست

نمبر شمار	عناوین	مضمون نگار	صفحہ
۞	پیش لفظ	معاذ عبدالرزاق چارولیہ	۳۳
۱	اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ بنتِ خویلد رضی اللہ عنہا	سعد بن مقبول بیلگامی	۳۷
۲	اُمّ المؤمنین حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا	ہشام الدین حبیب اللہ راجستھانی	۹۱
۳	اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ بنتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا	زکریا اقبال بھوپالی	۱۲۷
۴	اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہا	لقمان عثمان احمد آبادی	۲۱۳
۵	اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا	امان اللہ معین اشرف امریلی	۲۶۱
۶	اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ بنتِ ابواُمیہ رضی اللہ عنہا	معاذ عبدالرقیب بھوپالی	۳۰۹
۷	اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا	عثمان غنی رامپوری	۳۵۳
۸	اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا	سعد اورنگ آبادی، ثناء اللہ ایم پی	۳۶۵
۹	اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ بنتِ ابی سفیان رضی اللہ عنہا	نعمان بن یوسف احمد آبادی	۳۸۳
۱۰	اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ بنتِ حیی رضی اللہ عنہا	انور الاسلام مفید الاسلام ترکیسری	۴۰۹
۱۱	اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا	فہیم بشیر بیلگامی	۴۴۷
۞	کچھ ’’الدین‘‘ کے بارے میں	عبدالرحیم کشمیری، مدیر الدین	۴۷۴

تفصیلی فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	پیش لفظ	۳۳
❁	**اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ بنتِ خویلد** رضی اللہ عنہا	❁
۱	سوانحی خاکہ	۳۸
۲	ولادت، نام ونسب	۴۰
۳	والدین محترمین اور دادا دادی	۴۰
۴	''طاہرہ'' لقب پڑنے کی وجہ	۴۱
۵	آپ کا بچپن	۴۲
۶	پہلا نکاح	۴۲
۷	دوسرا نکاح	۴۳
۸	والدِ گرامی کا انتقال	۴۴
۹	سیدہ خدیجہؓ میدانِ تجارت میں	۴۴
۱۰	حضور ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کے درمیان تعلّق کا آغاز	۴۵
۱۱	ملکِ شام کی طرف روانگی	۴۶
۱۲	تجارتی منڈی میں	۴۷
۱۳	واپسی اور حیرت انگیز واقعات	۴۷

۱۴	دیگر تجارتی اسفار	۴۸
۱۵	عالی ظرفی	۴۸
۱۶	پاکیزہ رشتے کا نقطۂ آغاز	۴۹
۱۷	رؤسائے قریش اور حضرت خدیجہؓ	۴۹
۱۸	خواب سے خیال کی تائید	۵۰
۱۹	نفیسہ بنتِ منیبہ کے ذریعے پیغام رسانی	۵۱
۲۰	حضرت خدیجہؓ سرورِ کائنات کے نکاح میں	۵۲
۲۱	حلیمہ سعدیہ کا اعزاز واکرام	۵۴
۲۲	شادی کی خوشی اور ولیمہ	۵۴
۲۳	حضرت خدیجہؓ متلاشیانِ راہِ حق کی خدمت میں	۵۵
۲۴	قول وقرار	۵۶
۲۵	بعثت سے پہلے حضرت خدیجہ کی خدمات	۵۶
۲۶	پہلی وحی	۵۸
۲۷	سیدہ خدیجہؓ بے مثل رفیقۂ حیات بنی	۵۸
۲۸	قبولِ اسلام	۵۹
۲۹	سب سے پہلے ایمان لانے والی خدیجہ ہیں	۶۰
۳۰	حضرت خدیجہؓ کی بے تابیاں	۶۲
۳۱	تصدیق وتسلّی کا عاقلانہ ومدبّرانہ انداز	۶۴
۳۲	حضرت خدیجہؓ کی خادمہ کا اسلام	۶۵

۳۳	اسلام کی نشر واشاعت کے لیے حضرت خدیجہؓ کی مالی قربانی	۶۶
۳۴	حضرت خدیجہؓ کا حضور ﷺ کو تسلّی دینا	۶۷
۳۵	وحی کے بعد نماز اور حضرت خدیجہ	۶۸
۳۶	عظیم تحفہ	۶۹
۳۷	ایک عظیم آزمائش	۷۰
۳۸	حضور ﷺ کا بائیکاٹ اور حضرت خدیجہؓ کی ثابت قدمی	۷۱
۳۹	بائیکاٹ کا خاتمہ	۷۴
۴۰	وفات	۷۶
۴۱	تجہیز وتکفین	۷۶
۴۲	اشعار	۷۷
۴۳	عام الحزن	۷۷
۴۴	حضرت خدیجہؓ کی اولاد	۷۸
۴۵	امتیازات وخصوصیات	۷۹
۴۶	فضائل ومناقب	۸۰
۴۷	سیدہ خدیجہؓ کی سہیلیاں	۸۱
۴۸	ایسا گھر جس کا ستون نہیں	۸۲
۴۹	حضرت خدیجہ طاہرہؓ کے لیے اعزازِ ربّانی	۸۳
۵۰	جنّت کی خوش خبری	۸۴
۵۱	طاہرہ کا عطا کیا ہوا ہار	۸۴

۵۲	خدا کی دی ہوئی محبّت	۸۵
۵۳	بہترین رفیقۂ حیات	۸۵
۵۴	چار عورتیں	۸۶
۵۵	تین کامل عورتیں	۸۷
۵۶	افضل ترین عورت	۸۸
۵۷	"خیر نسائھا" کا مطلب	۸۸
۵۸	اخلاق وعادات	۸۹
۵۹	حضرت خدیجہؓ اور حدیث	۸۹
۶۰	خلاصۂ کلام	۹۰
❁	**اُمّ المؤمنین حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا**	❁
۶۱	سوانحی خاکہ	۹۲
۶۲	نام ونسب	۹۵
۶۳	آپؓ کے والد ماجد	۹۶
۶۴	بہنیں اور بھائی	۹۶
۶۵	ولادت	۹۷
۶۶	قبولِ اسلام	۹۷
۶۷	دعوتِ اسلام کی سرگرم کارکن	۹۹
۶۸	تحریکِ اسلامی میں آپ کی شمولیت کی اہمیت	۹۹
۶۹	پہلی شادی	۱۰۰

۷۰	ہجرتِ حبشہ	۱۰۱
۷۱	دوخواب	۱۰۲
۷۲	شوہرِ نامدار کی وفات	۱۰۲
۷۳	عقدِ نکاح کا مختصر پس منظر	۱۰۳
۷۴	حضرت سودہؓ حرمِ نبوت میں	۱۰۵
۷۵	کبیر السن ہونے کے باوجود حضرت سودہؓ سے نکاح کی وجہ	۱۰۶
۷۶	حضرت سودہؓ کے بھائی حضرت عبداللہؓ کا ردِّعمل	۱۰۷
۷۷	ذکرِ حبشہ	۱۰۸
۷۸	سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا استقبال	۱۰۸
۷۹	ہجرتِ مدینہ	۱۰۹
۸۰	حضرت سودہؓ کا حجرۂ مبارکہ	۱۰۹
۸۱	حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ کے تعلقات	۱۱۰
۸۲	ازواجِ مطہراتؓ میں حشر کی تمنّا	۱۱۱
۸۳	صاحبزادیوں سے شفقت آمیز ومحبت سے لبریز سلوک	۱۱۳
۸۴	حلیہ	۱۱۴
۸۵	وظیفہ	۱۱۴
۸۶	عبادت واطاعت اور سفرِ حج	۱۱۴
۸۷	سہیل بن عمرو پر تبصرہ	۱۱۶
۸۸	آیتِ حجاب	۱۱۷

۸۹	دو حدیثوں میں تعارض اور اس کا حل	۱۱۸
۹۰	اخلاق و عادات	۱۱۹
۹۱	مزاج میں تیزی	۱۲۰
۹۲	سخاوت و سماحت	۱۲۰
۹۳	فضل و کمال	۱۲۱
۹۴	حضرت سودہؓ سے روایت اور شاگردان	۱۲۱
۹۵	حضرت سودہؓ کے سیدہ عائشہؓ کو مشورے	۱۲۲
۹۶	خروجِ دجّال اور حضرت سودہؓ	۱۲۲
۹۷	اولاد	۱۲۳
۹۸	شہید بیٹا	۱۲۴
۹۹	وفات	۱۲۴
۱۰۰	نمازِ جنازہ	۱۲۶
۱۰۱	مصادر و مراجع	۱۲۶
❁	**اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ بنتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما**	❁
۱۰۲	سوانحی خاکہ	۱۲۸
۱۰۳	**حیات**	۱۳۰
۱۰۴	نام، نسب اور خاندان	۱۳۰
۱۰۵	ولادت باسعادت	۱۳۰
۱۰۶	والدِ محترم سیدنا ابوبکر صدیقؓ	۱۳۱

۱۰۷	والدۂ محترمہ سیدہ امِ رومانؓ	۱۳۱
۱۰۸	حلیہ	۱۳۲
۱۰۹	عہدِ طفولیت وقبولِ اسلام	۱۳۲
۱۱۰	شیر خوارگی	۱۳۳
۱۱۱	گُڑیوں سے کھیلنا	۱۳۳
۱۱۲	سلسلہ جنبانی	۱۳۴
۱۱۳	پیغامِ نکاح	۱۳۴
۱۱۴	نکاح	۱۳۵
۱۱۵	نبیٔ کریم ﷺ کا سیدہ عائشہؓ کو خواب میں دیکھنا	۱۳۶
۱۱۶	ہجرت	۱۳۶
۱۱۷	رُخصتی	۱۳۷
۱۱۸	رُخصتی کی داستان	۱۳۸
۱۱۹	ایک رسمِ بد کا خاتمہ	۱۳۸
۱۲۰	صدّیقہ کا گھر	۱۳۹
۱۲۱	سیدہ عائشہؓ کا جہاد	۱۴۰
۱۲۲	غزوۂ احد میں حضرت عائشہؓ کا کردار	۱۴۰
۱۲۳	غزوۂ احزاب	۱۴۱
۱۲۴	حضرت عائشہؓ کا امتِ مسلمہ پر ایک بہت بڑا احسان	۱۴۲
۱۲۵	حیاتِ عائشہؓ کے چار اہم واقعات	۱۴۳

۱۲۶	(۱) واقعۂ افک	۱۴۳
۱۲۷	(۲) واقعۂ ایلاء	۱۴۸
۱۲۸	(۳) واقعۂ تخییر	۱۴۹
۱۲۹	(۴) واقعۂ تحریم	۱۵۰
۱۳۰	جنگِ جمل	۱۵۲
۱۳۱	**اوصاف و کمالات اور خصوصیات**	۱۵۵
۱۳۲	حبِّ رسول	۱۵۵
۱۳۳	تمہاری ناک خاک آلود ہو	۱۵۵
۱۳۴	اللہ نرمی پسند کرتا ہے	۱۵۶
۱۳۵	جلوہ تیرے حسن کا	۱۵۷
۱۳۶	ناراضگی کی علامت	۱۵۷
۱۳۷	میں کس خیال میں اور آپ کس حال میں	۱۵۷
۱۳۸	محبت کی انتہا	۱۵۷
۱۳۹	محبت بھی خدمت بھی	۱۵۸
۱۴۰	رسول اللہ ﷺ کی سیدہ عائشہؓ سے محبت	۱۵۸
۱۴۱	مرغوبات کا خیال	۱۵۹
۱۴۲	رسول اللہ ﷺ کی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دل لگی	۱۵۹
۱۴۳	حلوے سے دل لگی	۱۶۰
۱۴۴	آؤ! دوڑ لگائیں	۱۶۰

۱۴۵	بڑے میاں سے بچایا	۱۶۱
۱۴۶	حدیثِ امِّ زرع	۱۶۱
۱۴۷	سرتاج کی عطا کردہ کنیت	۱۶۴
۱۴۸	فضائل ومناقب	۱۶۴
۱۴۹	نوخصوصیتیں	۱۶۵
۱۵۰	دیدارِ جبرئیل	۱۶۶
۱۵۱	حیاتِ طیّبہ کے آخری لمحات اورسیدہ صدیقہؓ کا اعزاز	۱۶۷
۱۵۲	رسول اللہ ﷺ کی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لیے دعا	۱۶۷
۱۵۳	خصائلِ حمیدہ	۱۶۸
۱۵۴	فیّاضی وسخاوت	۱۶۸
۱۵۵	ایثار کا اعلیٰ درجہ	۱۷۱
۱۵۶	نرم دلی	۱۷۱
۱۵۷	سیدہ عائشہؓ کی حیا	۱۷۲
۱۵۸	غیبت وبدگوئی سے پرہیز	۱۷۲
۱۵۹	دشمنوں سے سلوک	۱۷۳
۱۶۰	بھائیوں سے محبت	۱۷۴
۱۶۱	حفظِ مراتب	۱۷۴
۱۶۲	کثرتِ عبادت	۱۷۴
۱۶۳	تلاوت اورگریہ وزاری	۱۷۵

۱۶۴	حضرت عائشہؓ اور تہجد	۱۷۵
۱۶۵	حضرت عائشہؓ اور روزہ	۱۷۶
۱۶۶	خوفِ خدا اور فکرِ آخرت	۱۷۶
۱۶۷	زہد وقناعت اور سادگی	۱۷۷
۱۶۸	معمولی سمجھے جانے والے گناہوں سے بچنے کی کوشش	۱۸۰
۱۶۹	بابِ سوم علمی وتربیتی خدمات	۱۸۰
۱۷۰	کمالِ علم	۱۸۰
۱۷۱	آں حضرت ﷺ سے سوالات	۱۸۱
۱۷۲	امت کا مزاج بنانا	۱۸۳
۱۷۳	علوم کی نشر واشاعت	۱۸۴
۱۷۴	حضرت عائشہؓ اور ادبِ عربی	۱۸۵
۱۷۵	حضرت عائشہؓ اور علمِ حدیث	۱۸۶
۱۷۶	روایات کی تصحیح	۱۸۷
۱۷۷	باہر سے آنے والے وفود پر نظرِ کرم	۱۸۷
۱۷۸	حج کے موسم میں حلقۂ درس وارشاد	۱۸۸
۱۷۹	اختلافی معاملات میں امت کی رہنمائی	۱۹۰
۱۸۰	شعر اور طب	۱۹۱
۱۸۱	کلماتِ حکمت وموعظت	۱۹۲
۱۸۲	حضرت عائشہؓ کے علم کے متعلق اقوالِ اکابر	۱۹۴

۱۸۳	طبقۂ نسواں پر سیدہ عائشہؓ کے احسانات	۱۹۵
۱۸۴	**اھلِ بیت اور سوکنوں کے ساتھ کا برتاؤ**	۱۹۸
۱۸۵	سوکنوں کے ساتھ برتاؤ	۱۹۸
۱۸۶	امّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ	۱۹۹
۱۸۶	امّ المؤمنین حضرت سودہؓ	۲۰۰
۱۸۷	امّ المؤمنین حضرت حفصہؓ	۲۰۱
۱۸۸	امّ المؤمنین حضرت امِّ سلمہؓ	۲۰۲
۱۸۹	امّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ خزیمہؓ	۲۰۳
۱۹۰	امّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحشؓ	۲۰۳
۱۹۱	امّ المومنین حضرت جویریہؓ	۲۰۵
۱۹۲	امّ المؤمنین حضرت امِّ حبیبہؓ	۲۰۵
۱۹۳	امّ المؤمنین حضرت صفیہؓ	۲۰۶
۱۹۴	امّ المؤمنین حضرت میمونہؓ	۲۰۷
۱۹۵	حضور اقدس ﷺ کی صاحبزادیوں کے ساتھ حضرت عائشہؓ کا برتاؤ	۲۰۷
۱۹۶	**وفات**	۲۰۹
۱۹۷	وفات سے پہلے	۲۰۹
۱۹۸	وصیت اور وفات	۲۰۰
۱۹۹	حضرت عائشہؓ کی ایک وصیت اور ایک بشارت	۲۱۰
۲۰۰	نمازِ جنازہ اور تدفین	۲۱۰

۲۰۱	اولاد	۲۱۱
۲۰۲	سوگوارعالمِ اسلام	۲۱۱
۲۰۳	ام المؤمنین حضرت امِ سلمہؓ کا خراجِ عقیدت	۲۱۱
۲۰۴	مآخذومراجع	۲۱۲
❁	**اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہا**	❁
۲۰۵	سوانحی خاکہ	۲۱۴
۲۰۶	نام وشجرۂ نسب	۲۱۶
۲۰۷	ولادت	۲۱۷
۲۰۸	سیدہ حفصہؓ کا خاندان اوران کے والدِ محترم	۲۱۷
۲۰۹	حضرت عمر بن الخطابؓ کا مختصر تعارف	۲۱۸
۲۱۰	والدۂ محترمہ	۲۱۸
۲۱۱	حضرت حفصہؓ کے بھائی بہن	۲۱۹
۲۱۲	سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دُدھیالی ونہالی رشتہ	۲۲۰
۲۱۳	سیدہؓ کا اسلام، پہلا نکاح اور ہجرت	۲۲۱
۲۱۴	معرکۂ بدر میں حضرت خنیسؓ کی شجاعت وشہادت	۲۲۳
۲۱۵	سیدہ حفصہؓ کے لیے اعزاز	۲۲۴
۲۱۶	بیوگی کا غم اور داماد کی جستجو	۲۲۵
۲۱۷	حضرت عثمانؓ کو پیش کش اوران کا جواب	۲۲۶
۲۱۸	حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کش اوران کا جواب	۲۲۶

٢١٩	دربارِ رسالت میں شکایت وتشفّی بخش جواب	٢٢٧
٢٢٠	امّ المؤمنین بننے کا شرف	٢٢٧
٢٢١	بیٹی کو رخصت کرتے ہوئے	٢٢٨
٢٢٢	حضرت ابوبکرؓ کا صفائی پیش کرنا	٢٢٩
٢٢٣	فوائد الحدیث	٢٢٩
٢٢٤	ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ	٢٣٠
٢٢٥	شادی کی وجہ	٢٣١
٢٢٦	واقعۂ تحریم	٢٣٢
٢٢٧	یہ راز کسی کو نہ بتانا	٢٣٤
٢٢٨	دو غیر مستند روایتیں	٢٣٥
٢٢٩	ایک اور نقطۂ نظر	٢٣٦
٢٣٠	فوائد الحدیث	٢٣٦
٢٣١	مزاج کی تیزی	٢٣٧
٢٣٢	طلاق ورجعت	٢٣٨
٢٣٣	فوائد الحدیث	٢٣٩
٢٣٤	حضور ﷺ کا اپنی ازواج سے ایک ماہ تک علیحدہ ہونا	٢٣٩
٢٣٥	سفرِ حج	٢٤٣
٢٣٦	وفات	٢٤٣

۲۳۷	**فضائل ومناقب**	۲۴۴
۲۳۸	ایں خانہ ہمہ آفتاب است	۲۴۴
۲۳۹	علم کی رسیہ	۲۴۵
۲۴۰	"رقية النملة" کا مطلب	۲۴۶
۲۴۱	امّت کی رہنمائی کے لیے سوال	۲۴۷
۲۴۲	فہم وفراست	۲۴۹
۲۴۳	اختلاف سے نفرت	۲۵۰
۲۴۴	دجال سے نفرت وخوف کی وجہ	۲۵۱
۲۴۵	حارسۃ القرآن	۲۵۱
۲۴۶	حافظہ وقاریہ	۲۵۳
۲۴۷	سیدہؓ کی فصاحت وبلاغت	۲۵۳
۲۴۸	مرویات	۲۵۵
۲۴۹	شاگردان	۲۵۵
۲۵۰	سیدہ حفصہؓ اور دیگر امہات المؤمنین	۲۵۶
۲۵۱	خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رُلایا	۲۵۸
۲۵۲	اخلاق	۲۵۹
۲۵۳	خلاصۂ کلام	۲۵۹
۲۵۴	مراجع ومصادر	۲۶۰

❁	اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا	❁
۲۵۵	سوانحی خاکہ	۲۶۲
۲۵۶	نام ونسب	۲۶۴
۲۵۷	سیدہ کا اصل نام اور اس کی تبدیلی	۲۶۴
۲۵۸	حلیہ	۲۶۵
۲۵۹	سیدہ کا خاندان	۲۶۵
۲۶۰	عبداللہ بن جحش	۲۶۵
۲۶۱	ابواحمد بن جحش	۲۶۶
۲۶۲	عبیداللہ بن جحش	۲۶۶
۲۶۳	حبیبہ بنتِ جحش	۲۶۷
۲۶۴	حمنہ بنتِ جحش	۲۶۷
۲۶۵	دیگر صحابہؓ سے رشتہ داری	۲۶۷
۲۶۶	ولادت و پیدائش	۲۶۸
۲۶۷	قبولِ اسلام	۲۶۸
۲۶۸	ہجرت	۲۶۸
۲۶۹	سیدہ زینب کا حضرت زیدؓ سے نکاح	۲۶۹
۲۷۰	سیدنا زید بن حارثہؓ	۲۷۰
۲۷۱	سیدہ زینبؓ کے زید سے نکاح کو ناپسند کرنے کا سبب	۲۷۲
۲۷۲	حضرت زیدؓ سے نکاح، مہر اور خانہ آبادی	۲۷۳

۲۷۳	حضرت زیدؓ کا سیدہ زینبؓ کو طلاق دینا	۲۷۴
۲۷۴	متبنّیٰ کی حقیقت اور حضور ﷺ کا سیدہ زینبؓ سے ارادۂ نکاح	۲۷۴
۲۷۵	حضرت زینبؓ حرمِ نبوی میں	۲۷۶
۲۷۶	حضرت زیدؓ سے پیغام بھجوانے کا فائدہ	۲۷۷
۲۷۷	بشارت پر سیدہ زینبؓ کا اظہارِ تشکر	۲۷۷
۲۷۸	ایک غلط روایت کی تردید	۲۷۸
۲۷۹	شاندار ولیمہ	۲۸۰
۲۸۰	منافقوں کا اعتراض اور اس کا جواب	۲۸۳
۲۸۱	نکاح کے فوائد	۲۸۴
۲۸۲	انسانی مساوات کا عملی پیغام	۲۸۴
۲۸۳	تبنّیت کی غیر فطری رسم کی تنسیخ	۲۸۴
۲۸۴	نزولِ حجاب	۲۸۵
۲۸۵	دو قسم کی روایتوں میں تطبیق	۲۸۷
۲۸۶	آیتِ حجاب اور اس سے ثابت شدہ ہدایات وفوائد	۲۸۸
۲۸۷	خانۂ نبوی میں سیدہ زینبؓ اور دیگر ازواجِ مطہراتؓ کا احساسِ غیرت	۲۸۹
۲۸۸	سیدہ زینبؓ اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ	۲۹۰
۲۸۹	حضرت زینبؓ اور حضرت صفیہؓ	۲۹۳
۲۹۰	آیتِ تحریم	۲۹۴
۲۹۱	غزوۂ طائف میں حضور ﷺ کی رفاقت اور سفرِ حج	۲۹۵

۲۹۲	**فضائل ومناقب**	۲۹۶
۲۹۳	حضرت زینبؓ دیگرازواج کی نظر میں	۲۹۶
۲۹۴	خصوصیات	۲۹۷
۲۹۵	اطاعت وفرماں برداری	۲۹۸
۲۹۶	عبادت وریاضت	۲۹۹
۲۹۷	سیدہ کافقہی مقام ومرتبہ	۳۰۰
۲۹۸	مرویات اورتلامذہ	۳۰۱
۲۹۹	سخاوت وفیّاضی	۳۰۱
۳۰۰	وفات	۳۰۴
۳۰۱	وصیت	۳۰۴
۳۰۲	تجہیزوتکفین	۳۰۵
۳۰۳	نمازِ جنازہ اورتدفین	۳۰۶
۳۰۴	ترکہ	۳۰۸
۳۰۵	مراجع ومصادر	۳۰۸
❁	**اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ بنتِ ابو اُمیہ رضی اللہ عنہا**	❁
۳۰۶	سوانحی خاکہ	۳۱۰
۳۰۷	اونچی ہے ثریّا سے بھی یہ خاکِ پُراسرار	۳۱۱
۳۰۸	نام ونسب	۳۱۲
۳۰۹	ولادت	۳۱۲

۳۱۰	بچپن	۳۱۳
۳۱۱	قبولِ اسلام	۳۱۳
۳۱۲	ہجرتِ حبشہ	۳۱۴
۳۱۳	مکۂ مکرمہ واپسی اور دوسری ہجرتِ حبشہ	۳۱۴
۳۱۴	قیامِ حبشہ اور قریش کی سازش	۳۱۶
۳۱۵	مسلمانوں کا جواب نجاشی کے دربار میں	۳۱۷
۳۱۶	دوسری پیشی	۳۱۹
۳۱۷	داستانِ ہجرتِ مدینہ	۳۲۱
۳۱۸	حضرت امِ سلمہؓ مدینہ میں	۳۲۳
۳۱۹	حضرت ابو سلمہؓ کی وفات	۳۲۳
۳۲۰	کوہِ غم	۳۲۴
۳۲۱	حضور ﷺ کی آمد، دعا اور نمازِ جنازہ	۳۲۵
۳۲۲	پیغامِ نکاح	۳۲۶
۳۲۳	حضرت امِّ سلمہؓ حرمِ نبوت میں	۳۲۶
۳۲۴	مصیبت پر صبر کا انعام	۳۲۷
۳۲۵	جس کے چرچے اپنوں میں	۳۲۸
۳۲۶	شرم وحیا	۳۲۹
۳۲۷	پہلے ہی دن کھانا پکانا	۳۲۹
۳۲۸	شادی کے اسباب واثرات	۳۳۰

۳۲۹	بعض ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی ترجمانی	۳۳۱
۳۳۰	سیدہ کا حجرہ اور سامانِ گذر بسر	۳۳۲
۳۳۱	ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خوش خبری	۳۳۳
۳۳۲	حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زیارت بہ صورتِ دحیہ کلبی	۳۳۳
۳۳۳	نزولِ حجاب	۳۳۴
۳۳۴	واقعۂ ایلا	۳۳۵
۳۳۵	واقعۂ حجۃ الوداع	۳۳۵
۳۳۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت	۳۳۶
۳۳۷	سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی	۳۳۶
۳۳۸	حبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۳۳۷
۳۳۹	تم بہتر مقام پر ہے	۳۳۸
۳۴۰	اولاد	۳۳۹
۳۴۱	حلیہ مبارکہ	۳۴۰
۳۴۲	آپ رضی اللہ عنہا کی وفات، نمازِ جنازہ اور تدفین	۳۴۱
۳۴۳	اوصاف و کمالات	۳۴۱
۳۴۴	سخاوت	۳۴۱
۳۴۵	اخلاق و عادات	۳۴۲
۳۴۶	امر بالمعروف و نہی عن المنکر	۳۴۲
۳۴۷	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بہ حیثیت روحانی ولد کے نصیحت کرنا	۳۴۳

۳۴۸	سیدہ امِ سلمہؓ اور نزولِ قرآن	۳۴۴
۳۴۹	ذہانت وذکاوت	۳۴۴
۳۵۰	جنّت کی بشارت	۳۴۶
۳۵۱	روایات کی تصحیح اوران کی وضاحت	۳۴۶
۳۵۲	اختلافات میں حکم بننا	۳۴۷
۳۵۳	علم کا شوق	۳۴۸
۳۵۴	حدیث کا شوق	۳۴۹
۳۵۵	علمی مقام ومرتبہ	۳۵۰
۳۵۶	علمِ اسرار	۳۵۰
۳۵۷	علمِ قراءت	۳۵۱
۳۵۸	مرویّات وفتاویٰ	۳۵۱
۳۵۹	آپ کے تلامذہ	۳۵۱
❁	**اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا**	❁
۳۶۰	سوانحی خاکہ	۳۵۴
۳۶۱	نام ونسب	۳۵۵
۳۶۲	’’ام المساکین‘‘	۳۵۶
۳۶۳	ولادت واسلام	۳۵۶
۳۶۴	نکاح	۳۵۷
۳۶۵	ہجرتِ مدینہ	۳۵۸

۳۶۶	غزوۂ بدر	۳۵۹
۳۶۷	حضرت زینبؓ قابلِ رشک عورت	۳۶۰
۳۶۸	حضرت عبداللہؓ بن جحش سے آپؓ کا نکاح	۳۶۰
۳۶۹	غزوۂ احد اور سیدہ زینبؓ کی قربانی	۳۶۱
۳۷۰	سخت ترین قربانیوں کا صلہ	۳۶۱
۳۷۱	''ام المؤمنین'' بننے کا شرف	۳۶۲
۳۷۲	حجرہ	۳۶۲
۳۷۳	مختصر مدتِ رفاقت	۳۶۲
۳۷۴	نمازِ جنازہ	۳۶۳
۳۷۵	خصوصی امتیازات	۳۶۳
۳۷۶	اختتام	۳۶۴
❁	**اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا**	❁
۳۷۷	سوانحی خاکہ	۳۶۶
۳۷۸	نام ونسب	۳۶۸
۳۷۹	بچپن	۳۶۸
۳۸۰	غزوۂ بنی مصطلق	۳۶۸
۳۸۱	حضرت جویریہؓ اور عقدِ کتابت	۳۷۰
۳۸۲	سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد کی درخواست	۳۷۱
۳۸۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب اور نکاح	۳۷۱

۳۸۴	ایک اور روایت	۳۷۲
۳۸۵	خواب میں پیشین گوئی	۳۷۳
۳۸۶	مہر کیا تھا؟	۳۷۳
۳۸۷	نام کی تبدیلی	۳۷۴
۳۸۸	شادی کے اثرات قوم کی آزادی کی شکل میں	۳۷۴
۳۸۹	حضرت جویریہؓ وعائشہؓ کا تبصرہ	۳۷۴
۳۹۰	رہائشی مکان ونفقہ	۳۷۵
۳۹۱	حارث بن ابی ضرار اوران کی قوم اسلام کے دامن میں	۳۷۵
۳۹۲	حضرت جویریہؓ کی عالی ظرفی	۳۷۶
۳۹۳	وفات	۳۷۶
۳۹۴	حلیہ	۳۷۷
۳۹۵	حلیہ پر ایک تبصرہ	۳۷۷
۳۹۶	اولاد	۳۷۸
۳۹۷	فضائل ومناقب	۳۷۸
۳۹۸	عبادت	۳۷۹
۳۹۹	فرشتوں کو دیکھنا	۳۸۰
۴۰۰	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح فرمانا	۳۸۱
۴۰۱	روایتِ حدیث	۳۸۱
۴۰۲	آپ کے تلامذہ	۳۸۱

۴۰۳	مراجع ومصادر	۳۸۲
۞	**اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ بنتِ ابی سفیان رضی اللہ عنہا**	۞
۴۰۴	سوانحی خاکہ	۳۸۴
۴۰۵	نام ونسب	۳۸۵
۴۰۶	بھائیوں اور بہنوں کا ذکرِ خیر	۳۸۶
۴۰۷	ولادت وبچپن	۳۸۶
۴۰۸	نکاحِ اول	۳۸۷
۴۰۹	قبولِ اسلام	۳۸۷
۴۱۰	ہجرتِ حبشہ	۳۸۸
۴۱۱	آپؓ کے شوہر کا مرتد ہوجانا	۳۸۸
۴۱۲	شوہر کی موت	۳۸۹
۴۱۳	خواب میں بشارت	۳۹۰
۴۱۴	نجاشی کا آپؓ کو نکاح کا پیغام دینا	۳۹۱
۴۱۵	حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ کو وکیل بنانا	۳۹۱
۴۱۶	شاہِ نجاشی کے دربار میں تقریبِ نکاح	۳۹۱
۴۱۷	دعوتِ ولیمہ	۳۹۳
۴۱۸	حضرت امِ حبیبہؓ کے نکاح کی ایک اور روایت	۳۹۳
۴۱۹	حضرت امِ حبیبہؓ کا ابرہ کو مزید انعام دینا	۳۹۴
۴۲۰	حضرت امِ حبیبہؓ کے حقِ مہر کے بارے میں اختلاف	۳۹۴

۴۲۱	مدینہ کی طرف روانگی	۳۹۵
۴۲۲	دربارِ رسالت میں شرفِ باریابی	۳۹۶
۴۲۳	حرمِ نبوی کی صورتِ حال	۳۹۶
۴۲۴	سیدہ امِّ حبیبہؓ کی دل جوئی وخبر گیری اور ذکرِ حبشہ	۳۹۷
۴۲۵	صحیح مسلم کی ایک روایت پر تنقید	۳۹۸
۴۲۶	حضرت امِ حبیبہؓ کے نکاح کی اطلاع اور ابوسفیان کا تبصرہ	۳۹۸
۴۲۷	نکاح کے اسباب	۳۹۹
۴۲۸	آپؓ کا اپنے والد اور بھائی کے اسلام کی تمنا کرنا	۳۹۹
۴۲۹	مدینہ میں حضرت ابوسفیانؓ کی آمد اور آپؓ کا ان سے رویہ	۴۰۰
۴۳۰	اطاعت اور اتباعِ سنت	۴۰۱
۴۳۱	تین دن سے زیادہ سوگ نہ منانا	۴۰۲
۴۳۲	بارہ نفل پڑھنے پر دوام	۴۰۲
۴۳۳	سادہ مزاجی	۴۰۲
۴۳۴	حضرت امِ حبیبہؓ کی شجاعت ودلیری	۴۰۳
۴۳۵	قاتلِ عثمان کے لیے بددعا	۴۰۳
۴۳۶	جنّت کی بشارت	۴۰۴
۴۳۷	اپنے بھائی کے دورِ حکومت میں دمشق میں قیام	۴۰۴
۴۳۸	روایتِ حدیث اور شاگردان	۴۰۵
۴۳۹	روایتِ حدیث کے معاملہ میں تیسرا نمبر	۴۰۵

۴۴۰	آپؓ کی مرویات کے چند نمونے	۴۰۵
۴۴۱	فکرِ آخرت	۴۰۶
۴۴۲	وفات	۴۰۷
۴۴۳	تجہیز و تکفین اور نمازِ جنازہ	۴۰۷
۴۴۴	تدفین	۴۰۷
۴۴۵	حلیۂ مبارکہ	۴۰۸
۴۴۶	اولاد	۴۰۸
❁	**اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ بنتِ حیی رضی اللہ عنہا**	❁
۴۴۷	سوانحی خاکہ	۴۱۰
۴۴۸	نام و نسب	۴۱۲
۴۴۹	ولادت	۴۱۳
۴۵۰	مدینہ میں آباد یہودی قبائل	۴۱۳
۴۵۱	مدینہ سے یہودیوں کی جلاوطنی	۴۱۴
۴۵۲	بنونظیر خیبر میں	۴۱۷
۴۵۳	سیدہ صفیہؓ کا پہلا نکاح	۴۱۸
۴۵۴	دوسرا نکاح	۴۱۸
۴۵۵	جنگِ خیبر	۴۱۸
۴۵۶	سیدہ صفیہؓ کے خواب	۴۲۰
۴۵۷	سیدہ صفیہؓ دربارِ رسالت میں	۴۲۱

۴۵۸	سیدہ صفیہؓ کا قبول اسلام	۴۲۲
۴۵۹	خیبر سے روانگی	۴۲۴
۴۶۰	نکاح ورسمِ عروسی	۴۲۵
۴۶۱	سیدہ صفیہؓ کا مہر	۴۲۶
۴۶۲	موہوم خطرات	۴۲۶
۴۶۳	سیدنا ابوایوب انصاریؓ کا پہرا دینا	۴۲۶
۴۶۴	دعوت ولیمہ	۴۲۷
۴۶۵	دورانِ سفر مدارات	۴۲۸
۴۶۶	شادی کے اسباب	۴۲۹
۴۶۷	باہمی الفت ومحبت	۴۳۰
۴۶۸	مدینہ کی طرف روانگی	۴۳۰
۴۶۹	مدینہ میں آمد	۴۳۱
۴۷۰	حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے آشیانے میں	۴۳۲
۴۷۱	تم نے اس کو کیسا پایا؟	۴۳۲
۴۷۲	حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ حج بیت اللہ کی سعادت	۴۳۳
۴۷۳	حلیہء مبارکہ	۴۳۳
۴۷۴	آپؓ کی رہائش	۴۳۳
۴۷۵	اخلاقِ حسنہ اور عاداتِ مبارکہ	۴۳۴
۴۷۶	سخاوت وفیّاضی	۴۳۵

۴۷۷	خشیتِ الٰہی	۴۳۵
۴۷۸	زہد وتقویٰ	۴۳۶
۴۷۹	سیدہ صفیہؓ کی ذکرِ الٰہی میں دلچسپی	۴۳۶
۴۸۰	آپ ﷺ کی سیدہ صفیہؓ سے محبت ودل جوئی	۴۳۶
۴۸۱	سیدہ صفیہؓ کی حضورِ انور ﷺ سے والہانہ محبت اور تعلق	۴۳۹
۴۸۲	حضرت عائشہؓ کا قولِ فیصل	۴۴۰
۴۸۳	اعتکاف کی حالت میں حضور ﷺ سے ملاقات	۴۴۱
۴۸۴	دل کی فیاضی اور عفو ودر گذر	۴۴۲
۴۸۵	دل کی دردمندی	۴۴۳
۴۸۶	فضل وکمال	۴۴۴
۴۸۷	حضورِ انور ﷺ سے احادیث کی روایت کرنے کی سعادت	۴۴۵
۴۸۸	وفات اور نمازِ جنازہ	۴۴۵
۴۸۹	ترکہ اور وصیت	۴۴۵
۴۹۰	اختتام	۴۴۶
۴۹۱	مآخذ ومراجع	۴۴۶
۞	**اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا**	۞
۴۹۲	سوانحی خاکہ	۴۴۸
۴۹۳	نام ونسب	۴۴۹
۴۹۴	حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہنیں	۴۵۰

۴۹۵	اخیافی بہنیں	۴۵۰
۴۹۶	ولادت	۴۵۲
۴۹۷	حضرت میمونہؓ کا قبولِ اسلام	۴۵۲
۴۹۸	ابتدائی حالات پہلا اور دوسرا نکاح	۴۵۲
۴۹۹	حضرت میمونہؓ کا سید المرسلین سے نکاح	۴۵۳
۵۰۰	نکاح کے وقت حضرت میمونہؓ کی عمر	۴۵۳
۵۰۱	نکاح	۴۵۴
۵۰۲	رسمِ عروسی	۴۵۵
۵۰۳	مکّہ میں ولیمہ کرنے سے روکنا	۴۵۵
۵۰۴	اس شادی کے تاریخ ساز اثرات	۴۵۶
۵۰۵	نجد کے علاقہ میں اس شادی کے اثرات	۴۶۱
۵۰۶	خانۂ نبوت میں آپؓ کی بودوباش	۴۶۲
۵۰۷	سیرت وکردار کی پاکیزگی کی سچی شہادت	۴۶۲
۵۰۸	حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کی معیت	۴۶۳
۵۰۹	سیدہ میمونہؓ کی آپ کے ساتھ مدّتِ رفاقت	۴۶۳
۵۱۰	ایک غیر معتبر روایت	۴۶۴
۵۱۱	حضرت میمونہؓ کی مرویات	۴۶۴
۵۱۲	سیدہ میمونہؓ کے شاگردان	۴۶۴
۵۱۳	حضرت میمونہؓ کی مرویات میں سے ایک مشہور روایت	۴۶۵

۵۱۴	سیدہ میمونہؓ کا اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرنا	۴۶۶
۵۱۵	خلافِ شرع امور سے نفرت	۴۶۷
۵۱۶	غلو فی الدین اور تشدّد سے بیزاری	۴۶۷
۵۱۷	آپ کی سادگی	۴۷۰
۵۱۸	نماز و مسواک کا اہتمام	۴۷۰
۵۱۹	بصیرت و ذکاوت	۴۷۰
۵۲۰	وفات	۴۷۲
۵۲۱	نمازِ جنازہ	۴۷۲
۵۲۲	تدفین	۴۷۲
۵۲۳	پیغامِ حیات	۴۷۳
۵۲۴	**کچھ الدین کے بارے میں .....**	۴۷۴
۵۲۵	''الدین'' کی مختصر تاریخ	۴۷۴
۵۲۶	''الدین کی نشأۃِ ثانیہ	۴۷۵
۵۲۷	الدین سالِ رواں	۴۷۵
۵۲۸	''الدین'' کے مسابقۂ سالنامہ میں شریک طلبہ	۴۷۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے، اس کی تعلیمات جس طرح مردوں کے لیے مفید ہیں اسی طرح عورتوں کے لیے بھی نافع ہیں، نیز اخروی کامیابی کے لیے جہاں مردوں کو شریعت کی پاسداری کرنا ہے وہیں عورتیں بھی سعادتِ دارین کے لیے دینِ حنیف کی محتاج ہیں؛ لہٰذا آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جہاں مردوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام فرمایا وہیں عورتوں کی تعلیم وتربیت کی بھی فکر فرمائی۔ دین کے موٹے موٹے اور عام مسائل کی تعلیم تو خود آپ ﷺ نے بہ نفسِ نفیس دی؛ مگر بہت سے وہ مسائل جنہیں برسرِ عام کہنا مناسب نہ تھا اور خواتین کی فطری حیا ان کے پوچھنے سے مانع تھی، اُن مسائل کو امت تک پہنچانے کے لیے ضروری تھا کہ آپ ﷺ گھر کی مستورات کو اس کام کے لیے استعمال فرماتے۔

ظاہر سی بات ہے کہ ایک ابدی دین اور سرمدی شریعت کے وہ علوم ومعارف اور عقائد ومسائل جو عورتوں سے متعلق ہیں ان کی اشاعت ایک دو افراد کے بس کی بات نہیں تھی، اس کے لیے ذہین وفطین اور امین ومتقی خواتین پر مشتمل مستقل ایک جماعت کی ضرورت تھی جو مختلف مواقع، اوقات اور احوال میں معدنِ علم وحکمت اور سرچشمۂ نبوت سے اپنی اپنی ضروریات کا دین لیتی اور امت کے مختلف طبقاتِ خواتین تک پہنچاتی۔ اسی مقصدِ عظیم کے پیشِ نظر تاجدارِ مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مختلف مزاج، قبیلوں اور خاندانوں سے تعلق رکھنے والی پاکیزہ، عفیف اور پاکدامن خواتین سے نکاح فرمایا۔

نیز آپ ﷺ کے یہ متعدد نکاح صرف تعلیمی مقاصد کے لیے ہی نہ تھے؛ بلکہ ان کے ذریعے آپ ﷺ کے دعوتی مشن کو بھی کافی تقویت ملی، ان مقدس خواتین کے ذریعے بہت سارے قبائل نبیٔ کریم ﷺ کے رشتۂ مصاہرت میں آگئے اور ان کی طرف سے متوقع عداوت

ونفرت سے آپ ﷺ کا دعوتی مشن محفوظ ہوگیا، اس طرح یہ مقدس جماعت پیغامِ الٰہی کی تبلیغ واشاعت میں انتہائی معین ومددگار ثابت ہوئی۔

آیئے! ہم ان ہی مقدس ومطہر، پاکباز وعفت مآب خواتین کے حالات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں؛ تاکہ ہمیں اور خصوصاً ہماری مستورات کو ان کی منوّر زندگی سے روشنی ملے، اور ہم اس روشنی کے سہارے چلتے چلتے اسی ماحول اور فضا میں پہنچ جائیں جہاں دورِ نبوت میں امتِ اسلامیہ سانس لے رہی تھی۔

قارئین! انسان کی زندگی میں سب سے قریب اور راز دار اس کی شریکِ حیات ہوتی ہے، ہر آدمی کے نمایاں کارناموں کے پیچھے اس کی بیوی کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ اگر زن وشوئی کا رشتہ عمدگی سے گذر رہا ہو تو اسے خوشحال زندگی کہتے ہیں؛ مگر اس کا دارومدار نہ کثرتِ مال ومنال ہے، نہ اسبابِ عیش وطرب کی فراہمی؛ بلکہ اسوۂ نبویہ کا اتباع ہے، اور یہ اسوہ ہمیں ازواجِ مطہرات کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتا، اس لیے کہ وہی آقائے دوجہاں ﷺ کے گھریلو رازوں کی امین تھیں، ان ہی کے صدقے ہمیں آپ ﷺ کی پاکیزہ معاشرت ملی، ان ہی کے واسطے سے ہم نے نبی اور شوہر کی حیثیت میں فرق کرنا سیکھا، ان ہی کا کرم ہوا کہ ہمیں مرد وزن کے درمیان پیار محبت کے مواقع معلوم ہوئے، ان ہی کے ذریعے شوہروں کو بیوی کے نخرے برداشت کرنے کا گُر حاصل ہوا، اور بیویوں نے شوہر کی رضا ورغبت کی رعایت کرنا سیکھا، یہ وہی پاکباز خواتین ہیں جن کی زندگیاں پڑھ کر ہم گھریلو نزاعات سے کوسوں دور امن وچین کی زندگی گزار سکتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ان ہی پاکدامن اور نیک سیرت جماعت کی زندگیوں سے پردہ ہٹا کر ہمیں آگاہی کا موقع فراہم کرتی ہے اور ہمارے دل ودماغ کو جھنجھوڑ کر صدا لگاتی ہے کہ ہمیں کامیاب زندگی گزارنی ہے تو ان کا اسوہ اپنانا ہوگا، ان کے کردار کو اپنی زندگی کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا اور ان کے دشمنوں اور ان کے طور وطریق سے خود کو دور رکھنا ہوگا۔

جیسا کہ ہمارے قارئین جانتے ہیں کہ ''الدین'' کے پلیٹ فارم سے ہر سال ''سالنامہ'' (خصوصی شمارہ) منظرِ عام پر لایا جاتا ہے جس کا عنوان اکابر کے مشورے سے

پچھلے تین سال سے ''صحابہ وصحابیات'' کی مقدس ترین شخصیات طے پایا ہے۔ پہلے سال ''الدین'' کا خصوصی شمارہ ''عشرۂ مبشرہ'' کے نام سے اور دوسرے سال ''عشرون مبشرون'' کے نام سے طبع ہوا۔ امسال (۱۴۳۹ھ،۲۰۱۸ء) تین خصوصی شمارے ''پندرہ جنتی صحابیاتؓ، بناتِ طیباتؓ'' اور ''ازواجِ مطہراتؓ'' شائع کرنے کا فیصلہ ہوا، آپ کے ہاتھوں میں موجود یہ کتاب اسی ثالث الذکر خواب کی تعبیر ہے۔ کتاب کی تیاری، اس کا طریقۂ کار اور اصول وضوابط وہی رہے جو اس سے پہلے کے شماروں میں رہے ہیں۔

خدائے ذوالمنن کا بے شمار فضل واحسان اور کرم ہے کہ ''الدین'' کے ان خصوصی شماروں کی اشاعت میں روزِ اول سے اکابرین، اساتذۂ کرام، ابنائے جامعہ اور محسنین و مخلصین کا بھرپور تعاون رہا ہے، اگر ان حضرات کا یہ مخلصانہ تعاون میسّر نہ ہوتا تو یہ سب کچھ جو آج حقیقت کی دنیا میں ہمارے سامنے ہے صرف خواب کی حیثیت رکھتا۔ اس موقع سے راقم آثم ان محسنین کی خدمت میں ''کلماتِ تشکر وامتنان'' پیش کرنے کو اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہے۔

اول وآخر خدائے واحد کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجالانے کے بعد سب سے پہلے میں شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں الدین کے سرپرستِ اعلیٰ، جامعہ کے شیخ الحدیث: حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری ادام اللہ فیوضہ علینا کا، جن کی دعائیں اور توجہات ہم گنہگاروں کے لیے توشۂ راہ ثابت ہوئیں اور ان شاء اللہ ہوتی رہیں گی۔

''الدین'' کی مجلسِ ادارت کے رکنِ رکین جامعہ ہٰذا کے مہتمم حضرت اقدس مولانا احمد بزرگ صاحب سملکی دامت برکاتہم کا بھی شکرگزار ہوں، جنہوں نے نہ صرف کھلی فضا میں کام کرنے کے مواقع عنایت فرمائے؛ بلکہ ہر قسم کے تعاون کا یقین دلا کر ہمارے حوصلوں کو جِلا اور ہمارے قدموں کو ثبات بخشا، خصوصاً آپ ہر سال طباعت کے لیے گراں قدر رقم فراہم کرتے رہے۔

نیز اپنے مشفق اساتذۂ کرام کا بھی بہ صمیمِ قلب ممنون ومشکور ہوں کہ ان کی حوصلہ افزائی کے کلمات ہم نااہلوں پر بارش کی طرح برستے رہے اور اسی ابرِ کرم کے سائے میں چلچلاتی دھوپ میں سفر کا حوصلہ ملتا رہا۔ خصوصاً جامعہ کی مرنجاں مرنج شخصیت، دارالافتا کے صدرِ ذی وقار

استاذنا المعظّم حضرت اقدس مفتی عباس داؤد بسم اللہ صاحب ڈابھیلی دامت برکاتہم العالیہ کا سپاس گزار ہوں کہ آپ نے ہم شاگردوں کی بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی اور بہت ہی کار آمد دعاؤں کے ساتھ مفید کتابیں بھی ہدیتاً عطا فرمائیں۔ سچ یہ ہے کہ اکابر کی معمولی سی حوصلہ افزائی بھی اصاغر کا سیروں خون بڑھا دیتی ہے چہ جائے کہ نوازشات اور عنایات کا لامتناہی سلسلہ ہو۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع سے ''الدین'' کے نگرانِ اعلیٰ، میرے مشفق ومحسن استاذ حضرت مفتی ابوبکر صاحب پٹنی مدظلّہ العالی کا ذکر نہ کروں کہ ہر شمارے کی ''بسم اللہ'' سے لے کر ''تمت بالخیر'' تک استاذِ مکرم کے مفید مشوروں کی کمک ملتی رہتی ہے جس کی وجہ سے ہم ناتجربہ کاروں کے بہت سے پیچیدہ مسائل منٹوں میں حل ہو جاتے ہیں۔

ان سب اکابر کے علاوہ اطراف واکنافِ عالم میں پھیلے ہوئے گمنام ومخلص فرزندانِ جامعہ کا بھی بے حد منّت شناس وسپاس گزار ہوں کہ ہر شمارے کی طباعت کے لیے معتد بہ رقم ان حضرات کی طرف سے بہ واسطۂ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی موصول ہوتی رہتی ہے۔

نیز ابنائے جامعہ، الدین کے محسنین اور بہی خواہان بھی شکریے کے مستحق ہیں کہ قدردانی پر مشتمل ان کے خطوط وکلمات ہم پا افتادگان کی رہنمائی کا ذریعہ بنتے ہیں اور سرحدوں کے فاصلوں اور علاقوں کی دوریوں کے باوجود دامے درمے قدمے سخنے ان کا تعاون انہیں دور رہ کر بھی ہمارے دلوں کے قریب کر دیتا ہے اور رشتوں کی ایک ان دیکھی زنجیر سے باندھ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام اکابر کے سائے کو ہمارے سروں پر بہ صحت وعافیت قائم ودائم فرمائے، اور ہمارے تمام محسنین کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور مزید خدماتِ علمیہ ودینیہ کے لیے موفق فرمائے۔ آمین

کتبہ: العبد معاذ عبدالرزاق چاردلیہ
خادم: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل
مؤرخہ: ۲۳؍رجب ۱۴۳۹ھ
بروز: سہ شنبہ، بوقت: صبح پونے نو بجے

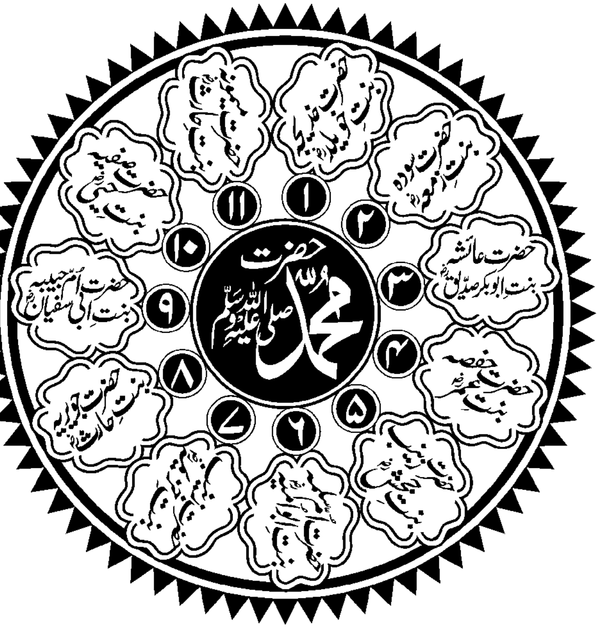

١

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ بنتِ خویلد رضی اللہ عنہا

سوانحی خاکہ

نام : خدیجہ بنت خویلد، لقب: طاہرہ، کنیت: امِ ہند۔

ولادت : عام الفیل سے پندرہ سال قبل ۵۵۶ء میں۔

قبیلہ : قریش۔

پہلا نکاح : ابوہالہ ہند بن نبّاش بن زُرارہ تمیمی سے۔

دوسرا نکاح : عتیق بن عابد مخزومی سے۔

تیسرا نکاح : سرکارِ دوجہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے، چالیس سال کی عمر میں۔

رفاقتِ رسول : پچیس سال۔

اولاد : پہلے نکاح سے دو صاحبزادے: ہند اور ہالہ۔ دوسرے نکاح سے ہند نامی ایک صاحبزادی۔ حضور ﷺ سے دو صاحبزادے: قاسم اور عبداللہ اور چار صاحبزادیاں: زینب، رقیہ، امِ کلثوم اور فاطمۃ الزہرا۔

قبولِ اسلام : نبوّت ملنے کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

وفات : نبوت کے دسویں سال ۱۰/ یا ۱۱/ رمضان المبارک کو وفات پائی۔

مدفن : حضور ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے جنّت المعلّٰی میں سپردِ خاک کیا۔

عمر مبارک : ۶۵/ سال۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ بنتِ خویلد رضی اللہ عنہا

سعد بن مقبول بیلگامی

خوگرِ صدق، وفا شعار، بلند کردار، نیک طبیعت، پاک سیرت، عالی ہمّت، جود وسخا کی پیکر، خلقِ حسنہ کی مجسم تصویر، سراپا فہم وفراست، ناز ونعمت میں پلی ہوئی، دولت جس کے آنگن میں بارش کی طرح برستی رہی، جسے سب سے پہلے قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا، جسے سب سے پہلے جنّت کی بشارت دی گئی، جسے اللہ ربّ العزّت نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ آسمان سے سلام بھیجا، جس نے شعبِ ابی طالب میں رسول اللہ کے ساتھ محصور رہ کر رفاقت ومحبت اور وارفتگی وایثار کا مثالی کردار پیش کیا، جسے حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تقریباً چوبیس سال رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، جس نے اپنی ساری دولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں نچھاور کردی، جس کی قبر میں ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس اترے، لحد کا بہ چشمِ خود جائزہ لیا اور اپنے ہاتھوں سے جسدِ اطہر کو قبر میں اتارا۔ اس قدر خوش قسمت وقابلِ رشک خاتون کون ہوسکتی ہے؟ سرورِ عالم کی ہمدرد وغمگسار رفیقۂ حیات، خاتونِ جنّت فاطمۃ الزہراءؓ کی والدہ، نوجوانانِ جنّت حضراتِ حسنینؓ کی نانی، امیر المؤمنین ذوالنورین حضرت عثمان بن عفانؓ اور امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰؓ کی خوش دامن، جسے تاریخ میں ''سیدہ طاہرہ صدیقہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آیئے! تاریخ کے دریچے سے اس خاتونِ جنّت کی رشک بھری زندگی کا مشاہدہ کر کے اپنے تاریک دلوں کو روشنی بہم پہنچائیں۔

ولادت، نام ونسب

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی ولادت مکۂ معظّمہ میں عام الفیل سے پندرہ سال قبل ۵۵٦ھ کو ہوئی۔

نام: خدیجہ بنتِ خویلد، لقب: طاہرہ، اور کنیت: امِ ہند تھی۔

حضرت ابن عباسؓ آپ کے نسب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: خدیجہ بنتِ خویلد بن اسد بن عبد العزّٰی بن قُصَی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لُؤی بن غالب بن فہر۔ اس طرح قصی پر جاکر آپؓ کا اور سرکارِ دو عالم ﷺ کا نسب مل جاتا ہے۔

والدہ کی طرف سے نسب یہ ہے: خدیجہ بنت فاطمہ بنتِ زائدہ بن الاصمّ بن الہرم بن رواحہ بن جمر بن عبد بن مَعِیص بن عامر بن لُؤی بن غالب۔

والدین محترمین اور دادا دادی

سیدہ خدیجہؓ کے والدِ محترم کا نام ''خُوَیلِد'' تھا، وہ انتہائی نیک سیرت، باعزت، اعلیٰ حیثیت کے مالک، دیانت دار اور کامیاب تاجر تھے۔ ایثار وسخاوت کی دولت سے بھی بہرہ یاب تھے۔ مکۂ معظّمہ کے بازاروں میں نظر آنے والی بیرونِ شہر سے لائی گئی اشیا میں سے اکثر خویلد ہی کے تجارتی قافلہ کی مرہونِ منت ہوتی تھیں۔ یہ نہ صرف اپنے قبیلے میں بڑی باعظمت و باوقار شخصیت کے مالک تھے، بلکہ اپنی خوش معاملگی و دیانت داری کی بہ دولت تمام قریش میں بے حد ہر دل عزیز اور محترم تھے۔ سیدہ خدیجہؓ کے والد خویلد بن اسد صاحبِ اولاد تھے اور قبیلہ کے سر کردہ افراد میں سے شمار ہوتے تھے۔ ان کے سب سے بڑے بیٹے حزام تھے، جن کے بیٹے حکیم کو دار الندوہ کا منتظم بنایا گیا تھا۔ سردار خویلد کے ایک بیٹے کا نام ''عوّام'' تھا جن کی شادی اللہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی

سیدہ صفیّہ بنتِ عبدالمطلب سے ہوئی تھی۔عوام کے ایک بیٹے کا نام سیدنا زبیرؓ تھا جو ''عشرۂ مبشرہ'' میں سے ہیں۔خویلد بن اسد کی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی سیدہ خدیجہ تھیں۔ایک بیٹی کا نام سیدہ ہالہ تھا جو اللہ کے رسول ﷺ کی صاحبزادی سیدہ زینبؓ کی خوش دامن تھیں،سیدہ زینب کی شادی ہالہ کے بیٹے ابوالعاص ابنِ ربیع سے ہوئی تھی۔

بقول ابنِ سعد مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ خُویلد عام الفیل سے تقریباً ۲۰/ برس پہلے ہونے والی جنگِ فِجار میں لڑتے ہوئے مارے گئے۔

سیدہ خدیجہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنتِ زائدہ تھا۔

سیدہ خدیجہ کے دادا کا نام اسد (بن عبدالعزیٰ بن قصی) اور آپ کی دادی کا نام زہرہ بنتِ عمرو تھا،ان دونوں کا تعلق بنو کاہل (بن اسد بن خُزَیمہ بن مُدرِکہ بن الیاس بن نضر بن نزار بن معد بن عدنان) سے تھا۔(رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں:۱۰۱)

''طاہرہ''لقب پڑنے کی وجہ

حضرت خدیجہؓ کے ناصیۂ اقبال پر عہدِ طفولیت ہی سے بلندی کے آثار ہویدا تھے، حسنِ صورت کے ساتھ حسنِ سیرت کے زیور سے بھی وہ پورے طور پر آراستہ تھیں۔ معاملات میں بڑی صاف ستھری،اور اخلاقی پاکیزگی کا اعلیٰ نمونہ تھیں۔والد کے ضعیف ہوجانے کے بعد جب کاروبار انہوں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو جوہر کھلے، پورے قبیلۂ قریش نے ان کی صفائیٔ معاملات اور داد و دہش کی گواہی دی،اور ''طاہرہ'' کے معزّز لقب سے یاد کر کے ان کی شرافت و عظمت کا اقرار کیا۔گویا جسے اس دنیا کے سب سے طاہر و پاکباز گھر کی رونق بننا تھا مبدأِ فیاض کی جانب سے اسے پہلے ہی سے ''طاہرہ'' کا لقب عطا کردیا گیا۔(امہات المؤمنین:۵۸)

حضرت خدیجہؓ کا لقب ''طاہرہ'' رکھا نہیں گیا؛ بلکہ من جانب اللہ لوگوں سے ان کو

''طاہرہ'' کہلایا گیا تھا؛ تا کہ ان کی طہارت ونزاہت مشہور ہو جائے، جس طرح آپ ﷺ کو ''امین'' کہلوایا گیا؛ تا کہ آپ کی امانت اور دیانت مسلم ہو جائے، اور کسی کو اس میں کلام کی گنجائش نہ رہے۔ ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے کہ: زبانِ خلق کو نقارہ سمجھو۔ چوں کہ حضرت خدیجہؓ اپنے زمانے کی مریم تھیں، اس لیے ان کو بھی حضرت مریمؑ کی طرح ﴿وطهرك واصطفاك على نساء العالمين﴾ سے خاص حصہ ملا، اور ''طاہرہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

آپ کا بچپن

حضرت خدیجہ بچپن ہی سے نہایت حلیم، بردبار اور باوفا تھیں۔ متانت وسنجیدگی اور ذہانت وفطانت کے ساتھ معاملہ فہمی اور غم خواری وغم گساری کی دولت سے بھی مالا مال تھیں۔ دنیاوی اعتبار سے ان کا مستقبل نہایت تابناک تھا، اور والد کے تموّل کی وجہ سے راحت وآسائش کا ہر سامان ان کے پاس موجود تھا۔

پہلا نکاح

بچپن کی سرحد پار کر کے جب سنِ شعور وبلوغ میں داخل ہوئی، تو ان کے والد خویلد کو ان کی شادی کی فکر ہوئی، چوں کہ متانت وسنجیدگی اور معاملہ فہمی کے ساتھ نہایت پاکیزہ اخلاق، اور حسنِ صورت وسیرت کی حامل تھیں، اس لیے ان تمام اوصاف کا لحاظ کرتے ہوئے خویلد نے ان کی شادی کے لیے ''وَرَقَہ بن نَوفَل'' کا انتخاب کیا جو حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی اعلیٰ سیرت وکردار کے حامل تھے، تمام اہلِ مکّہ کے علی الرغم ابتدا ہی سے جاہلی رسم ورواج اور بت پرستی سے متنفّر وبیزار تھے، قرآنِ کریم سے پہلے نازل ہونے والی کتبِ سماویہ ''تورات وانجیل'' کے عالم اور دینِ نصرانیت پر عمل پیرا تھے، انہوں نے اپنی پوری زندگی راہِ حق کی تلاش

وجستجو میں بسر کی، حضورﷺ کی بعثت ونبوت تک زندہ رہے، اور آپﷺ کو پیغامِ نبوت ورسالت کے سلسلے میں پیش آنے والی بہت سی دشواریوں سے آگاہ کیا، اور ساتھ ہی تسلّی وتشفّی کے کلمات سے آپﷺ کی دل جوئی ودل بستگی فرمائی، نیز بھرپور امداد واعانت کا وعدہ بھی کیا؛ مگر علانیہ تبلیغ کا حکم ملنے سے پہلے ہی راہیٔ ملکِ بقا ہوگئے۔

کسی وجہ سے حضرت خدیجہؓ ورقہ بن نوفل کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک نہ ہوسکیں، تو خویلد نے ان کا نکاح ابوہالہ ہند بن نبّاش بن زُرارہ تمیمی سے کردیا۔

مشہور مؤرخ علی بن عبدالعزیز جُرجانی نے ابوہالہ کا نام ''ہند'' بتایا ہے: مگر ابنِ اسحاق کی روایت میں ہند کے بجائے ابوہالہ کا نام نبّاش مرقوم ہے، اور ایک روایت میں ''مالک'' مذکور ہے، بعضوں میں زُرارہ بھی لکھا ہے۔ (اسد الغابۃ: ۴/ ۲۶، بحوالہ امہات المؤمنین: ۵۸)

حضرت مولانا انور احمد صاحب اعظمی مدّ ظلّہ ''اصابہ'' کے حوالہ سے اپنی کتاب ''امہات المؤمنین'' میں لکھتے ہیں: ابوہالہ سے حضرت خدیجہ کے یہاں ہالہ اور ہند نامی دو بیٹے پیدا ہوئے، آپ کی کنیت: ''امِ ہند'' اسی ہند کے نام پر ہے۔ حضرت خدیجہؓ کے مذکورہ دونوں بیٹوں نے حضورﷺ کی بعثت کا زمانہ پایا اور آپﷺ کے دستِ اقدس پر اسلام کی بیعت کر کے شرفِ صحابیت سے مشرّف ہوئے اور دنیا وآخرت کی کامرانیوں سے سرفراز ہوئے۔ ہند بن ہالہ نہایت فصیح وبلیغ تھے، حلیۂ نبوی کے متعلق مفصّل روایت ان ہی سے مروی ہے، اسی وجہ سے ''وصّافِ رسولﷺ'' کے معزّز لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں جنگِ جمل میں شریک ہوکر اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ (امہات المؤمنین: ۶۴-۶۵)

دوسرا نکاح

حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر جناب ابوہالہ کا جوانی ہی میں انتقال ہوگیا، تو انہوں

نے قبیلۂ بنی مخزوم کے ایک معزز شخص ''عتیق بن عابد المخزومی'' سے نکاح کرلیا (عابد باء اور دال کے ساتھ ہی صحیح ہے)۔ عتیق کے یہاں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ایک بچی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ''ہند'' رکھا گیا، یہ حضرت ہندؓ بھی حضور ﷺ کی بعثت کے بعد مشرّف بہ اسلام ہوئیں، بلوغت کے بعد رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئیں، حضرت خدیجہؓ کی نسبت سے ان کی اولاد ''بنوالطاہر'' کے لقب سے مشہور ہوئیں ان سے کسی حدیث کی روایت کا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا ہے۔ جناب عتیق بھی زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکے اور جلد ہی ملکِ بقا کو سدھار گئے۔ اب حضرت خدیجہؓ دوبارہ بیوہ ہوگئیں۔ (سیرت المصطفیٰ:۳/۱۹۶)

والدِ گرامی کا انتقال

اسی بیوگی کے زمانہ میں جاہلیت کی مشہور خوں ریز جنگ کا آغاز ہوا، جسے مؤرخین نے ''حرب الفجار'' کے نام سے یاد کیا ہے، حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد بھی اپنے قبیلے اور خاندان والوں کے ساتھ اس میں شریک ہوئے اور میدانِ قتال میں اپنے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے۔ یہ واقعہ ''عام الفیل'' سے تقریباً بیس برس پہلے کا ہے۔ (سیر الصحابیات:۱۹)

سیدہ خدیجہؓ میدانِ تجارت میں

شوہر اور والد دونوں کے یکے بعد دیگرے انتقال کر جانے سے حضرت خدیجہؓ تنہا ہوگئیں، بچے ابھی اس لائق نہیں ہوئے تھے کہ کاروبار ان کے سپرد کیا جاتا، چناں چہ ان کو بے انتہا پریشانی لاحق ہوئی، کش مکش کا عالم تھا، خاندانی ذریعۂ معاش تجارت تھا، اور تجارت بھی نقطۂ عروج پر تھی، مگر اب اس کا کوئی ایسا نگہبان باقی نہ رہا جو مالِ تجارت میں تصرّف کر کے اس میں اضافہ کرتا، حالات نہایت ہمّت شکن تھے؛ مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا متین وسنجیدہ، سوجھ بوجھ رکھنے والی اور نہایت حوصلہ مند خاتون تھیں، اللہ تعالیٰ نے ہمت وجرأت کے ساتھ عقل وخرد سے بھی حصۂ وافر عطا فرما رکھا تھا، چناں چہ

وہ پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئیں، تجارتی کاروبار کو مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے اعزّہ وغیرہ کو معاوضہ اور مضاربت پر مال دے کر ملکِ شام ویمن کی تجارتی منڈیوں میں بھیجنا شروع کردیا۔ کام چوں کہ نہایت وسیع پیمانہ پر اور کافی پھیلایا ہوا تھا، اس لیے غلاموں کے علاوہ متعدد عرب، یہودی اور عیسائی ملازم رکھ لیے تھے؛ تاکہ تجارت کو خوب فروغ حاصل ہو، حسنِ تدبیر اور دیانت داری کی یہ دولت ان کی تجارت روز بہ روز ترقی کرتی رہی۔ (ازواجِ مطہرات حیات وخدمات:۵۶)

حضور ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کے درمیان تعلّق کا آغاز

ایک مرتبہ جب قریش کے ایک تجارتی قافلہ کی روانگی کا وقت آیا تو حضور ﷺ کے شفیق چچا خواجہ ابوطالب نے جو آپ ﷺ کے حالات اور ضروریات وغیرہ سے خوب واقف تھے، آپ ﷺ سے کہا: خدیجہ کے پاس جاکر ان سے ملاقات کریں، ان کا مالِ تجارت ملکِ شام کی طرف جانے والا ہے، میرے نزدیک یہ نہایت اچھی اور خوشی کی بات ہوگی کہ تم بھی اس تجارتی قافلہ کے ساتھ جاؤ۔ خود میرے پاس اگر کچھ سرمایہ ہوتا تو اسے تمہارے حوالے کردیتا اور تم اس کے ذریعہ تجارت کرتے۔

اُس وقت آپ ﷺ کی عمر کا پچیسواں سال شروع ہوچکا تھا، آپ ﷺ کی صداقت وراست بازی، امانت ودیانت، اخلاقی پاکیزگی اور حسنِ معاملگی کی شہرت ہر طرف ہوچکی تھی، امانت وصداقت کا چرچا زبان زد تھا، وادیٔ مکّہ کا بچہ بچہ آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق اور دیانت وصداقت سے نہ صرف یہ کہ واقف بلکہ اس کا والہ وشیدا بن چکا تھا، اور آپ ﷺ ''صادق وامین'' کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ بہرحال خواجہ ابوطالب نے اِدھر آپ ﷺ سے حضرت خدیجہؓ کے پاس جاکر تجارتی قافلہ میں شریک ہونے کا مشورہ دیا، اور اُدھر پردۂ غیب سے خدائی انتظام یہ ہوا کہ حضرت خدیجہؓ تک خواجہ ابو

طالب کی بات پہنچ گئی، ان کے دل میں خود داعیہ پیدا ہوا، اور کیوں نہ ہوتا کہ ’’صادق وامین‘‘ سے بہتر اور کون ہوسکتا ہے جسے مالِ تجارت سپرد کیا جائے۔

چناں چہ انہوں نے خود ہی پہل کی اور پیغام بھیجا کہ: آپ میرا مالِ تجارت لے کر ملکِ شام جائیں، اب تک دوسروں کو جتنا معاوضہ دے کر بھیجا کرتی تھی ان کی بہ نسبت آپ کو دوگنا معاوضہ دیا کروں گی۔ حضرت خدیجہؓ کی اس فراخ دلانہ پیش کش کو آپ ﷺ نے کسی لیت ولعل کے بغیر قبول فرمالیا، اور جب یہ خبر ابوطالب نے سنی تو بے ساختہ بول اٹھے: یہ ایسا رزق ہے جو اللہ نے تمہارے قدموں میں نچھاور کردیا ہے۔ (نساء مبشرات بالجنۃ: ۲۹)

ملکِ شام کی طرف روانگی

معاملہ کی تکمیل کے بعد حضرت خدیجہؓ نے سامانِ تجارت حضور انور ﷺ کے حوالہ کردیا، نیز اپنے ایک قابلِ اعتماد مَیْسَرَہ نامی غلام کو بھی آپ ﷺ کے ساتھ کردیا، تاکہ کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔ آپ کے چچا ابوطالب نے اپنے سابقہ تجربات کی بنیاد پر قافلے والوں کو آپ کے خیال ونگہداشت کی خاص طور پر تاکید کردی تھی۔ قافلہ مکّہ سے نکلا اور منزلیں طے کرتے ہوئے شام میں بہ مقامِ بُصریٰ فروکش ہوا، دیگر قافلے والوں کی طرح آپ بھی اتر کر ایک درخت کے زیرِ سایہ آرام پذیر ہوئے، پاس میں ایک صومعہ تھا جس میں ’’نسطورا‘‘ نامی راہب عبادت میں مصروف رہتا تھا، راہب نے کھڑکی سے سر باہر نکالا اور جھک کر میسرہ سے پوچھا: درخت کے سائے میں یہ کون صاحب آرام فرما ہیں؟ میسرہ نے جواب دیا: قریشی ہیں۔ راہب نے پھر دریافت کیا: کیا اس کی آنکھ میں سرخی ہے؟ میسرہ نے کہا: ہاں اور وہ سرخی کبھی دور نہیں ہوتی۔ یہ سن کر راہب بولا: ’’بلاشبہ یہ نبی ہے اور آخری نبی؛ کیوں کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں اترا‘‘۔

تجارتی منڈی میں

جب سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے ''بصریٰ'' کی تجارتی منڈی میں پہنچ گئے تو قافلے والوں نے خرید وفروخت شروع کردی، آپ ﷺ کا تمام سامانِ تجارت نہایت سہولت کے ساتھ بہت جلد فروخت ہوگیا اور سالہائے گذشتہ کے بالمقابل کافی گراں فروخت ہوا، جس کی بنا پر نفع دوگنا سے بھی زیادہ حاصل ہوا، جن اشیا کے خریدنے کی ضرورت تھی وہ بھی بہ آسانی دستیاب ہوگئیں۔

واپسی اور حیرت انگیز واقعات

اس کامیاب خرید وفروخت کے بعد آپ ﷺ اور میسرہ مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوگئے، میسرہ راستے میں حیرت انگیز واقعات کا مشاہدہ کرتا رہا۔

اور دیکھتا رہا کہ جب دوپہر کے وقت گرمی سخت ہوتی تو دو فرشتے آپ پر سایہ کیے رہتے، میسرہ یہ سب باتیں اپنے ذہن میں محفوظ کرتا رہا۔ (امہات المؤمنین: ۶۵)

حافظ ابونعیم اصفہانی نے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں روایت بیان کی ہے کہ: شام کے سفر سے جب یہ قافلہ مکّہ پہنچا تو دوپہر کا وقت تھا، سیدہ خدیجہؓ اس وقت اپنے گھر کی بالائی منزل پر تھیں، انہوں نے بھی دیکھا کہ حضور ﷺ اپنے اونٹ سوار چلے آرہے ہیں اور فرشتے آپ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔

مکّہ پہنچ کر سارا مال آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے حوالہ کردیا، جب سیدہ خدیجہؓ نے دیکھا کہ ان کے کاروبار میں بہت زیادہ نفع ہوا ہے تو وہ نہایت مسرور ہوئیں اور بہ طورِ معاوضہ جو کچھ طے پایا تھا اس سے کافی زیادہ رقم آپ ﷺ کو پیش کی۔ ادھر میسرہ نے راستہ میں پیش آنے والے محیر العقول واقعات بادل کے سایہ کرنے سے لے کر نسطورا راہب کی پیشین گوئی تک سب حرف بہ حرف سنادیے جس سے حضرت خدیجہؓ حد درجہ

متأثر ہوئیں۔(ازواجِ مطہرات:۱/۹۶)

دیگر تجارتی اسفار

حضرت خدیجہؓ کا کاروباری سلسلہ بہ دستور جاری رہا، آپ ﷺ نے اس کے علاوہ بھی متعدد تجارتی اسفار کیے۔

امام ذہبیؒ اور امام حاکمؒ نے یمن کے مشہور مقام ''جرش'' کی طرف آپ ﷺ کے دو سفر کا تذکرہ کیا ہے۔اسی طرح مسند میں ایک روایت مذکور ہے کہ: جب مدینۂ منورہ میں عرب کے مشرقی ساحلی علاقہ سے--جس کو ''بحرین'' کہا جاتا تھا- بنوعبدالقیس کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے وہاں کے ایک مقام کا نام لے کر اس کا حال دریافت کیا، اس سے ان لوگوں کو بڑا تعجب ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے ملک میں بہت پھرا ہوا ہوں۔

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی سچی رفاقت، اور تجارت میں آپ ﷺ کی مخلصانہ معاونت نے آپؐ کی مالی حالت میں چار چاند لگا دیے جس سے آپ کی سماجی حیثیت میں کئی گنا اضافہ ہوا۔(ازواجِ مطہرات:۱۰۰)

عالی ظرفی

سیدہ خدیجہؓ کی ایک بہن نے بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک دوسرے آدمی کو شامل کر کے تجارتی شرکت کی تھی، جب دونوں سفر سے واپس آئے اور حساب کتاب کیا گیا تو سیدہ خدیجہؓ کی بہن کے ذمہ ان دونوں کا کچھ مال نکلتا تھا، دوسرا تاجر تو اکثر ان کے گھر جاتا اور ان سے اپنی رقم کا مطالبہ کرتا۔ وہ شخص آپ ﷺ سے بھی اسی طرح کا تقاضا کرتا کہ تم بھی خدیجہؓ کی بہن سے میری طرح مطالبہ کرو، تو آپ ﷺ اس پر عذر فرماتے کہ مجھے شرم آتی ہے۔سیدہ خدیجہؓ کی بہن نے یہ بات حضرت خدیجہؓ کو بتلا دی تو

انہیں آپ کی عالی ظرفی بھا گئی۔

پاکیزہ رشتے کا نقطۂ آغاز

حضرت خدیجہؓ حضور ﷺ کی شرافت ونجابت اور کردار کی بلندی سے خوب واقف تھیں؛ مگراب معاملۂ تجارت میں آپ ﷺ کی امانت ودیانت، فلاح وکامرانی، حکمت وحسنِ تدبیر اوران سب سے بڑھ کر میسرہ کی زبانی سنے ہوئے حیرت انگیز واقعات نے حضرت خدیجہؓ کے نہاں خانۂ قلب میں یہ بات مستحکم کردی کہ نبیٔ آخرالزماں کے معزّز شرف سے مشرف ہونے والی شخصیت آپ ﷺ ہی کی ذاتِ اقدس ہے، اس لیے وہ پوری گرویدگی کے ساتھ اس تمنّا میں اپنے شب وروز بسر کرنے لگیں کہ انہیں آپ ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل ہوجائے اوروہ اس سعادت سے شادکام ہوجائیں۔

جن محیر العقول واقعات نے حضرت خدیجہؓ کے نہاں خانۂ دل میں محبتِ نبوی ﷺ کے چراغ جلائے تھے ان میں سے ایک یہ ہے: جاہلیت کی ایک عید میں مکّہ کی عورتیں جمع ہوئیں، ان میں حضرت خدیجہؓ بھی تھیں، دیکھتی کیا ہیں کہ یکا یک ایک شخص نمودار ہوا اور بہ آوازِ بلند یہ ندا دی: اے عورتو! تمہارے شہر میں عنقریب ایک نبی ظاہر ہوگا جس کا نام احمد ہوگا، جوعورت تم میں سے اس کی بیوی بن سکے تو وہ ضرور کرگزرے۔ سب عورتوں نے اس ندا دینے والے کے سنگریزے مارے، مگر حضرت خدیجہؓ نے کوئی سنگریزہ نہیں مارا؛ بلکہ سن کر خاموش ہوگئیں۔ حضرت خدیجہؓ کا قلب پہلے ہی سے اس سعادت کے حصول میں تمناؤں اور آرزوؤں کی جولانگاہ بنا ہوا تھا؛ مگراس ہاتفِ غیبی کی آواز نے آتشِ شوق کواور بھڑکایا۔ (سیرت المصطفیٰ:۳/۱۹۷)

رؤسائے قریش اور حضرت خدیجہؓ

یعلیٰ بن امیہ کی بہن نَفِیسَہ بنت مُنیَہ نہایت عقل منداور ہوشیار خاتون تھیں، ان کا

بیان ہے: حضرت خدیجہؓ کے دوسرے شوہر عتیق کا جب انتقال ہوگیا اور وہ دوبارہ بیوہ ہوگئی تو چوں کہ وہ انتہائی ذہین وفطین، اخلاقِ کریمانہ سے مزیّن، حسنِ ظاہری ومعنوی دونوں سے آراستہ اور کافی دولت مند تھیں؛ اس لیے قبیلۂ قریش کے بڑے بڑے رؤسا اور سرداران ان کو اپنی زوجیت میں لینے کے لیے دل وجان سے خواہاں تھے، اور اپنا اپنا پیغام ان کے پاس بھیج کر منظوری کی راہ تک رہے تھے؛ مگر حضرت خدیجہؓ کسی کی طرف ملتفت نہ ہوئی اور ہر ایک کے پیغام کو معذرت کے ساتھ رد کردیا۔ کیوں کہ بارگاہِ ذو الجلال سے یہ فیصلہ صادر ہوچکا تھا کہ قبیلۂ قریش کی ''طاہرہ'' اب صرف ''صادق وامین'' ہی کی زوجہ بن سکتی ہے۔ ویسے بھی میسرہ کی ساری دل پذیر داستان سن کر وہ دلی طور پر بہت زیادہ متأثر ہوئی تھیں، وہ اس نہج پر سوچنے لگیں کہ کیوں نہ آپ کو اپنا سرتاج اور دل کا محرم بنانے کے لیے التماس کی جائے، اگر منظور ہوجائے تو زہے نصیب؛ لیکن اس کا اظہار کیسے ہو؟ کیوں کہ میں نے کسی کو بھی پرِ کاہ کی حیثیت نہیں دی، سردارانِ قریش کیا کہیں گے؟ معلوم نہیں؛ خاندان کے افراد کا کیا ردِعمل ہوگا؟ یہ بھی پتہ نہیں کہ میری یہ پیش کش شرفِ قبولیت حاصل کرتی ہے یا نہیں؟ (امہات المؤمنین:۶۸)

خواب سے خیال کی تائید

انہیں خیالات وافکار میں شب وروز گذرنے لگے، دل اچاٹ رہنے لگا، ایک رات خواب آیا، کیا دیکھتی ہیں کہ چمکتا ہوا سورج گھر کے آنگن میں اتر آیا ہے، جس سے پورا گھر جگمگا اٹھا۔ آنکھ کھلی تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ تورات وانجیل کے مشہور ومعروف عالم چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے خواب کی تعبیر پوچھی، انہوں نے خواب سن کر مسکراتے ہوئے کہا: خوش ہوجاؤ، یہ چمکتا دمکتا سورج جو تیرے گھر کے آنگن میں اترتا دکھائی دیا یہ نورِ نبوت ہے جو تیرے نصیب میں آئے گا اور تم اس سے فیض حاصل

کروگی۔(رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں:۱۲۶-۱۲۷)

نفیسہ بنتِ منیبہ کے ذریعے پیغام رسانی

اس خواب کے بعد سیدہ خدیجہؓ کے قلب ونظر میں حضرت محمد ﷺ کا خیال چھا گیا اور آپ کی محبت رگ وریشے میں سرایت کرگئی؛ لیکن کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ کس طرح آپ تک پیغام پہنچایا جائے۔

سیدہ خدیجہؓ کی باوفا اور رازدار سہیلی نفیسہ بنتِ منیبہ اس ساری صورتِ حال سے آگاہ تھی، ایک دن اس نے ازراہِ مذاق کہا: ہائے اللہ! یہ دل نشیں خاموشی، یہ پُراسرار سکوت، فضاؤں میں اداسی، نگاہوں کی دلفریب گردش، یہ بجھی بجھی سی طبیعت، یہ اداسی اور یہ گھٹن اور یہ خود کلامی کے بے چین لمحے، کچھ بولو تو سہی! اس طرح اٹکھیلیاں کرتی ہوئی یک دم سنجیدہ ہوکر کہنے لگی: جانے دو، یہ بھی کوئی کام ہے، یہ مشکل تو میں حل کیے دیتی ہوں۔

پھر وہاں سے اٹھی، سیدھی حضور ﷺ کے پاس جا پہنچی، سلام عرض کیا: خیر خیریت دریافت کی اور کہا: ایک سوال، اگر برا نہ مانے تو عرض کردوں، آپ نے فرمایا: ہاں کہو! کیا بات ہے؟ عرض کیا: آپ نے ابھی تک نکاح کیوں نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس اتنا مال نہیں جس سے اس کے اخراجات پورے کرسکوں۔اس نے کہا: اگر میں ایک مال دار، خاندانی اور حسین وجمیل باعزت خاتون کی نشان دہی کروں جو آپ سے شادی کرنے کی دلی رغبت رکھتی ہے تو کیا آپ کو منظور ہے؟ فرمایا: وہ کون ہے؟ عرض کیا کہ: وہ خدیجہ بنتِ خویلد ہے، ارشاد ہوا: وہ میرے ساتھ نکاح پر کیسے راضی ہوں گی؟ کہا: وہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے، میں کرلوں گی، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ راضی ہے تو مجھے قبول ہے۔

یہ سن کر نفیسہ خوشی سے جھوم اٹھی، اسی وقت جا کر اپنی سہیلی کو مسرّت بھرا پیغام سنایا، حضرت خدیجہؓ کے تو نصیب جاگ اٹھے، انگ انگ خوشی و شادمانی سے جھوم اٹھا اور کیوں نہ ہوتا کہ آخر وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہونے جا رہا تھا جس نے خیالات کی دنیا میں دھوم مچا رکھی تھی۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں:۱۲۲-۱۲۳)

حضرت خدیجہؓ سرورِ کائنات کے نکاح میں

آپ ﷺ کے چچا ابو طالب اور امیرِ حمزہ، سیدہ خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد کے پاس شادی کا پیغام لے کر گئے، شادی کی تاریخ مقرر ہوئی، طرفین سے عزیز و اقارب اکٹھے ہوئے۔ حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد کا تو انتقال ہو چکا تھا اس لیے حضرت خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد مجلسِ نکاح میں بہ طورِ سرپرست اور ولی موجود تھے۔ جب سب لوگ جمع ہوگئے تو آپ ﷺ کے چچا خواجہ ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھا، ہم اس کے کچھ اقتباسات محمد رضا مصری کی کتاب ''محمد'' سے یہاں پیش کرتے ہیں:

الحمد لله الذي جعلنا من ذرية إبراهيم وذرع اسماعيل، وضئضئ معد وعنصر مضر، وجعلنا خضنة بيته، وسواس حرمه، وجعل لنا بيتا محجوجا، وحرما آمنا، وجعلنا الحكام على الناس، ثم ان ابن أخي محمد بن عبد الله، لايوزن برجل الأرجح به، فإن كان في المال قل، فإن المال ظلّ زائل، وأمر حائل، ومحمد ممن عرفتم قرابته، وقد خطب خديجة بنت خويلد وبذل لها من الصداق ما آجله وعاجله من مالي كذا، والله بعد هذا له نبأ عظيم وخطر جليل.

ترجمہ: حمد و تعریف اسی اللہ کے لیے ہے جس نے ہم کو حضرت ابراہیمؑ کی ذریت اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں پیدا کیا، ہمارے خانوادے کو قبیلۂ معد و مضر سے جوڑا،

اپنے گھر کا پاسبان اور اپنے حرم کا والی بنایا، ہمارے لیے ایک ایسا گھر بنایا جو سب کا مقصود ہے، اور اسے ''حرمِ آمن'' بنایا، اور تمام لوگوں پر ہم کو حکمرانی عطا کی۔ پھر ہمارے برادرزادے محمد بن عبداللہ کو ہر ایک کے مقابلہ میں فضیلت بخشی، مالی اعتبار سے اگرچہ وہ کم تر ہیں مگر مال کی حیثیت ہی کیا کہ وہ تو ڈھلتی چھاؤں ہے، جس میں کوئی ثبات نہیں اور محمد ان لوگوں میں سے ہیں جن کی قرابت سے تم بہ خوبی واقف ہو، انہوں نے خدیجہ بنتِ خویلد کو نکاح کا پیغام دیا ہے اور مہر کی رقم بھی ادا کردی ہے اور قسم بہ خدا! آئندہ ان کی بڑی شان ہوگی۔

خواجہ ابو طالب جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو ورقہ بن نوفل کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا:

الحمد لله الذي جعلنا كما ذكرت، وفضلنا علىٰ ما عددت، فنحن سادة العرب وقادتها، وأنتم أهل ذٰلك كله، لاتنكر العشيرة فضلكم، ولايرد أحد من الناس فخركم ولا شرفكم، وقد رغبنا في الاتصال بحبلكم وشرفكم، فاشهدوا يا معشر قريش! بأني قد زوجت خديجة بنت خويلد من محمد بن عبد الله.

ترجمہ: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ویسا ہی بنایا جیسا آپ نے بیان کیا اور ان پر فضیلت عطا فرمائی جن کا آپ نے شمار کیا، ہم عربوں کے سردار اور ان کے رہنما ہیں، اور تم لوگ بھی اس کے سزاوار ہو، کوئی خاندان وقبیلہ تمہارے فضل وکمال کا انکار نہیں کرسکتا، اور نہ ہی کوئی تمہارے شرف وافتخار کو ختم کرسکتا ہے، اور ہماری بھی تمنا ہے کہ تمہارے فضل وشرف میں شریک ہوجائیں، اے جماعتِ قریش! تم گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنتِ خویلد کی شادی محمد بن عبداللہ سے کردی۔

ورقہ بن نوفل کے خطبہ سے فارغ ہوجانے کے بعد خواجہ ابو طالب نے خواہش

ظاہر کی کہ اس عقد پر حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد کی بھی مہرِ تصدیق ثبت ہو جائے، چناں چہ وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور مذکورہ عقد پر اپنی مہرِ تصدیق ثبت کرتے ہوئے گویا ہوئے: اے جماعتِ قریش! تم اس پر گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنتِ خویلد کو محمد بن عبداللہ کے عقد میں دے دیا ہے۔ اس موقعہ پر سیدہ خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد نے یہ بھی کہا تھا: "هذا البضع لا يقرع أنفه" اس شادی کی عظمت کو پہنچا نہیں جاسکتا۔

(حیاۃ الصحابہ: ۱۲-۱۳، امہات المؤمنین: ۷۰-۷۲)

عمرو بن اسد کے مشورہ سے راجح قول کے مطابق پانچ سو درہم طلائی مہر مقرر ہوئی۔ یہ شادی سفر سے واپسی کے دو ماہ پچیس دن بعد ہوئی تھی، حضور ﷺ کی عمر مبارک اُس وقت پچیس برس تھی، اور سیدہ خدیجہؓ کی عمر چالیس برس۔ اس طرح حضرت خدیجہؓ حضور ﷺ کی زوجیت سے مشرف ہوئیں، اور بعثتِ نبوی کے بعد ہمیشہ ہمیش کے لیے ''ام المؤمنین'' کے معزّز لقب سے شرف یاب ہوئیں۔

حلیمہ سعدیہ کا اعزاز واکرام

اس موقع سے رسول اللہ ﷺ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ کو بھی اس خوشی کی تقریب میں بہ طورِ خاص بلایا گیا، جب وہ فارغ ہو کر جانے لگیں تو سیدہ خدیجہؓ نے چالیس بکریاں، ایک اونٹ اور بہت سارا گھریلو سامان دے کر رخصت کیا؛ کیوں کہ اس نے ان کے سرتاج کو بچپن میں دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی تھی۔

شادی کی خوشی اور ولیمہ

شادی کی خوشی کا اظہار سیدہ خدیجہؓ کی سہیلیوں نے آپؓ کے مکان پر دف بجا کر کیا۔ اس مسرّت وشادمانی کے موقع پر ولیمہ کا بھی انتظام ہوا جس کے لیے آپ ﷺ نے دو اونٹ ذبح فرمائے۔ حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے بعض روایات

کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: ایجاب وقبول کے بعد حضرت خدیجہؓ نے ایک گائے ذبح کرائی اور کھانا پکوا کر مہمانوں کو کھلایا۔ (سیرت المصطفیٰ:۳/۲۰۰)

یہ بعثت سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے۔ (ازواجِ مطہرات:۱/۹۹)

حضرت خدیجہؓ متلاشیانِ راہِ حق کی خدمت میں

حضرت خدیجہؓ نکاح کے بعد برابر اُس زمانہ کے متلاشیانِ راہِ حق اور موحّدین خصوصاً اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل اور زید بن عمرو بن نفیل کے پاس جاتی رہیں اور حضور ﷺ کی عمدہ عادات واطوار اور اخلاقِ کریمانہ کا تذکرہ کرکے یہ جاننے کی کوشش کرتی رہیں کہ کیا نبیٔ آخر الزماں آپ ﷺ ہیں؟ اس سلسلہ میں آپؓ نہایت بے چین وبے قرار رہا کرتی تھیں۔

زبیر بن بکّار روایت کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ بار بار ورقہ بن نوفل کے پاس جاتیں، آپ کے متعلق دریافت کرتیں، ورقہ جواب دیتے:

"أراه هٰذا النبي الأمة الذي بشر به موسىٰ وعيسىٰ"

میرا گمان یہ ہے کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خدیجہؓ نے ورقہ سے جاکر آپ کا حال بیان کیا تو ورقہ نے ایک قصیدہ کہا: جس کے بعض اشعار یہ ہیں:

هٰذه خديجة تأتيني لأخبرها — ومـا لنا يخفى الغيب من خبر

بـأن أحـمـد يـأتيـه فيخبـره — جبرئيل إنك مبعوث إلى البشر

یہ خدیجہ بار بار میرے پاس آتی ہے کہ میں اس کو خبر دوں کہ جبرئیل آپ کے پاس اللہ کا پیام لے کر آئیں گے کہ آپ لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں حالاں کہ مجھ

کو غیب کی کچھ خبر نہیں۔

فقلت على الذي ترجين ينخره إلا لــه فـربـي الـغير وانتظري

میں نے خدیجہ کو جواب دیا کہ: عجب نہیں کہ جس کی تو امید کرتی ہے اللہ اس کو پورا کردے، تو اللہ سے خیر کی امید لگائے رکھ اور اس کی منتظر رہ۔

ورقہ کے یہ اشعار مستدرک میں بھی مذکور ہیں، حافظ ذہبیؒ نے اس پر سکوت کیا ہے۔ ورقہ کے اور بھی قصائد ہیں جن سے ورقہ کے اشتیاق اور انتظار کا پتہ چلتا ہے۔

(سیرت المصطفیٰ: ۳/ ۲۰۱-۲۰۳)

قول و قرار

ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ جب گھر تشریف لائے تو سیدہ خدیجہؓ دیکھتے ہی آپ ﷺ کو اپنے سینے سے چمٹا لیا اور کہنے لگیں: میرے ماں باپ آپ پر قربان! اِس وقت میں نے یہ عمل صرف اس لیے کیا ہے کہ مجھے اس کی پوری امید ہے کہ وہ نبی غالبًا آپ ہی ہیں جن کی عنقریب بعثت ہونے والی ہے؛ لہٰذا اگر نبیٔ مبعوث آپ ہی کی ذاتِ اقدس ہے تو میری یہ درخواست ہے کہ آپ میرے حق کو یاد رکھیں، اور اُس خدا سے جو آپ کو مقامِ رسالت و نبوّت سے سرفراز فرمائے گا میرے لیے دعا کریں۔ آپ ﷺ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: خدیجہ! اگر نبیٔ مبعوث میں ہی ہوا تو اس بات کا یقینِ کامل رکھو کہ میں تمہارے احسانات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا اور جس نبی کی بعثت کا انتظار ہے وہ میرے علاوہ اگر کوئی اور ہوا تو بھی یقین رکھو کہ جس خدا کو راضی کرنے کے لیے تم یہ اچھے کام کر رہی ہو وہ تمہارے ان کاموں کے اجر کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

بعثت سے پہلے حضرت خدیجہ کی خدمات

حضرت خدیجہؓ نے جس شوق و ذوق اور فدائیت کے ساتھ حضور ﷺ سے نکاح کیا

تھا، اسے بعثت سے پہلے بھی پوری طرح نبھایا، چناں چہ نکاح کے معاً بعد ہی انہوں نے اپنے پورے ''اثاث البیت اور تجارتی سرمایہ'' کا آپ ﷺ کو مالک ومختار بنا دیا۔ ہمہ وقت آپ ﷺ پر نثار رہا کرتیں، اور آپ ﷺ خوش وخرم رہیں اس کا پورا پورا خیال رکھتیں، کوئی ایسا کام یا کوئی ایسی بات نہ کرتیں جس سے آپ ﷺ کا دل میلا ہو اور قلبِ اطہر پر غبار آ جائے۔ آپ ﷺ کی طرف سے ہمیشہ دفاع کے لیے تیار رہتیں، چناں چہ کسی معاملہ میں کوئی اگر آپ ﷺ کی مخالفت کرتا تو اس کو بھرپور جواب دیتیں اور دل جوئی وتسلی کے کلمات سے آپ ﷺ کی ہمت بڑھاتیں۔

بعثت ونبوّت کا زمانہ جب قریب آ گیا اور طبعاً آپ ﷺ کو خلوت وتنہائی محبوب ہوگئی تو آپ ﷺ کا معمول بن گیا کہ مکۂ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ''جبلِ نور'' کے ایک غار ''غارِ حرا'' میں چلے جاتے، اور خالقِ کائنات کی طرف لَو لگائے اس کی عبادت میں مشغول رہتے۔ حضرت خدیجہؓ ہر وقت آپ ﷺ کا توشہ تیار رکھتیں جسے کبھی آپ ﷺ بذاتِ خود لے جاتے، اور جب وہ ختم ہو جاتا تو مکۂ مکرمہ واپس آتے اور پھر غارِ حرا جاتے وقت نیا توشہ ساتھ لے جاتے، اور جب کبھی واپس آنے میں زیادہ تاخیر ہوتی تو حضرت خدیجہؓ خود پہنچا آتیں یا کسی صاحبزادی کے ہاتھوں بھیج دیتیں۔ غرض یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تمام ضروریات کا ہر طرح سے خیال رکھتیں اور خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتیں۔

بعثت کے آثار جب نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگے تو غیر مرئی خوف وگھبراہٹ کے عالم میں آپ ﷺ کو سب سے زیادہ مدد حضرت خدیجہؓ ہی نے پہنچائیں اور پھر جب آپ ﷺ نبوّت ورسالت سے سرفراز ہوئے ہیں تو اس وقت سے لے کر اپنی زندگی کی آخری سانس تک امداد واعانت، تسلّی وتشفّی اور دل جوئی ودل بستگی کا جو کارنامہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے انجام دیا ہے اور جس طرح رفاقت کا حق ادا کیا ہے وہ تاریخ کا

نہایت روشن باب ہے جس میں کوئی اور ان کا شریک و سہیم نہیں ہے۔

پہلی وحی

جب غارِ حرا میں خلوت نشینی کا تیسرا سال آیا اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ روئے زمین کے باشندوں پر اس کی رحمت کا فیضان ہو تب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مقامِ نبوت سے سرفراز فرمایا، حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن مجید کی چند آیات لے کر آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ یہ پیر کی رات ۱۰/ اگست ۶۱۰ء، رمضان المبارک کی اکیسویں تاریخ کی مبارک گھڑیاں تھیں، جب حق تعالیٰ نے کائنات کے باشندوں پر اپنا فضل وکرم فرمایا اور پہلی وحی نازل ہوئی۔

سیدہ خدیجہؓ بے مثل رفیقۂ حیات بنی

رسول اللہ ﷺ کو جب حرا کے مقدس غار میں رسالت سے سرفراز فرمایا گیا اور حضرت جبرئیلِ امین نے آپ ﷺ کو پہلی وحیٔ الٰہی پہنچائی تو اس حیرت انگیز واقعہ سے آپ ﷺ کی طبیعت پر شدید اثر ہوا، آپ ﷺ غارِ حرا سے گھر کے لیے روانہ ہوئے، جلالِ الٰہی سے لبریز ہانپتے کانپتے گھر میں داخل ہوئے اور سیدہ خدیجہؓ سے فرمایا کہ: ”زمّلوني زمّلوني“ مجھے چادر اڑھادو مجھے چادر اڑھادو، سیدہ خدیجہ نے آپ ﷺ کو چادر اُڑھادی۔

کچھ دیر کے بعد جب طبیعت ذرا سی سنبھلی تو حضور ﷺ نے سارا ماجرا کہہ سنایا اور اپنی بے چینی، اضطراب اور پریشانی کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا کہ: مجھے ڈر ہے یا میں جان کا خوف محسوس کر رہا ہوں۔ تب حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو دلاسہ اور تسلّی دیتے ہوئے تاریخی جملے ارشاد فرمائے:

”فقالت له لكي تثبته وتزيل فلقه واضطرابه: معاذ الله ما كان الله

لیفعل ذٰلك بك، إنك لتصل الرحم وتصل الكلّ، وتكسب المعدوم، وتقری الضیف، وتعین علیٰ نوائب الحق. وفي روایة أخری للبخاري قالت أیضا: تصدق الحدیث، وتؤدي الأمانة، وقال علیه الصلوٰة والسلام لها: لقد خشیت علیٰ نفسي، فقالت له: کلا! والله ما یخزیك الله أبدا".

حضرت خدیجہؓ آپ کو ثبات بخشنے اور آپ کی بے قراری و بے چینی کو دور کرنے کے لیے پورے عزم وحوصلہ کے یوں گویا ہوئیں: پناہ بہ خدا! اللہ آپ کے ساتھ ایسا نہیں کرنے والا ہے؛ کیوں کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، محتاجوں کی حاجت روائی کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مخلوق کی مصائب میں مدد کرتے ہیں۔ بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا: آپ سچی بات کرتے ہیں اور امانت ادا کرتے ہیں۔ جن نبی ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ: میں اپنی جان کا خوف محسوس کررہا ہوں، تب حضرت خدیجہؓ نے تڑپ کر کہا: ہرگز نہیں، قسم بہ خدا! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔

قبولِ اسلام

حضور ﷺ کے نبیٔ آخر الزماں ہونے کا غالب گمان آثار وعلامات اور قرائن وشواہد کے ذریعہ حضرت خدیجہؓ کو پندرہ سال پہلے ہی ہوگیا تھا، ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو بن نفیل اور کئی ایک احبارِ یہود ورہبانِ نصاریٰ وغیرہ سے اس کی تائید وتصدیق بھی کروا چکی تھیں؛ مگر اس کا حقیقی ظہور پندرہ برس کی طویل مدت گذرنے کے بعد ہوا، چوں کہ یہ طویل مدّت حضرت خدیجہؓ نے امید وبیم اور نہایت اضطراب وبے قراری کے ساتھ بسر کی تھی، اس لیے نبوت ملتے ہی سب سے پہلے گوہرِ مقصود کو حاصل کرکے دائمی مسرّت وشادمانی سے ہم کنار ہوئیں۔

سب سے پہلے ایمان لانے والی خدیجہ ہیں

چناں چہ امام عزالدین ابوالحسن بن الاثیر نے فرمایا:

”خديجة أول خلق الله أسلم بإجماع المسلمين، لم يتقدمها رجل ولا امرأة، وهٰذه منقبة عظيمة لأم المؤمنين لايدانيها فيها فضل“.

ترجمہ: جملہ مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اللہ کی مخلوق میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے ایمان قبول کیا، نہ ان سے پہلے کسی مرد نے ایمان قبول کیا اور نہ کسی عورت نے۔ اور یہ اُمّ المؤمنین کا وہ عظیم شرف ہے جس میں کوئی اور ان کا ہم پلّہ نہیں ہوسکتا۔

وقال الأئمة؛ الزهري، قتادة، موسىٰ بن عقبة، ابن اسحاق، الواقدي، وسعيد بن يحيى الأموي: أول من اٰمن بالله ورسوله خديجة وأبو بكر وعلي.

مذکورہ بالا تمام اساطینِ علم وفضل اور معتبر مؤرخین حضرت خدیجہؓ کے سب سے پہلے اسلام لانے پر متفق ہیں۔

وقال الإمام الزهري: كانت خديجة أول من اٰمن بالله، وقبل الرسول رسالة ربه.

ترجمہ: امام زہری فرماتے ہیں کہ: حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے رب کی ربوبیت اور رسول کی رسالت پر ایمان لائیں۔

عن عروة عن عائشة قالت: إن أول من أسلم خديجة.

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی خاتون تھیں۔

صاحب "الإكمال في أسماء الرجال" لکھتے ہیں:

"وهي أول من اٰمن من كافة الناس ذكرهم وأنثاهم، ومثله في الاستيعاب حيث قال ناقلا عن عروة: أول من اٰمن من الرجال والنساء خديجة بنت خويلد".

ترجمہ: تمام لوگوں میں کیا مرد اور کیا عورت، سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہوا۔

حافظ ابنِ کثیر "البدایہ والنہایہ" میں محمد بن کعب سے نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أول من أسلم من هٰذه الأمة خديجة وأول رجلين أسلما: أبو بكرؓ وعليؓ".

اس امت میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اسلام قبول کیا اور مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر اور حضرت علیؓ اس سعادت سے مالا مال ہوئے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

"وقد اٰمنت بي إذ كفر بي الناس وصدقتني إذ كذبوني واٰتيتني بما لها إذ حرمني الناس ورزقني الله ولدها إذ حرمني أولاد النساء".

ترجمہ: وہ مجھ پر اُس وقت ایمان لائیں جب لوگ میری رسالت کے منکر تھے اور انہوں نے میری اُس وقت تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور انہوں نے اپنے مال سے میری اُس وقت مدد کی جب لوگوں نے مجھے محروم رکھا، اور ان کے ذریعے اللہ نے مجھے اولاد کی نعمت سے نوازا جب کہ اور بیویوں سے میری کوئی اولاد نہیں۔

(نساء مبشرات بالجنۃ: ۲۸-۳۲)

سچ کہا ہے جناب حافظ افروغ حسن صاحب نے کہ: حضرت خدیجہؓ کا سب سے پہلے اسلام یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حق و راستی سے محبت آپ کی فطرتِ صالحہ کا جزءِ

لا ینفک تھی، یہ آپ کی بلند ہمتی، عالی حوصلگی اور حق وانصاف کی خاطر ہر قسم کے خطرات کو برداشت کرنے کا برملا اعلان تھا، اپنے ذاتی مشاہدات ومعلومات اور ورقہ بن نوفل کی وضاحت کی بنا پر آپ کو پوری طرح احساس تھا کہ اس راہ میں قدم رکھنا وادیٔ خار زار میں قدم رکھنے کے مترادف ہے اور توحید کی دعوت پر لبیک کہنا پورے جاہلی معاشرے کو دشمنی اور عداوت کی دعوت دینا ہے؛ مگر اس ہوشمند عظیم خاتون نے -جو پیکرِ مہر و وفا اور مجسمۂ صدق وصفا تھی- ایک ایسے انقلابی اور تاریخ ساز اقدام کا فیصلہ کرلیا جس پر قیامت تک پوری نسلِ انسانی رشک ہی نہیں؛ بلکہ فخر کرتی رہے گی، سیدہ خدیجہؓ کا یہی جرأت مندانہ اقدام طبقۂ نسواں کی حرمت و وقار اور عزت واحترام کو تا ابد درخشندہ وتابندہ بنائے رکھے گا، اُس مقدس ومحترم روحانی ماں کا اِس امت کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں پر کتنا مہتم بالشان احسان ہے جس کا کچھ بدلہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ ان کی پاک سیرت کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں۔

حضرت خدیجہؓ کی بے تابیاں

نبوت ملنے کے اس عجیب وغریب واقعے کے بعد سیدہ خدیجہؓ نے ایک عیسائی راہب سے پوچھا کہ: آپ مجھ کو جبرئیلِ امین کے بارے میں بتائیں کہ وہ کون ہیں؟ راہب نے کہا: سبحان اللہ! وہ اللہ کا پاک فرشتہ ہے وہ پیغمبر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے پاس بھی آیا کرتا تھا۔

یہاں سے اٹھ کر سیدہ خدیجۃ الکبریٰ، عتبہ بن ربیعہ کے نصرانی غلام عداس کے پاس گئیں اور اس سے بھی آپ نے یہی سوال کیا، عداس نے سنتے ہی جواب دیا: قدّوس! سبحان اللہ! جبرئیل خدا کے فرشتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے مابین سفیر ہیں، وہ حضرت موسیٰ کے پاس اُس وقت بھی آئے تھے جب اللہ نے فرعون کو غرق کیا تھا، وہ

حضرت عیسیٰ کے پاس بھی آئے۔آپ مثلِ موسیٰ نبیٔ مرسل ہیں، آپ کو عنقریب اللہ کی طرف سے جہاد کا حکم دیا جائے گا، کاش! میں آپ کے زمانۂ رسالت میں قوی اور توانا ہوتا، اے کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔ حضور ﷺ نے بے اختیار پوچھا: کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں! ہر اس شخص سے جو آپ جیسی چیز لے کر آیا ہمیشہ دشمنی کی گئی۔اگر مجھے آپ کا وہ زمانہ نصیب ہو تو میں ہر طرح سے آپ کی مدد کروں گا، ان کے ذریعہ سے اللہ نے حضرت عیسیٰ کی مدد فرمائی۔

اس کے بعد سیدہ خدیجۃ الکبریٰ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو اُس زمانے کے مشہور نصرانی عالم تھے، اور گذشتہ الہامی کتابوں: توریت، زبور اور انجیل پر بڑا عبور رکھتے تھے، اور انہوں نے سریانی زبان سے عربی میں انجیل کا ترجمہ بھی کیا تھا، اس وقت وہ ضعیف، بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ورقہ بن نوفل نے حالات سننے کے بعد کہا کہ: اے خدیجہؓ! اگر تم نے سچ کہا ہے تو یہ وہی ناموس فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس آتا تھا اور اب محمد (ﷺ) کے پاس آیا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ اس کے بعد سیدہ خدیجہؓ اپنے تاجدار شوہرِ نامدار کو لے کر دوبارہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے سارے حالات سننے کے بعد کہا: آپ کے لیے خوشخبری ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی وہ پیغمبر ہیں جن کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ ابنِ مریم نے دی تھی۔

وقد روي أن ورقة قال يخاطب الطاهرة خديجة في ذٰلك:

فإن يك ها يا خديجة فاعلمي حديثك إيانا فاهد مرسل

وجبريل يأتيه وميكال معهما من الله روح يشرح الصدر منزل

مروی ہے کہ ورقہ نے حضرت خدیجہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ اشعار بھی پڑھے تھے: اے خدیجہ! اگر تو سچ کہہ رہی ہے تو تو جان لے کہ یہ یہی ہے جو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا

ہے اور جبرئیل اور میکائیل ان کے پاس آئیں گے، من جانب اللہ روح ہے جو سینہ کھولتی ہے۔(نساء مبشرات بالجنۃ:۲۱)

جب آپ ﷺ رخصت ہونے لگے تو چلتے وقت ورقہ نے آپ کے سرِ اقدس کو بوسہ دیا، اس واقعے کے بعد بہت جلد ورقہ بن نوفل کا انتقال ہوگیا۔

تصدیق وتسلّی کا عاقلانہ ومدبّرانہ انداز

ایک مرتبہ تو حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی تسلّی وتشفّی کا ایک ایسا عجیب وغریب اور انوکھا انداز اختیار کیا کہ عقل وخرد کی رسائی سے بھی بالاتر تھا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ آپ ﷺ سے عرض کیا: کیا یہ بات ممکن ہے کہ آپ کے پاس جو فرشتہ آتا ہے اس کے آنے پر آپ مجھے مطلع کرے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! ممکن ہے۔ اس کے بعد جب حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا: یہ حضرت جبرئیل یہاں حاضر ہیں۔ حضرت خدیجہؓ نے پوچھا: کیا وہ آپ کو نظر آرہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تو انہوں نے عرض کیا: آپ میرے بائیں پہلو میں بیٹھ جایئے، آپ ﷺ ان کے بائیں پہلو میں بیٹھ گئے، پھر پوچھا: اب وہ آپ کو نظر آرہے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! تو عرض کیا کہ: آپ میرے دائیں پہلو میں بیٹھ جائیں، آپ ﷺ وہاں بیٹھ گئے، پھر پوچھا کہ: کیا اب دِکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تو عرض کیا کہ: آپ میری گود میں آجائیں، تو آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کی آغوش میں بیٹھ گئے، پھر پوچھا کہ: کیا اب بھی نظر آرہے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! تب حضرت خدیجہؓ نے اپنے سر سے دوپٹہ ہٹا کر سر کھول دیا، پھر پوچھا: بتایئے! اب بھی نظر آرہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ اس پر امّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے کہا: آپ کے پاس حاضر ہونے والی وہ ذات فرشتہ ہی ہے نہ کہ شیطان، آپ

ثابت قدم رہیے اور نبوت کی بشارت قبول کیجیے، میں آپ پر ایمان لائی، اور بشارت دیتی ہوں کہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ برحق ہے۔(دلائل النبوة للبيهقي:٢/١٥٢)

نوٹ: حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہونے والے فرشتہ کے بارے میں اس امر سے استدلال کیا کہ بالوں کے کھل جانے پر وہ شرم کے مارے غائب ہو گیا، اگر شیطان ہوتا تو ہرگز غائب نہ ہوتا، اس واقعہ سے حضرت خدیجہؓ کی فہم وذکاوت اور دانشمندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔(امتِ مسلمہ کی مائیں:٢٢)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ کا اسلام

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے گھر ایک خادمہ بھی تھی جو گھر کے کام کاج کے علاوہ گھر والوں کے کنگھی بھی کرتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور حضور ﷺ کی صحابیہ ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ حضرت عطاء ابن ابی رباح کہتے ہیں کہ: مجھ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا: کیا میں تمہیں ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ میں نے کہا: جی ضرور دکھایئے، آپ نے فرمایا:

”هذه المرأة لسوداء أتت النبي ﷺ فقالت إني أصرع وإني أتكشف فادع الله لي، قال: إن شئت صبرت ولك الجنة وإن شئت دعوت الله أن يعافيك، فقالت: اصبر، فقالت: إني أتكشف فادع الله لي أن لاأتكشف فدعا لها“. (صحیح بخاری:٢/٨٤٤،صحیح مسلم:٢/٣٠٩،بحوالہ: خاتونِ جنت سیدہ فاطمہؓ:٦١)

ترجمہ: اس سیاہ فام خاتون کو دیکھو یہ وہی عورت ہے جو حضور ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ: حضور! مجھے مرگی کا دورہ پڑ جاتا ہے جس سے میرا ستر کھل جاتا ہے، آپ میرے لیے اللہ سے دعا کیجیے کہ ایسا نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس پر صبر کرو اور تمہیں جنّت مل جائے، اور اگر چاہو تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں، وہ تمہیں صحت عطا

فرمائے گا، اس نے کہا: میں صبر کرتی ہوں، تاہم چوں کہ میرا ستر کھل جاتا ہے اس لیے آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے اس سے محفوظ رکھے۔ چناں چہ حضور ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی، محمد بن سعد اور عبد الغنی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: یہ حضرت خدیجہؓ کی وہ خادمہ تھی جوان کی کنگھی کیا کرتی تھی اور حضور ﷺ کی زیارت کے لیے آیا کرتی تھیں، "أن هٰذه المرأة هي ماشطه خديجة التي كانت تتعاهد النبي ﷺ بالزيارة". (فتح الباری: ١/١٤٢، بحوالہ خاتونِ جنّت سیدہ فاطمہؓ: ٦٢)

اسلام کی نشر واشاعت کے لیے حضرت خدیجہؓ کی مالی قربانی

جیسا کہ گذر چکا کہ حضرت خدیجہؓ نے نکاح کے بعد اپنا سارا مال آپ ﷺ کے قدموں پر نچھاور کر دیا تھا، تاہم بعثت سے پہلے تک بہ طور ذریعۂ معاش کے آپ ﷺ نے تجارت کا تھوڑا سا مشغلہ باقی رکھا تھا؛ مگر جب بعثت ونبوت کا زمانہ قریب آ گیا تو آپ ﷺ نے اس کو بالکلیہ منقطع کر دیا، اب آپ ﷺ تھے "غارِ حرا" میں عزلت نشینی تھی اور خالقِ کائنات سے لو، اس کے علاوہ دنیا اور اس کے مال ومتاع سے کوئی سروکار نہ تھا۔

حضرت خدیجہؓ نے مالی اعتبار سے جو کارنامے انجام دیے اس کے متعلق قرآن میں ربِّ ذوالجلال یوں گویا ہیں: ﴿ووجدك عائلا فأغنىٰ﴾ اور آپ کو مفلس پایا سو مالدار کر دیا۔

"فأغنىٰ" کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں: "أي بمال خديجة" یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت خدیجہؓ کے مال کے ذریعہ غنی کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ اپنے مال کو آپ ہی کا سمجھتی تھیں، اس مال خرچ کرنے کے احسان کا آپ ﷺ کے دل پر بہت اثر تھا، ایک مرتبہ ان کے اس احسان کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا: "وأعطني مالها فأنفقته في سبيل

اللہ"، یعنی انہوں نے مجھے اپنا مال دیا جسے میں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔

(امتِ مسلمہ کی مائیں:۲۴)

نبوّت کے بعد حضرت خدیجہؓ کا مال تقریباً ان کی وفات تک آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی اولاد کے لیے بطورِ معاش نہایت کارآمد اور مضبوط سہارا رہا، جس کی وجہ سے حضور ﷺ ضروریات کی فراہمی سے بےفکر ہوکر گم گشتۂ راہ انسانوں کو خداوندِ قدوس کی وحدانیت کا سبق پڑھاتے رہے، اور ان کو راہِ فلاح وکامیابی پر گامزن کرکے دین ودنیا کی کامیابیاں ان کے قدموں میں نچھاور کرتے رہے۔

حضرت خدیجہؓ کا مال جتنا ذریعۂ معاش اور گذران کے کام آیا اس سے دوچند تبلیغِ اسلام اور اس کی نشر واشاعت کے لیے استعمال ہوا، چناں چہ حضرت خدیجہؓ کے اسی احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے لسانِ حقیقت ترجمان ﷺ سے یہ الفاظ نکلے تھے کہ: خدیجہ نے اپنا سارا مال میرے حوالے کر دیا تھا جسے میں نے راہِ خداوندی میں دین کی نشر واشاعت کے لیے خرچ کیا۔

حضرت خدیجہؓ کا حضور ﷺ کو تسلّی دینا

حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کی مونس وغم خوار تو شروع ہی سے تھیں؛ مگر آپ ﷺ کے تاجِ ختمِ نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد تو دل دہی، دل داری اور ایثار وقربانی کا وہ بےمثال کارنامہ انجام دیا کہ رہتی دنیا تک تاریخِ عالم میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، استیعاب میں ہے:

"فکان لایسمع من المشرکین شیئا یکرہ من رد علیہ وتکذیب لہ الافرج اللہ عنہ بما تثبتہ وتصدقہ وتخفف عنہ وتھون علیہ ما یلقی من قومہ".

آنحضرت ﷺ کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ پہنچتا حضرت خدیجہؓ

کے پاس آ کر دور ہو جاتا تھا؛ کیوں کہ وہ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملے کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں۔ (سیر الصحابیات: ۲۵)

جب حضور ﷺ کفار کی لایعنی اور بیہودہ باتوں سے کبیدہ خاطر ہوتے تو حضرت خدیجہ الکبریٰؓ عرض کرتیں: یا رسول اللہ! آپ رنجیدہ نہ ہوں، بھلا کوئی ایسا رسول بھی آج تک آیا ہے جس سے لوگوں نے تمسخر نہ کیا ہو۔ حضرت خدیجہؓ کے اس کہنے سے حضور ﷺ کا ملالِ طبعی دور ہو جاتا۔

غرض اُس پُر آشوب زمانے میں حضرت خدیجہؓ نہ صرف حضور ﷺ کی ہم خیال اور غمگسار تھیں؛ بلکہ ہر موقعہ پر اور ہر مصیبت میں آپ ﷺ کی مدد کے لیے تیار رہتی تھیں۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے: میں جب کفار سے کوئی بات سنتا تھا اور وہ مجھ کو ناگوار معلوم ہوتی تھی تو میں خدیجہ سے کہتا، وہ اس طرح میری ڈھارس بندھاتی تھیں کہ میرے دل کو تسکین ہو جاتی تھی، اور کوئی رنج ایسا نہ تھا جو خدیجہ کی باتوں سے آسان اور ہلکا نہ ہو جاتا ہو۔ (تذکارِ صحابیات: ۳۴)

وحی کے بعد نماز اور حضرت خدیجہ

نزولِ وحی کے بعد پنج وقتہ نماز فرض نہیں ہوئی تھی؛ لیکن مطلق نماز فرض ہوئی جو حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کے ساتھ پڑھا کرتی تھیں۔ ''اصابہ'' میں ہے کہ: سب سے پہلے آپ کی حرمِ محترم صدیقۃ النساء خدیجۃ الکبریٰؓ نے اسلام قبول کیا اور بہ روز دوشنبہ شام کے وقت سب سے پہلے آپ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۱/۵۳)

حافظ ابنِ کثیرؒ رقمطراز ہیں کہ: جب مطلق نماز فرض ہوئی تو حضرت جبرئیل آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور ایک جگہ اپنی ایڑی ماری، وہاں سے چشمہ پھوٹ پڑا، پھر دونوں نے وضو کیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دو رکعتیں پڑھیں۔ حضرت جبرئیل

علیہ السلام سے وضو اور نماز سیکھ کر آپ ﷺ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اسی جگہ لے آئے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرح ان کے سامنے وضو کیا اور دو رکعتیں پڑھیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ اور حضرت خدیجہؓ ایک مدت تک اسی طرح پوشیدہ نماز پڑھتے رہے۔ (امتِ مسلمہ کی مائیں: ۲۵)

ابنِ سعد فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ اور حضرت خدیجہؓ ایک عرصے تک خفیہ طور پر نماز پڑھا کرتے تھے۔

عفیف کندی کا قصہ مشہور ہے کہ وہ سامان خریدنے کے لیے مکّہ آئے اور حضرت عباسؓ کے گھر ٹھہرے۔ ایک دن صبح کے وقت کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نوجوان آیا اور آسمان کی جانب دیکھ کر قبلہ رخ کھڑا ہوگیا، پھر ایک لڑکا اس کی داہنی جانب آ کر کھڑا ہوگیا، پھر ایک عورت ان کے پیچھے آ کر کھڑی ہوگئی اور نماز پڑھ کر یہ لوگ چلے گئے۔ عفیف کندی نے یہ ماجرا دیکھ کر حضرت عباسؓ سے پوچھا: کیا کوئی عظیم الشان واقعہ پیش آنے والا ہے؟ حضرت عباسؓ نے جواب دیا: ہاں! پھر کہا: جانتے ہو یہ نوجوان کون ہے؟ یہ میرا بھتیجا محمد ہے اور وہ دوسرا میرا بھتیجا علی ہے اور یہ عورت محمد (ﷺ) کی بیوی خدیجہ ہے۔ میرے بھتیجے کا خیال ہے کہ اس کا مذہب پروردگارِ عالم کا مذہب ہے اور وہ ہر کام اس کے حکم سے کرتا ہے، اور مجھے جہاں تک علم ہے اس خیال کے صرف یہی تین شخص ہیں۔ (سیر الصحابیات: ۲۳-۲۴)

عظیم تحفہ

حضرت زید بن حارثہؓ ملکِ یمن کے ایک معزز قبیلہ ''بنو قضاعہ'' کی شاخ ''بنو کلب'' کے چشم و چراغ تھے، بچپن میں اپنی والدہ کے ساتھ ننہال جا رہے تھے، راستہ میں رہزنوں نے زبردستی اپنی قید میں لے کر غلام بنالیا، اور بازارِ عکاظ میں فروخت کردیا۔ وہاں سے

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام چار سو درہم کے عوض خرید کر انہیں اپنی پھوپھی کے لیے مکۂ مکرمہ لے آئے۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح کرنے کے بعد حضور ﷺ نے جب ان کے یہاں حضرت زید کو دیکھا تو ان کے اخلاق وعادات سے حد درجہ متأثر ہوئے اور آپ ﷺ کو ان سے والہانہ محبت ہوگئی۔

جوں ہی حضرت خدیجہؓ کو اس بات کا علم ہوا کہ حضور ﷺ کو ان سے محبت ہے تو فوراً انہیں آپ ﷺ کی غلامی میں دے دیا، یہ حضرت زید کو ثریٰ سے ثریا تک پہنچانے کا ایک خدائی نظام تھا، چناں چہ کچھ ہی دنوں بعد آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنا متبنّیٰ (منہ بولا بیٹا) بنا لیا اور پھر یہی زید، سیدنا حضرت صدیقِ اکبرؓ، سیدہ خدیجۃ الکبریٰ طاہرہؓ اور سیدنا علیؓ کے ساتھ روئے زمین پر آسمانی خلافت ونیابت کی تعمیر میں ''خشتِ اولین'' کی حیثیت سے شمار ہوئے، دعوتِ اسلام اور تبلیغِ دین کی مساعیٔ جمیلہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے دست وبازو بنے اور دین کے لیے بے شمار قربانیاں دے کر ایک ایسی تاریخ رقم کی جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ خشتِ اول ہونے کا حق ادا کر دیا۔

(تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: بیس جنتی صحابہ از ص: ۳۵۱ تا ۳۹۱، ناشر: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل)

حضرت زیدؓ کی تمام تر خدماتِ اسلامی بالواسطہ حضرت خدیجہؓ کے دامنِ مراد سے ہی وابستہ ہیں کہ یہ دُرِّ آب دار و گوہرِ تابدار انہیں کے واسطے سے گمنامی کی گھاٹیوں سے نکل کر آفتابِ نبوت ﷺ کی رعنائیوں کا مرکز ومحور بنا۔

ایک عظیم آزمائش

انسان کی زندگی میں مختلف ادوار آتے رہتے ہیں، کبھی دکھ کبھی سکھ۔ سیدہ خدیجہؓ کو بھی ان مراحل سے گذرنا پڑا، یکے بعد دیگرے چار بیٹیوں کی پیدائش کے بعد ان کے

آنگن میں ایک اور پھول کھلا، اُس وقت آپ ﷺ کے سر پر ختمِ نبوت کا تاج رکھا جاچکا تھا، علانیہ دعوت دی جارہی تھی اور مکۂ مکرمہ میں اسلام کے خلاف شدید کشمکش جاری تھی، آنے والا نومولود والدین کے لیے نہایت خوشی اور بے انتہا مسرّت کا باعث تھا، نومولود کا نام آپ ﷺ نے اپنے والدِ گرامی کے نام پر عبداللہ رکھا، (ان ہی کا لقب ''طاہر'' اور ''طیب'' تھا، دونوں کے معنیٰ پاک وصاف کے ہیں)۔

کچھ ہی عرصہ گذرا کہ اس پھول کو اللہ نے اپنی آغوشِ رحمت میں لیا۔ عبداللہ کی وفات سے جہاں والدین کو نہایت صدمہ ہوا وہاں اسلام کے دشمنوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ مشہور دشمنِ اسلام عاص بن وائل نے اپنا خبثِ باطن ظاہر کرتے ہوئے کہا: چلو! اچھا ہوا، ان کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے، اب تو محمد "ابتر" ہوگئے۔ "ابتر" عربی زبان میں ''لاولد'' کو کہتے ہیں، جس کا ذکرِ خیر کرنے والا کوئی باقی نہ رہے۔ اس سے سیدہ خدیجہؓ کو جس قدر تکلیف پہنچی ہوگی ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب سورۂ کوثر کے ذریعے دیا، اس میں آپ کو ''خیرِ کثیر'' سے نوازنے کا وعدہ کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے دشمنوں کو ''ابتر و بے نسل'' قرار دیا گیا، اور اس طرح غمزدہ سیدہ کے لیے آسمانی نظام حرکت میں آیا اور مستقل وحی نازل کرکے دشمن کے اعتراض کا ایسا دنداں شکن جواب دیا گیا جو ہر بیتے دن کے ساتھ سچ ثابت ہوتا جارہا ہے، آج عاص اور اس کے چیلوں چپاٹوں کا کوئی نام ونشان باقی نہیں اور سید محمد رسول اللہ ﷺ، سیدہ خدیجہ اور ان کے روحانی فرزندوں کا نام وکام چودہ سو سال سے تاریخِ عالم میں گونج رہا ہے اور ان شاء اللہ تا صبحِ قیامت گونجتا رہے گا۔

حضور ﷺ کا بائیکاٹ اور حضرت خدیجہؓ کی ثبات قدمی

اِدھر آپ ﷺ فرمانِ الٰہی کے بہ موجب بڑی ہمّت واستقلال سے اسلام کی نشر

واشاعت میں مصروف تھے اور اُدھر آپ کو دینِ اسلام کی تبلیغ واشاعت سے باز رکھنے کے لیے مشرکینِ مکّہ اپنی تمام تر امکانی تدابیر اختیار کر کے تھک گئے، پوری طاقت وقوت صرف کر دینے کے باوجود اسلام کی تبلیغ سے باز رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے، تھک ہار کر طمع ولالچ کا حربہ استعمال کرنا شروع کیا؛ مگر اس میں بھی جب ان کو کامیابی نہ مل سکی تو نبوت کے ساتویں سال ان بدبختوں نے ظالمانہ فیصلہ کیا کہ: ''بنی ہاشم'' اور ''بنی عبد المطلب'' کا سوشل بائیکاٹ کر دیا جائے، اہلِ مکّہ میں سے نہ تو کوئی ان سے میل جول رکھے اور نہ ان سے لین دین کا معاملہ کرے، تا آں کہ وہ لوگ محمد (ﷺ) کو ہمارے حوالے نہ کر دیں۔ چناں چہ دستاویز لکھی گئی اور قریش کے سربراہوں نے اس دستاویز پر دستخط کر کے اس کی توثیق کی۔

موسیٰ بن عقبہ کے بیان کے مطابق جب جناب ابوطالب کو معلوم ہوا کہ اہلِ قریش حضور ﷺ کی جان کے درپے ہیں، تو ابوطالب نے تمام بنو ہاشم کو جمع کیا اور ان کو حکم دیا کہ سب لوگ مکۂ مکرمہ کے باہر دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ایک گھاٹی میں چلے جائیں جو ''شعبِ ابی طالب'' کے نام سے جانی جاتی ہے، اور آخر تک محمد (ﷺ) کی حفاظت کریں۔ چناں چہ ابولہب کے سوا بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سارے مسلم اور غیر مسلم اشخاص گھاٹی میں جمع ہو گئے، حضرت خدیجہؓ بھی ان مظلوموں میں شامل تھیں۔

سیرت ابن ہشام میں ہے: "وھي عند رسول الله ﷺ ومعه في الشعب" اور وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شعبِ ابی طالب میں تھیں۔

قریش نے اپنی تیار کردہ متفقہ دستاویز حرمِ کعبہ میں لٹکا دی، اور حضور ﷺ کے ساتھیوں کا پوری شدت کے ساتھ بائیکاٹ شروع کر دیا۔ یہ ناکہ بندی اتنی کڑی اور سخت تھی کہ کھانے پینے اور ضروریاتِ زندگی کی کوئی چیز باہر سے گھاٹی میں نہ جا سکتی تھی، محاصرے کی اس بے پناہ سختی نے محصورین کے لیے نہایت پریشان کن اور ہولناک

حالات پیدا کردیے تھے، اس کا اندازہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے اس بیان سے ہوسکتا ہے جسے علامہ سہیل نے ''روض الالف'' میں درج کیا ہے، فرماتے ہیں: ایک دفعہ رات کو پیشاب کرتے ہوئے سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا، میں نے شدتِ بھوک کے باعث اسے اٹھالیا، پانی سے دھویا، آ گ پر بھونا اور سفوف بنا کر پانی کے ساتھ پھانک لیا۔

ناکہ بندی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اگر باہر سے مکّہ میں کوئی تجارتی قافلہ آ تا تو قریش کے لوگ جلدی جلدی ان کا تمام سامان خرید لیتے؛ تاکہ محصورین کوئی چیز نہ خرید سکے۔

اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہؓ نے ابتلا و آزمائش کا یہ سخت ترین دور بڑے حوصلہ اور صبر کے ساتھ گزارا، حق کی راہ میں آنے والی تمام تکلیفیں اور پریشانیاں خدا اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر خندہ پیشانی سے برداشت کیں، مکّہ کی وہ خوشحال ترین خاتون جو معاشرہ میں معزز و محترم ہونے کی وجہ سے ''سیدہ اور طاہرہ'' کے نام سے مشہور تھیں اپنے رفیقِ حیات کے ساتھ پیکرِ تسلیم و رضا بنی ہوئی تھیں اور اپنی فطری و طبعی بلند حوصلگی سے گرفتارانِ مصیبت و اذیت کو دلاسہ دینے اور ان کا حوصلہ بلند کرنے کی کوششوں میں مصروف تھیں۔

ابنِ سعد کی روایت کے مطابق محصورین کی زبوں حالی اور بے چارگی کا یہ عالم تھا کہ ان کے بچے بھوک سے روتے، بلبلاتے اور تڑپتے ان کے رونے اور چلانے کی آوازیں شعبِ ابی طالب سے باہر سنائی دیتیں جس سے آس پاس کے پڑوسی بے چین اور مضطرب ہوجاتے؛ لیکن کچھ سنگ دل بد بخت ایسے بھی تھے جو ان معصوم بچوں کی چیخ و پکار سن کر خوشی کا اظہار کرتے۔ تنگی اور عسرت، قید و بند اور بھوک و فاقہ کشی کا یہ دور موسیٰ بن عقبیٰ کے بیان کے مطابق تین سال تک جاری رہا۔ (ازواجِ مطہرات:۱/۱۲۴)

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام کبھی کبھی اپنی پھوپھی کو چپکے سے کھانے پینے کی چیزیں پہنچادیتے تھے۔ ایک دن وہ اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہؓ کے لیے

اپنے غلام کے ساتھ کچھ غلّہ لے کر جا رہے تھے، ابوجہل نے دیکھ لیا اور کہا کہ: تم بنو ہاشم کے لیے غلہ لے جاتے ہو، میں تمہیں ہرگز غلہ نہیں لے جانے دوں گا، اور سب کے سامنے تمہیں رسوا کروں گا۔ اتفاق سے عرب کا ایک سردار ابوالبختری سامنے آ گیا، صورتِ حال معلوم ہوئی تو کہنے لگا: ایک شخص اپنی پھوپھی کے لیے کھانے کو کچھ بھیجتا ہے تو تم کیوں رکاوٹ بنتے ہو؟ ابوجہل کو غصہ آ گیا اور وہ ابوالبختری کو برا بھلا کہنے لگا، ابو البختری نے غصے میں آ کر اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ابوجہل کے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ (سیر الصحابیات: ۲۵)

بائیکاٹ کا خاتمہ

تین سال کے ظالمانہ بائیکاٹ نے سرزمینِ عرب میں ظلم وستم کی ایک نئی تاریخ رقم کر دی، اب مکّہ ہی کے لوگوں میں دھیمے دھیمے اس کے خلاف آواز اٹھنے لگی، کچھ نیک سرشت تو ابتدا ہی سے مخالف تھے، اور کئی ایک کو بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ بھی مخالف ہو گئے۔ چناں چہ ہشام عامری اور زہیر بن ابی امیہ مخزومی اور مطعم بن عدی جیسے چند افراد نے مل کر بائیکاٹ ختم کرنے کا منصوبہ بنایا، ابوجہل نے سخت مخالفت کی، دونوں طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ عین اُس وقت جب شعبِ ابی طالب سے دور صحنِ کعبہ میں سجی قریش کی مجلس میں مقاطعے کی دستاویز پر بحث جاری تھی ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔

ابنِ سعد، ابنِ ہشام اور بلاذری نے لکھا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع دی گئی کہ بائیکاٹ کے دستاویز میں ظلم وستم اور قطع رحمی کا جو مضمون تھا اسے دیمک چاٹ گئی ہے، اور صرف اللہ کا نام باقی ہے۔ حضور ﷺ نے اس کا ذکر اپنے عمِّ بزرگوار ابوطالب سے کیا، انہوں نے پوچھا: کیا تمہیں اس کی خبر تمہارے خدا نے دی

ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! ابو طالب نے اس کا ذکر اپنے بھائیوں سے کیا، انہوں نے دریافت کیا: آپ کا کیا خیال ہے؟ ابو طالب نے کہا: خدا کی قسم! محمد (ﷺ) نے مجھ سے کبھی کوئی جھوٹ بات نہیں کی ہے۔ ابو طالب نے حضور ﷺ سے دریافت کیا: اب کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا: چچا! آپ عمدہ لباس پہن کر سردارانِ قریش کے پاس جائیں اور انہیں یہ بات بتلائیں۔

خواجہ ابو طالب چند لوگوں کے ساتھ اُس مجلس میں پہنچے جہاں قریش کے دانا و بینا اس دستاویز کے معاملے میں غور و خوض کر رہے تھے، ابو طالب کو آتا دیکھ کر اہلِ مجلس نے خوشی کا اظہار کیا اور آنے کی وجہ پوچھی، ابو طالب نے حاضرینِ مجلس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: میرے بھتیجے محمد (ﷺ) نے -- جس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا - مجھے خبر دی ہے کہ مقاطعہ کی دستاویز میں ظلم و ستم اور قطع رحمی سے متعلق تمہاری تمام تحریر دیمک چاٹ گئی ہے اور صرف اللہ کا نام باقی ہے۔ تم اس کو دیکھ لو، اگر میرے بھتیجے کا بیان غلط نکلا تو اسے تمہارے سپرد کر دوں گا، پھر تمہیں اختیار ہے چاہے قتل کر دو چاہے زندہ رکھو، اور اگر بات صحیح نکلی تو ہمارے ساتھ بدسلوکی سے باز آ جاؤ۔

ابو طالب کی یہ بات سن کر حاضرینِ مجلس نے کہا: آپ نے انصاف کی بات کہی ہے۔ دستاویز منگوا کر دیکھی گئی تو وہ بات سچ نکلی جس کی خبر دی گئی تھی، اس پر قریش کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، ندامت اور شرم سے ان کی آنکھیں جھک گئیں۔ (ازواجِ مطہرات: ۱/۱۲۶-۱۲۷)

بالآخر مطعم بن عدی نے اس دستاویز کو پھاڑ کر پارہ پارہ کر دیا، اس طرح تین سال کے بعد خاندانِ بنی ہاشم کے خلاف مقاطعہ کے ظالمانہ معاہدہ کا اختتام ہوا، اور حضور ﷺ اپنے خاندان کے ہمراہ شعبِ ابی طالب سے نکل کر مکۂ مکرمہ میں اپنے مکان پر واپس تشریف لائے۔

وفات

بائیکاٹ کے ختم ہونے پر حضور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو قدرے سکون کی سانس لینے کا موقع ملا؛ لیکن اس کی مدت بڑی مختصر ثابت ہوئی اور چند ہی روز میں پے درپے قلب وروح کو پگھلا دینے والے صدمات کا کوہِ گراں آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑا۔ مقاطعے کے سخت دنوں میں ناز ونعم اور مال ودولت کی فراوانی میں پلی ہوئی خاتون کا عزم وحوصلہ تو نہ ہارا؛ مگر جسم ان شدائد کے سامنے ہار گیا، اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہؓ کی صحت جواب دے گئی، آپ سخت بیمار ہوگئیں، حضور ﷺ نے آپؓ کے علاج ومعالجہ، خبر گیری اور دل جوئی میں کوئی کسر نہ چھوڑی، مگر متعیّنہ وقت آ پہنچا تھا۔

وفات سے چند لمحات پہلے رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہؓ کو نزاع کی حالت میں دیکھتے ہوئے فرمایا: آپ جس چیز کو ناپسند کر رہی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس میں خیر وبرکت کے خزانے رکھے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر ان کی آنکھوں میں مسرّت وشادمانی کی چمک پیدا ہوگئی، زندگی کے آخری لمحات میں سیدہ خدیجہؓ کی نگاہیں رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر گڑی ہوئی تھیں۔ امتِ مسلمہ کی اس شفیق ورحیم اور عظیم ماں نے نکاح کے تقریباً ۲۵ر سال بعد ٦۵ر سال کی عمر پا کر نبوت کے دسویں سال رمضان کی ۱۰ یا ۱۱ تاریخ کو الوداع کہا اور ہمیشہ ہمیش کے لیے داستانِ عشق ووفا کے ماتھے کا جھومر بن گئیں۔ ”انا للہ وانا الیہ راجعون“. (تذکارِ صحابیات: ۲۹، نساء مبشرات بالجنۃ: ۲٦-۲۷)

تجہیز وتکفین

نمازِ جنازہ اس وقت مشروع نہ ہوئی تھی؛ اس لیے غسل دے کر کفن پہنا دیا گیا، اور لوگ جنازہ لے کر ابدی آرام گاہ کی طرف چل پڑے۔ سب کی آنکھیں نم دیدہ تھیں، چشم ہائے نبوت سے بھی آنسو بہہ رہے تھے، حضور ﷺ قبر کے پاس پہنچے اور سرد آہ بھر

کے فرمایا: مجھ پر ناگوار گذرتا ہے وہ حال میں تجھے جس میں دیکھ رہا ہوں اور اللہ نے ناپسندیدگی کے اندر خیر ودیعت کر رکھی ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ بہ نفسِ نفیس قبر میں اترے اور اپنے دستِ مبارک سے انہیں لحد میں رکھ کر سپردِ خاک کیا اور یوں دستِ قدرت نے ایک ناقابلِ یقین تاریخ کا آخری ورق الٹ کر اسے ہمیشہ کے لیے زندۂ جاوید کر دیا۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نَورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مقامِ جیحون میں پہاڑ کے اوپر حضرت خدیجہؓ کا مزار آج بھی نہایت ممتاز اور زیارت گاہِ خلائق ہے، اس مقام کو اب ''جنّت المعلّی'' کہا جاتا ہے۔ (امتِ مسلمہ کی مائیں: ۲۹)

اشعار

وہ اُمّ المسلمین جو مادرِ گیتی کی عزّت ہے
وہ اُمّ المسلمین قدموں کے نیچے جن کے جنّت ہے
خدیجہ طاہرہ یعنی نبی کی باوفا بی بی
شریکِ راحت واندوہ پابندِ رضا بی بی
دیارِ جاودانی کی طرف راہی ہوئیں وہ بھی
گئیں دنیا سے آخر سوئے فردوسِ بریں وہ بھی

(شاہنامۂ اسلام: ۲۹۱ بحوالہ خاتونِ جنّت سیدہ فاطمہ: ۱۷)

عام الحزن

حضرت خدیجہؓ کی وفات سے تاریخِ اسلام میں ایک جدید دور کا آغاز ہوا، یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ کہلایا اور خود آں حضرت ﷺ اس سال کو ''عام الحزن'' (سالِ غم) فرمایا کرتے تھے؛ کیوں کہ حضرت خدیجہؓ اور خواجہ ابوطالب کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کسی شخص کا پاس ولحاظ نہیں رہ گیا تھا، اور وہ اب نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آں حضرت ﷺ کو ستاتے تھے، اسی زمانہ میں آپ اہلِ مکّہ سے ناامید ہوکر طائف تشریف لے گئے تھے۔ (سیر الصحابیات: ۲۶)

حضرت خدیجہؓ کی اولاد

حضرت خدیجہؓ سے آں حضرت ﷺ کی اولاد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، سب سے زیادہ معتبر اور مستند قول یہ ہے کہ دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں:

قاسم: حضرت قاسم آپ ﷺ کے سب سے بڑے لڑکے تھے، ان ہی کے نام پر آں حضرت ﷺ کو ''ابوالقاسم'' کہا کرتے تھے، بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا۔

عبداللہ: حضرت عبداللہ نے بھی بہت کم عمر پائی، زمانۂ نبوت میں پیدا ہوئے اور ''طیب وطاہر'' کے لقب سے مشہور ہوکر عالمِ جاودانی کو سدھار گئے۔

زینب، رقیہ، امِ کلثوم اور فاطمۃ الزہراء: صاحبزادیوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، بالاتفاق چار تھیں اور چاروں بڑی ہوئیں۔

سیدہ زینبؓ حضرت ابوالعاص ابن الربیعؓ کے عقد میں، سیدہ رقیہ اور سیدہ امِ کلثوم یکے بعد دیگرے حضرت عثمان کے عقد میں اور سیدہ فاطمہؓ حضرت علی کے عقد میں رہیں، اور حضرت فاطمہؓ کو چھوڑ کر تمام صاحبزادیوں کا سانحۂ وفات حضور ﷺ کی حیات ہی میں پیش آ گیا، حضرت فاطمہؓ کا انتقال آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے چھ مہینے بعد ہوا۔ حضرت زینبؓ مجموعی اولاد میں دوسرے نمبر پر اور صاحبزادیوں میں سب سے بڑی تھیں، بقیہ آخر الذکر تینوں بہنوں میں بالترتیب ایک ایک سال کا فاصلہ رہا۔

چوں کہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے جس قدر لڑکے پیدا ہوئے وہ سب بچپن ہی میں داغِ مفارقت دے گئے، اس لیے ان کی تعداد میں اختلاف نظر آتا ہے، جمہور علمائے سیر کا قول وہی ہے جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔ جس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ: حضرت خدیجہؓ سے اللہ کے رسول ﷺ کو دو لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں: (۱) قاسم، (۲) عبداللہ، (۳) فاطمہ، (۴) امِ کلثوم، (۵) زینب، (۶) رقیہ۔ (نساء مبشرات بالجنۃ: ۱۸)

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ: طیب اور طاہر آپ کے دو اور صاحبزادے تھے جو قاسم اور عبداللہ کے علاوہ تھے۔ اس قول کی روشنی میں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد برابر سرابر چار چار ہو جاتی ہے۔ (سیرتِ مصطفیٰ:۳/۳۶۴)

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ: حضرت خدیجہؓ کے بطن سے چھ صاحبزادے ہوئے، پانچویں اور چھٹے صاحبزادے کا نام ''مطیّب اور مطہّر'' تھا، واللہ اعلم۔

حضرت خدیجہؓ اپنی اولاد کو بہت چاہتی تھیں، اور چوں کہ دنیا نے بھی ساتھ دیا تھا یعنی صاحبِ ثروت تھیں، اِس لیے عقبہ کی لونڈی سلمہ کو بچوں کی پرورش پر مقرر کیا تھا، وہ ان کو کھلاتی اور دودھ پلاتی تھیں۔ (سیر الصحابیات:۲۷)

امتیازات وخصوصیات

ازواجِ مطہرات کے جھرمٹ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چند امتیازات وخصوصیات حاصل رہیں جو دوسری ازواجِ مطہرات کو حاصل نہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) آپ حضور ﷺ کی پہلی زوجۂ محترمہ ہیں۔

(۲) بہ وقتِ عقدِ نکاح حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال اور حضور ﷺ کی عمر پچیس سال تھی، بقیہ تمام ازواجِ مطہرات بہ اعتبارِ عمر آپ ﷺ سے چھوٹی تھیں۔

(۳) عمر میں کافی تفاوت کے باوجود آپ ﷺ نے ان کے جیتے جی کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔

(۴) حضرت ابراہیم کے سوا تمام اولاد ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

(۵) بعثت ورسالت کے بعد سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

(۶) سب سے پہلے نماز پڑھنے کی سعادت میسّر آئی۔

(۷) خداوندِ قدّوس نے انہیں اپنے ہدیۂ سلام سے اعزاز بخشا اور جنّت میں موتی کے ایک محل کی خوشخبری سے نوازا۔

(۸) منصبِ نبوت ورسالت پر فائز ہونے کے بعد سب سے پہلے چہرۂ انور کا انہوں نے ہی دیدار کیا اور نظرِ نبوت بھی سب سے پہلے ان ہی کے روئے زیبا پر پڑی۔

(۹) آپ ﷺ ربِ کائنات کے فرستادہ، آخری نبی ورسول ہیں، اس سلسلہ میں آپ ﷺ کی تسلّی وتشفّی کے واسطے حضرت خدیجہؓ نے جس اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ خدمات انجام دی اور جن اعلیٰ صفاتِ محمودہ کا تذکرہ کرکے آپ ﷺ کو سکون بخشا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: میں جب کفار سے کوئی بات سنتا اور وہ مجھے ناگوار معلوم ہوتی تو میں خدیجہ سے کہتا، وہ میری ڈھارس اس طرح بندھاتیں کہ میرے دل کو تسکین ہوجاتی اور کوئی رنج ایسا نہ تھا جو خدیجہ کی باتوں سے آسان اور ہلکا نہ ہوجاتا ہو۔ (ازواجِ مطہرات: ۱/۱۲۴)

(۱۰) اپنا پورا سرمایہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرکے آپ کو فکرِ معاش سے سبک دوش کردیا۔

یہ وہ خصوصیات ہیں جن میں کوئی دوسری زوجہ آپ کی شریک وسہیم نہیں ہے۔

فضائل ومناقب

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی عظمتِ شان کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے جب دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو کیا کوہِ حرا، کیا وادیٔ عرفات، کیا جبلِ فاران، الحاصل! تمام عرب آپ کی آواز کا مخالف تھا، طبقۂ نسواں میں سے صرف ایک آواز تھی جو آپ کی تائید میں اٹھی جس نے فضائے مکّہ میں تموج پیدا کر رکھا تھا، یہ آواز حضرت خدیجہؓ کے دل سے بلند ہوئی تھی جو اس ظلمت کدۂ کفر وضلالت میں انوارِ الٰہی کا دوسرا تجلی گاہ تھا۔

حضرت خدیجہؓ وہ مقدس وبابرکت خاتون تھیں جنہوں نے نبوت سے پہلے ہی بت پرستی ترک کردی تھی۔

چناں چہ مسندِ احمد بن حنبل کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت خدیجہؓ سے فرمایا: ”بہ خدا! میں کبھی لات وعزیٰ کی پرستش نہیں کروں گا“ تو انہوں نے جواب دیا کہ: لات کو جانے دیجیے، عزیٰ کو جانے دیجیے یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجیے۔ (سیر الصحابیات: ۲۷)

آنحضرت ﷺ نے جب نبوت کی صدا بلند کی تھی تو سب سے پہلے آپؓ ہی نے اس پر لبیک کہا، آں حضرت ﷺ اور اسلام کو ان کی ذات سے جو تقویت پہنچتی تھی وہ سیرتِ نبوی کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہیں۔

ابن ہشام لکھتے ہیں: ”وكانت له وزير صدق على الإسلام“ وہ اسلام کی نشر واشاعت کی مہم میں آں حضرت ﷺ کی سچی مشیر تھیں۔ (سیر الصحابیات: ۲۷-۲۸)

یہی وجہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کو حضرت خدیجہؓ سے بے انتہا محبت تھی، آپ نے ان کی زندگی تک کبھی دوسری شادی نہیں کی۔

سیدہ خدیجہؓ کی سہیلیاں

ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ان کی سہیلیوں کے گھر پابندی کے ساتھ بھجوایا کرتے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب بکری ذبح کی تو فرمایا کہ: اس کو خدیجہ کی سہیلیوں تک پہنچا دو۔ میں نے ایک دن اس کے متعلق طنز کیا تو اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: میں خدیجہ کے سہیلیوں سے بھی محبت کرتا ہوں۔ (نساء مبشرات بالجنۃ: ۳۴)

علامہ ابن عبد البرّ نے ”الاستیعاب“ میں حضرت عائشہؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ: ایک مرتبہ کوئی بوڑھی عورت حضور سے ملنے آئی، آپ نے حسنِ سلوک کے ساتھ بڑی نرمی سے پوچھا: ہمارے بعد تمہارا کیا حال رہا؟ خیر وخیریت اور ملاقات کے بعد جب وہ چلی گئی تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: یہ بُڑھیا کون تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خدیجہ کی سہیلی حسانہ تھی جسے خدیجہ سے بے حد محبت تھی۔ (ازواجِ مطہرات: ۱/۱۳۲)

ایسا گھر جس کا ستون نہیں

ایک مرتبہ حضور ﷺ تشریف فرما تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور حضرت خدیجہؓ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: یہ خدیجہ ہیں جو کھانا لیے ہوئے آپ کی طرف آ رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں سلام بھیجا ہے اور میں بھی انہیں سلام کرتا ہوں، (پھر کہا) کہ آپ انہیں اس بات کی بشارت دیجیے کہ اللہ نے ان کے لیے جنّت میں ایک بڑا خوش نما اور پُرسکون گھر بنایا ہے جس میں کوئی پتھر کا ستون نہیں ہے۔

”وقد أوحى إلى رسول الله ﷺ أن يبشرها ببيت لها في الجنة من قصب“. (صحیح بخاری:۲/۷۸۷،بحوالہ خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ:۶۶) یعنی نبیٔ کریم ﷺ کو بذریعۂ وحی بتلایا گیا کہ آپ حضرت خدیجہؓ کو جنّت میں موتیوں سے بنے محل کی بشارت دیجیے۔

راوی کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے پوچھا کہ: کیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو ایسے مکان کی بشارت دی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں!۔ (صحیح بخاری:۱/۵۳۹،بحوالہ خاتونِ جنّت سیدہ فاطمہ:۶۶)

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ: حضور ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے بارے میں فرمایا کہ: میں نے انہیں جنّت کی ایک نہر پر ایک خوبصورت پُرسکون ہیرے موتی جڑے مکان میں دیکھا۔ (خاتونِ جنّت سیدہ فاطمہ:۶۷)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ: سہیلی کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں موتی والے محل کی بشارت سنائی تھی؛ کیوں کہ خدیجہ کے پاس ایمان لانے سے قبل بڑے موتی تھے اور وہ بے نظیر تھے (جسے انہوں نے حضور ﷺ پر اور اسلام پر لٹا دیے تھے) اور انہیں جنّت میں پُرسکون مکان کی بشارت اس لیے ملی تھی؛ کیوں کہ انہوں نے کبھی اپنی آواز کو حضور ﷺ کی آواز پر بلند نہیں کیا تھا (ہمیشہ اپنی آواز پست رکھی تھی)۔

(البدایہ:۳/۱۸۲،بحوالہ خاتونِ جنّت سیدہ فاطمہ:۶۷)

حضرت خدیجہ طاہرہؓ کے لیے اعزازِ ربّانی

ایک مرتبہ جبرئیلِ امین نے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ: خدیجہ برتن میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر آ رہی ہیں، آپ ان سے رب العالمین کا سلام کہہ دیجیے اور میرا سلام بھی پہنچا دیجیے، انہیں بہشت کے ایک ایسے محل کی بشارت بھی دیجیے جو خالص موتیوں سے تیار کیا ہوا ہے جس میں کسی قسم کا رنج وغم اور شور وغل نہ ہوگا۔ (ازواجِ مطہرات: ۱/۱۳۱)

اس روایت سے جہاں حضرت خدیجہؓ کے فضائل آشکارا ہوتے ہیں وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باوجود تموّل و مالداری کے حضرت خدیجہؓ خود حضور ﷺ کی خدمت کیا کرتی تھیں اور آپ کی راحت وآرام کا ہر ممکن خیال فرماتی تھیں۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ رقم طراز ہیں: جنّت میں خلافِ طبع اور مکروہ آواز کسی کے کان میں بھی نہ آئے گی؛ مگر خصوصیت کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کو جو ایسے مکان کی بشارت دی گئی، یہ غالباً اس لیے کہ دشمنانِ اسلام، اسلام اور داعیٔ اسلام ﷺ کے خلاف جو طرح طرح کی باتیں کرتے تھے وہ ان کے کانوں میں پڑتی تھیں ان کی وجہ سے جو سخت کوفت ہوئی تھی اس کی تسلی کے لیے یہ خصوصی بشارت دی گئی۔ (امتِ مسلمہ کی مائیں: ۲۸)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اُس وقت آپ ﷺ کے پاس حضرت خدیجہؓ بیٹھی تھیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: اللہ نے خدیجہ کو سلام کہا ہے، حضرت خدیجہؓ نے کہا: یقیناً اللہ سلامتی دینے والا ہے اور جبرئیل پر سلامتی ہو اور آپ پر اے نبی! جاننے والے اس جواب سے حضرت خدیجہؓ کی فقاہت وذہانت کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جواب دینے اور سلام کی نسبت کرنے میں آداب کا کتنا لحاظ رکھا گیا ہے، اللہ کی رحمت وبرکت ہو۔

اسی لیے اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ: حضرت خدیجہ کا یہ جواب ان کی فقاہت اور کامل عقل اور حسنِ ادب پر دلالت کرتا ہے۔ (نساء مبشرات بالجنۃ: ۳۶)

حضرت فاطمہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا: ہماری امّی خدیجہ کہاں ہیں؟ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: بانس والے گھر میں جس میں نہ لغو ہے اور نہ شور وغُل، مریم و آسیہ اور خدیجہ کو مشقت وتھکاوٹ نہ ہوگی، پوچھا: گھر اِس بانسے کا، فرمایا: نہیں؛ بلکہ اُس بانسے کا جو موتیوں، لؤلؤ اور یاقوت سے جڑا ہوا ہے۔ (نساء مبشرات بالجنۃ: ۳۶)

جنّت کی خوش خبری

اللہ تعالیٰ نے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کو ان کی زندگی ہی میں جنّت کی خوش خبری دے دی تھی۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ گھر کے باہر تھے، یہ وہ دور تھا جب سارا عرب آپ ﷺ کا دشمن ہو رہا تھا، راستہ میں حضرت جبرئیلِ امین اجنبی مرد کی صورت میں ملے اور ان سے حضور ﷺ کے بارے میں دریافت کیا۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ آپ ﷺ کا دشمن ہی نہ ہو، گھر پہنچ کر انہوں نے اس بات کا تذکرہ حضور ﷺ سے کیا، آپ نے فرمایا کہ: وہ جبرئیل تھے، انہوں نے تم کو سلام کہا ہے اور یہ پیغام دیا ہے کہ میں تم کو جنّت میں ایک ایسے گھر کی بشارت سنادوں جو موتیوں سے بنا ہوگا جس میں شور وغل اور تکلیف ومشقت کا گذر تک نہ ہوگا۔ (ازواجِ مطہرات حیات وخدمات: ۶۹)

حضور ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو جنّت کی بشارت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ جنّت میں مریم بنت عمران حضرت موسیٰ کی بہن کلثوم اور فرعون کی بیوی آسیہ کو میری بیوی بنادے گا اور وہ تمہارے ساتھ ہوں گی۔ (طبرانی: ۲۲/۱-۴۵ بحوالہ خاتونِ جنّت سیدہ فاطمہ: ۶۹)

طاہرہ کا عطا کیا ہوا ہار

حضرت خدیجہؓ کی وفاداری کی دلیلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ غزوۂ بدر الکبریٰ

میں جب رسول اللہ ﷺ کے داماد حضرت زینب کے شوہر ابوالعاص بن ربیع قیدی بنا کر لائے گئے اور فدیہ کے طور پر حضرت خدیجہؓ کا دیا ہوا ہار سامنے آیا تو رسول اللہ ﷺ کو اپنی وفادار بیوی حضرت خدیجہؓ کی یاد آ گئی اور اپنے اصحاب سے فرمایا: تم کیا کہتے ہو کہ میری بیٹی کے لیے؟ اس کے شوہر کو رہا کر دوں اور ان کو ان کا ہار لوٹا دوں تو کیسا رہے گا؟ تمام صحابہؓ نے بہ یک آواز کہا کہ: ہمیں منظور ہے۔ تب زبانِ رسالت مآب ﷺ سے یہ جملہ نکلا، خدا کی قسم! یہ اس ''طاہرہ'' کا عطا کیا ہوا ہے جن کا ہر مسلمان کے ذمہ بڑا احسان ہے۔ (نساء مبشرات بالجنۃ: ۳۱)

خدا کی دی ہوئی محبّت

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: میں نے حضرت خدیجہؓ کو نہیں دیکھا؛ لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا ہے کسی اور پر نہیں آتا جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اس پر آپ ﷺ کو رنجیدہ کیا؛ لیکن آپ نے فرمایا کہ: خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے۔

بہترین رفیقۂ حیات

ایک اور روایت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کا ایک مدت تک یہ معمول رہا کہ پہلے گھر سے باہر تشریف لے جاتے وقت نہایت خیر وخوبی کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا تذکرہ کرتے اور پھر تشریف لے جاتے، واپسی میں بھی یہی معمول تھا۔ ایک مرتبہ شدتِ غیرت کی بنا پر مجھے برداشت نہیں ہوا، تو میں نے کہہ دیا کہ: کیا ہر وقت آپ ایک بُڑھیا کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں جس کے دانت بھی بُڑھاپے کی وجہ سے گر گئے تھے اور مرے ہوئے بھی ایک زمانہ گذر گیا حالاں کہ اللہ نے آپ کو ان سے بہتر بیویاں عطا کی ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آں حضرت ﷺ سے ملنے آئی اور استیذ ان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی، ان کی آواز حضرت خدیجہؓ سے ملتی جلتی تھی، آپ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہؓ کی یاد آ گئی، اور آپ بے ساختہ اٹھے اور فرمایا: ہالہ ہوں گی۔ حضرت عائشہؓ بھی موجود تھی ان کو نہایت رشک ہوا، بولیں کہ: آپ کیا ایک بُڑھیا کو یاد کیا کرتے ہیں جو مر چکی ہے حالاں کہ خدا نے ان سے اچھی بیویاں آپ کو دی ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: میری یہ بات سن کر آپ ﷺ غضبناک ہو گئے، یہاں تک کہ شدتِ غضب کی وجہ سے آپ کے اگلے حصہ کے بالوں میں حرکت پیدا ہوگئی۔ میں نے جب چہرۂ انور کو دیکھا تو مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی، میں دل ہی دل میں کہنے لگی: یا اللہ! اگر آپ سے یہ غصہ زائل ہو جائے تو میں کبھی اس طرح کی بات نہیں کہوں گی۔ آپ ﷺ نے مجھے تاڑ لیا، اور لمبی آہ بھر کر نرم لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ: ہرگز نہیں، اللہ نے مجھے ان سے بہتر کوئی بیوی عطا نہیں کی، لوگ جب کفر وضلالت کی تاریکی میں بھٹک رہے تھے تو اس وقت وہ ایمان کی روشنی سے اپنے دل کو منوّر کر چکی تھی، لوگوں نے مجھے جھٹلایا تو انہوں نے میری تصدیق کی، جب کوئی ایک حبّہ دینے کے لیے تیار نہ تھا تو انہوں نے اپنا پورا مال میرے قدموں میں نچھاور کر رکھا تھا، اور اللہ نے مجھے صرف ان سے ہی اولاد عطا کی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: آپ ﷺ کے مذکورہ ارشاد کو سن کر میں نے اپنے جی میں یہ فیصلہ کرلیا کہ حضرت خدیجہؓ کا تذکرہ کبھی بُرائی سے نہ کروں گی۔ (نساء مبشرات بالجنۃ:۳۳)

چار عورتیں

حضرت خدیجہؓ کے مناقب میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ: حضور ﷺ نے زمین میں چار لکیریں کھینچی،

پھر فرمایا: کیا تم اس کو جانتے ہو؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر اور زیادہ جانتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہلِ جنّت کی عورتیں جن کو دنیا کی تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہیں: (۱) مریم بنتِ عمران، (۲) آسیہ زوجۂ فرعون، (۳) خدیجہ بنتِ خویلد اور (۴) فاطمہ بنتِ محمد۔

حضور ﷺ نے جن عورتوں کو قابلِ اسوہ اور نمونہ قرار دیا ہے ان میں حضرت خدیجہؓ بھی شامل ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: دنیا کی تمام عورتوں میں مریم بنت عمران، خدیجہ بنتِ خویلد، فاطمہ بنتِ محمد (ﷺ) اور آسیہ فرعون کی بیوی کافی ہے۔

تین کامل عورتیں

ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مردوں میں بہت کامل لوگ پیدا ہوئے؛ مگر عورتوں میں صرف تین: ایک مریم بنتِ عمران، دوسری زوجۂ فرعون آسیہ، تیسری خدیجہ بنتِ خویلد۔ (جنّت کی خوشخبری پانے والی خواتین: ۳۴، ازواجِ مطہرات وصحابیات کا انسائیکلوپیڈیا: ۳۶)

بعض مفکرین نے اس حدیث پر ایک لطیف نکتہ درج کیا ہے کہ وہ تین انوکھی چیزیں جو ان تین عورتوں میں جمع ہوئیں ہیں، وہ یہ ہے کہ: ان میں سے ہر ایک نے نبیٔ مرسل کی کفالت کی اور ان کی اچھی صحبت پائی اور ان پر ایمان لے آئیں، مثلاً حضرت آسیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا، اور ان کی بعثت ورسالت کی تصدیق کی۔ مریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کفالت وتربیت کی اور ان کی تصدیق کی جب ان کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ حضرت خدیجہؓ نبی ﷺ کی عاشق زار تھیں، اپنے نفس اور مال کے ذریعہ سے آپ کی غم خواری کی اور آپ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا اور وہ پہلی خاتون بنی جو سب سے پہلے نبی پر ایمان لائیں جب ان پر وحی نازل کی گئی۔ (نساء مبشرات بالجنۃ: ۲۹)

افضل ترین عورت

صحیح بخاری اور مسلم میں ہے:"خیر نسائها مریم بنت عمران وخیر نسائها خدیجة بنت خویلد" عالم میں افضل ترین عورت مریم اور خدیجہؓ ہیں۔ (سیر الصحابیات:۲۹)

دکتور احمد خلیل جمعہ نے اپنی کتاب ''نساء مبشرات بالجنۃ'' میں بخاری ومسلم وترمذی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے مذکورہ بالا حدیث ذکر کرنے کے بعد زمین وآسمان کی طرف اشارہ کیا۔ (نساء مبشرات بالجنۃ:۳۰)

"خیر نسائها" کا مطلب

خیر نسائها کے مطلب میں تین اقوال ہیں:

(۱) پہلا قول: علامہ نووی کہتے ہیں کہ: حدیث میں ''خیر نسائھا'' کی ''ھا'' ضمیر کا مرجع ان کے اپنے دور کی عورتیں ہیں یعنی سیدہ مریم اپنے دور میں تمام روئے زمین کی عورتوں سے بہتر ہیں اور حضرت خدیجہ اپنے دور میں تمام روئے زمین کی عورتوں سے بہتر ہے۔

(۲) دوسرا قول: علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ: حدیث میں "خیر نسائها" میں "ها" کی ضمیر روئے زمین پر آباد تمام عورتوں کی جانب راجع ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ سیدہ خدیجہ اور سیدہ مریم بنتِ عمران دنیا بھر کی عورتوں سے بہتر ہیں۔

(۳) تیسرا قول: علامہ طیبی کہتے ہیں کہ: حدیث میں "خیر نسائها مریم بنت عمران وخیر نسائها خدیجة بنت خویلد" میں دوسری ضمیر کا مرجع امتِ محمدیہ ہے اور پہلی ضمیر کا مرجع اس امت کی طرف ہے جس میں سیدہ مریم نے زندگی بسر کی۔

اخلاق وعادات

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ اخلاق وعادات کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ تھیں۔ثروت ومالداری کے باوجود انتہائی قانع اور کبروغرور سے پاک تھیں۔شجاعت وبہادری کا وصف بھی نمایاں تھا۔حلم وبردباری اور عزم وحوصلہ تو اس درجہ کا تھا کہ معدودے چند ہی ہوں گے جو ان اوصاف میں ان کے ہم سر ہوں گے۔جودوسخا کا کیا تذکرہ کہ انہوں نے اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کر ڈالا تھا۔اعلیٰ درجہ کی صابرہ وشاکرہ اور خوددار تھیں، نیز فہم وفراست سے بھی وافر حصہ پایا تھا۔ایک روایت کے مطابق ان کے حسنِ سلوک، شرافت، ہمدردی، شفقت اور صلہ رحمی نے انہیں بڑے بلند مقام پر پہنچا دیا۔

ایک روایت کے مطابق سیدہ خدیجہؓ کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شادی کے بعد قحط سالی پیدا ہوئی تو اس دوران رسول اللہ کو دودھ پلانے والی خاتون حلیمہ سعدیہ ملاقات کے لیے آئی، جب وہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے بعد واپس جانے لگی تو سیدہ خدیجہؓ نے اسے اناج سے لدا ہوا ایک اونٹ اور چالیس بکریاں دیں جس سے ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اسی طرح ابولہب کی باندی ثویبہ کو بھی رسول اللہ ﷺ کی ''مرضعہ'' ہونے کی سعادت نصیب ہوئی تھی، چناں چہ شادی کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو سیدہ خدیجہؓ نے ان کی بہت زیادہ عزت وتکریم کی۔رسول اللہ ﷺ کو اپنی رفیقۂ حیات کی یہ عادت بہت پسند تھی، اور آپ اسے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

(رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں:۱۳۸)

حضرت خدیجہؓ اور حدیث

علّامہ ابن جوزیؒ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے حضور ﷺ سے صرف ایک ہی حدیث نقل کی ہے اور وہ صحاح میں مذکور نہیں ہے۔(نساء مبشرات بالجنۃ:۲۵)

چناں چہ قاضی اطہر مبارک پوریؒ رقمطراز ہیں کہ: حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قدیمۃ الوفات ہونے کی بنا پر فقیہات ومفتیات کے طبقہ میں شمار نہ ہوسکیں؛ مگر واقعہ یہ ہے کہ ان کی ذات اس طبقہ کے لیے سرنامہ ہے اور بناتِ اسلام کے دینی اور علمی کارناموں کی داستان کے لیے زیبِ عنوان ہیں۔ (خواتینِ اسلام کی دینی وعلمی خدمات: ۱۴۸)

خلاصۂ کلام

یہ ہے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی زندگی کا مختصر سا خاکہ جن کی زندگی کے ہر گوشے سے فدائیت وفنائیت کی خوشبو پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہے، جنہوں نے نبی کی زوجیت میں آنے کے بعد اپنی جان اور اپنا مال نبی کے قدموں میں نچھاور کردیا اور جو نبی کی ہر تکلیف ومشقت میں ان کے لیے ڈھال کا کام دیتی رہیں، مالداری کے باوجود کبھی عیش وعشرت کو پسند نہیں فرمایا؛ بلکہ ہمہ وقت پورا مال نبی کے قدموں پر نچھاور کرنے اور ان کے غم کو ہلکا کرنے کی فکر میں غمزدہ رہتیں۔ آہ! کس قدر معزز ہیں وہ یارانِ خدا جنہیں دنیا ہی میں خدائے ذوالجلال کی رضامندی وخوشنودی کا پروانہ مل گیا، جن میں سے اول حضرت خدیجہؓ کی ذاتِ گرامی ہیں جن کی زندگی کا ہر گوشہ لاجواب وبے مثال تھا، کیا ہی عظیم المرتبت تھیں وہ خاتون جن کے نام وکام کو حوادثِ زمانہ اور انقلاباتِ دہر نہیں مٹا سکے، ان کی زندگی کا ہر موڑ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے جس کی روشنی کبھی مدھم نہیں پڑسکتی؛ اس لیے اگر ہم کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو محبتِ رسول کے اس جلتے ہوئے چراغ سے اپنا چراغ جلانا چاہیے اور ان اوصاف وکمالات کی اطاعت وپیروی کرنا چاہیے جن کو اپنا کر حضرت خدیجہؓ لائقِ صد رشک اور قابلِ اسوہ ونمونہ قرار پائی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلب وجگر میں ان مقدس ومکرم پاکباز ہستیوں کی محبّت والفت پیوست فرمائے اور تادمِ حیات ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

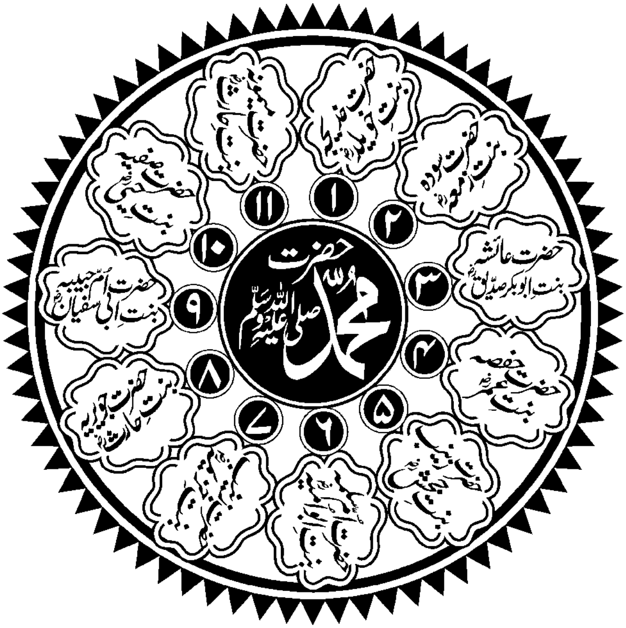

۲

اُمّ المومنین حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا

سوانحی خاکہ

نام : سودہ بنتِ زمعہ۔

کنیت : اُمِّ سودہ۔

قبیلہ : قریش کی شاخ بنو عامر بن لُوی۔

ولادت : کتبِ سیر میں صراحتاً ذکر نہیں ہے؛ تاہم اتنی بات طے ہے کہ بعثت کے وقت آپ کی عمر اچھی خاصی ہو چکی تھی۔

قبولِ اسلام : آغازِ اسلام میں مسلمان ہوئیں۔

پہلا نکاح : چچازاد بھائی حضرت سُکران بن عمروؓ سے۔

اولاد : پہلے نکاح سے عبد الرحمٰن نامی صاحبزادے پیدا ہوئے۔حضور ﷺ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

دوسرا نکاح : سرکار ﷺ سے۔

ہجرت : دو ہجرتوں کی سعادت حاصل ہوئی: حبشہ اور مدینہ۔

حج : ۱۰ھ میں حضور ﷺ کے ساتھ حج کی سعادت سے مالا مال ہوئیں۔

روایتِ حدیث: پانچ احادیث۔

وفات: ۲۲ھ یا ۲۳ھ۔

نمازِ جنازہ: خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ نے پڑھائی۔

مدفن : جنّت البقیع۔

عمر مبارک : ۷۳ یا ۸۰ سال۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُمّ المومنین حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا

ہشام الدین حبیب اللہ راجستھانی

بدی کا زور تھا، ہر سو جہالت کی گھٹائیں تھیں
فساد و ظلم کی چاروں طرف پھیلی ہوائیں تھیں
ذرا سی بات پر تلوار چل جاتی تھی آپس میں
تو پھر یہ جنگ آتی ہی نہ تھی دو چار کے بس میں
اگر لڑکی کی پیدائش کا گھر میں ذکر سن لیتے
تو اس معصوم کو زندہ زمیں میں دفن کر دیتے
غرض جو بھی برائی تھی سب ان میں پائی جاتی تھی
نہ تھی شرم و حیا آنکھوں میں، گھر گھر بے حیائی تھی
مگر اللہ نے جب ان پر اپنا رحم فرمایا
تو عبد اللہ کے گھر میں خدا کا لاڈلا آیا

نبیٔ آخر الزماں کے ورود سے پہلے کا یہ وہ بھیانک منظر ہے جس کی سادہ اور آسان الفاظ میں شاعر نے نقشہ کشی کی ہے اور سچ پوچھئے تو یہ اُس دورِ جاہلیت کی ادنیٰ سی جھلک ہے۔ خلاصۃ الخلاصہ کے طور پر اتنا کہا جا سکتا ہے کہ نوعِ انسانی کفر و شرک، ظلم و بربریت اور اخلاقی بگاڑ کی ایسی کھائی میں گر چکی تھی جس سے نکلنے کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا، تبھی یکا یک رحمتِ الٰہی جوش میں آئی، حالات نے پلٹا کھایا، ہواؤں نے تیور بدلے، فضاؤں میں انقلاب کی خوشبو آئی، ہدایت کے جھونکے چلے، اور نور الھدیٰ، داعیٔ

اسلام، حق کے روشن مینار، زہد وفقر کے شہنشاہ، حق وصداقت کے نڈر سپاہی، فقر واستغنا کے معمار، عشق ووفا کے میر، خوف وخشیتِ الٰہی کے پیکر، جمالِ عیسیٰ اور جلالِ موسیٰ کے پاسباں، تقویٰ وللّٰہیت کے آفتاب وماہتاب، تاجدارِ ختمِ نبوت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آسمانِ نخلستان پر جلوہ گر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمہ گیر نبوت اور عالم گیر رسالت سے سرفراز فرمایا۔

نبی آتے رہے، آخر میں نبیوں کے امام آئے
وہ دنیا میں خدا کا آخری لے کر پیام آئے
جھکانے آئے بندوں کی جبیں اللہ کے در پر
سکھانے آدمی کو آدمی کا احترام آئے

اس انقلاب نے صحرائے عرب کے ذرّوں کو جگمگا دیا، اور ظلم وبربریت کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ ہدایت کی روشنی میں لا کھڑا کیا۔ آفتابِ نبوت ﷺ سے اکتسابِ فیض کے بعد یہی ذرّے ہمدوشِ ثریا ہو کر ''نجومِ ہدایت'' قرار پائے، ہدایت کے ان درخشاں ستاروں کو دنیا ''صحابہ'' کے نام سے جانتی ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ صحابہؓ اپنی سیرت وکردار، اخلاق وعادات، عبادت واطاعت، شمائل وخصائل کے لحاظ سے اتنے اعلیٰ وارفع مقام پر فائز تھے کہ انبیا کو چھوڑ کر کسی اور جماعت کے لیے اتنے عظیم مقام کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یہ وہ نفوسِ قدسیہ تھے جنھوں نے نبیٔ آخر الزماں ﷺ کے روئے انور سے اپنی آنکھوں کو منوّر کیا، اور ان کے طریقے کو اپنی زندگی کا شعار بنایا، ان کے آتشیں نفوس سے آج تک فوز وفلاح اور ہدایت وسعادت کے چراغ روشن ہیں، ان کے آتش کدۂ ایمان سے جہالت کی تاریکیوں میں ایمان باللہ کی قندیلیں جل اٹھیں۔ ان پروانوں کی دل گدازی، جاں سوزی اور جاں بازی کی شان ہی کچھ نرالی تھی، دینِ متین کی ترویج اور

پرچمِ حق کی سربلندی کے لیے ان کا انفرادی اور اجتماعی کردار تا صبحِ قیامت فرزندانِ توحید کے لیے مشعلِ راہ بن گیا، ان قدسی صفت انسانوں نے خدائے واحد کی رضا جوئی کے لیے ماں باپ کو چھوڑا، اہل وعیال کی فرقت کو برداشت کیا، قبیلے اور وطنِ عزیز کو خیر باد کہا۔

نہ پوچھ مجھ سے لذت خانماں برباد رہنے کی
نشیمن سینکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

بنے ہوئے نشیمن پھونک کر کامیاب ہونے والوں میں مردوں کے شانہ بہ شانہ عورتیں بھی نظر آتی ہیں، آج ہم اپنے اس مقالے میں ایک ایسی ہی مقدس خاتون کا ذکرِ خیر کریں گے جو نہ صرف صحابیاتؓ کے شرف سے مشرف ہیں؛ بلکہ نبی آخرالزماں کی زوجۂ مطہرہ اور ''امت کی ماں'' ہونے کا عظیم تمغہ بھی ان کے سینے پر سجا ہوا ہے۔ اس مقدس خاتون کا نامِ نامی ''ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا'' ہے، ان ہی کی سوانحِ حیات کی کچھ جھلکیاں اس مقالے میں پیش کی جارہی ہیں:

نام ونسب

''سودہ'' نام تھا، اور ''امِ اسود'' کنیت تھی۔ قریش کے نامور قبیلہ قبیلۂ عامر بن لُؤی سے تھیں۔ والد کا نام زَمعہ تھا، سلسلۂ نسب مؤرخین کچھ یوں لکھتے ہیں: سودہ بنتِ زَمعہ بن قیس بن عبدِ شمس بن عبدوُدّ بن نصر بن مالک بن حنسل بن عامر بن لُؤی بن غالب القرشیہ العامریہ۔ لُؤی بن غالب پر پہنچ کر آپؓ کا سلسلۂ نسب حضور ﷺ کے نسبِ مطہّر سے مل جاتا ہے۔

آپؓ کی والدہ کا نام ''شموس'' تھا جو انصار کے قبیلۂ بنی النجار سے تھیں، ان کا پورا نسب یوں بیان کیا جاتا ہے: شموس بنتِ قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن فراش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔

والدہ کی طرف سے ان کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ حضور ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی والدہ سلمٰی بنتِ عمرو اور سودہ کی والدہ شموس بنتِ قیس دونوں انصار کے مشہور قبیلہ ''بنو نجار'' سے تھیں، نیز حضرت سودہ کی والدہ شموس رشتہ میں سلمٰی کی بھتیجی بھی ہوتی ہے، اس طرح سے حضور ﷺ اور حضرت سودہؓ کا ننہال بھی ایک ہی ہو جاتا ہے۔

آپؓ کے والد ماجد

آپؓ کے والدِ محترم زمعہ بن قیس انتہائی شریف الطبع، معزز، ہوشیار اور بیدار مغز انسان تھے، آپ کی شرافت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت خولہؓ آپ ﷺ کا پیغامِ نکاح لے کر آپ کے پاس پہنچی تو اولِ وہلے میں ہی بلا چوں وچرا انہوں نے اس پیغام کو قبول فرمالیا اور اپنی لختِ جگر کا نکاح تاجدارِ مدینہ ﷺ سے کروا دیا۔

بہنیں اور بھائی

آپؓ کے دو بھائی: مالک اور عبداللہ، اور دو بہنیں: ہریرہ اور امِ کلثوم تھیں۔ مالک بن زمعہ قدیم الاسلام اور السابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں، جب کہ عبداللہ (بعض روایات میں ان کا نام ''عبد'' بھی بتایا گیا ہے) نے حضرت سودہؓ کے حضور ﷺ سے نکاح کرنے کے بعد اسلام قبول کیا۔

عبداللہ بن زمعہ حضرت سودہؓ کے (ماں کی طرف سے) سوتیلے بھائی تھے۔ ان ہی کے بارے میں حضور ﷺ نے یہ منصفانہ فیصلہ دیا تھا کہ: ''الولد للفراش وللعاھر الحجر''. حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بھائی عتبہ نے کہا تھا کہ: زمعہ کی لونڈی کا بچہ مجھ سے ہے۔ جب فتحِ مکّہ کے روز حضرت سعدؓ نے اپنے بھائی کے کہنے کے مطابق اس بچہ کو اپنے قبضہ میں لینا چاہا تو عبداللہ بن زمعہ بیچ میں اڑ گئے، اس پر ان کے مابین شدید

اختلاف ہوگیا۔قضیہ آپ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بچہ تو صاحبِ فراش (خاوند) کا ہےاور زانی کو پتھر کی سزا (سنگساری) ملے گی۔

اس تاریخی فیصلے کے بعد وہ بچہ عبداللہ کے سپرد کردیا گیا۔چوں کہ اس کی شکل وصورت عتبہ کے مشابہ تھی؛اس لیے حضور ﷺ نے حضرت سودہؓ کو اس سے پردہ کا حکم دیا تھا۔

ہریرہ بنتِ زمعہؓ کی شادی بنو عبدِقیس کے حضرت معبد بن وہبؓ سے ہوئی، جو بدری صحابی ہیں، ان کی شجاعت وحسنِ کارکردگی کو دیکھ کر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ: عبدِ قیس کے نوجوان اللہ کی زمین پر شیر ہیں۔

اُمِ کلثوم بنتِ زمعہؓ کی شادی حویطب بن عبدالعزیٰؓ سے ہوئی، وہ آپ ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے،ان سے ایک بیٹا ابوالحکم پیدا ہوا۔حویطب ان بارہ اولوالعزم اور باہمّت افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو دفن کیا تھا۔

ولادت

آپؓ کی ولادت کب ہوئی؟ اس کے بارے میں اصحابِ سیر نے سکوت اختیار کیا ہے؛البتہ اتنی بات پکّی ہے کہ بعثت کے وقت آپ کی عمر اچھی خاصی تھی؛ کیوں کہ قبل از بعثت آپؓ کی شادی ہوچکی تھی اور اپنے شوہر کے ساتھ باقاعدہ ازدواجی زندگی بسر کر رہی تھی،مزید یہ کہ ان کے عمر دراز ہونے کا تذکرہ بھی کتابوں میں ملتا ہے۔

قبولِ اسلام

حضرت سودہؓ اپنی طبیعت اور فطرت کے لحاظ سے ایک صالح،حق پسند اور نیک سیرت خاتون تھیں۔تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب غارِ حرا سے آفتابِ نبوت ورسالت کفر وشرک کی ظلمتوں کا دامن چاک کرتے ہوئے طلوع ہوا تو معدودے چند خوش بخت

اور سلیم الطبع انسانوں نے اس کی نورانی شعاعوں سے اپنے دلوں کی دنیا کو منوّر کیا۔

دعوتِ اسلام کے بالکل آغاز میں حضور ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر قبیلۂ قریش کو نام بہ نام پکارا، جب سب جمع ہو گئے تو تاجدارِ نبوت ﷺ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: اے لوگو! تم "لا إلـــہ إلا اللـــہ" کہہ دو، دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی سے ہم کنار ہو جاؤ گے۔ یہ صدائے حق جونہی مشرکین کے کانوں میں پڑی، اور تمام معبودانِ باطلہ کی عبادت و بندگی ترک کر کے صرف خدائے واحد کی بندگی اختیار کرنے کی دعوت دی گئی تو وہ اس قدر برافروختہ ہوئے کہ ان کے غیض وغضب کا آتش فشاں پوری قوت کے ساتھ پھٹ پڑا۔

وہی لوگ جواب تک آپ ﷺ کے خلقِ عظیم، امانت و دیانت، طہارت و صداقت اور اخلاقی پاکیزگی کے نہایت معترف و مداح تھے؛ خون کے پیاسے ہو گئے، اور حضور ﷺ اور آپ کے ساتھ دعوتِ حق کی صدا پر لبیک کہنے والوں پر جور و جفا اور ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیے؛ مگر صدائے حق آگے بڑھتی رہی، اور ازلی سعادت مندوں کا کاروانِ سعادت دن بہ دن منزلیں طے کرتا ہوا عروج کی سَمت رواں دواں رہا۔

حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر سکرانؓ سعادت مندوں کے اسی قافلے میں شریک تھے جس نے بالکل ابتدا ہی میں دعوتِ حق پر لبیک کہتے ہوئے اسے حرزِ جاں بنا لیا تھا، اور خداوندِ قدوس کی طرف سے "السابقون الاولون" کا اعزازی تمغہ اپنے شانوں پر آویزاں کر کے دنیا و آخرت کی سعادت و کامرانی سے اپنے دامنِ مراد کو لبریز کر لیا تھا۔ چناں چہ سیرت نگاروں نے دعوتِ توحید کے ابتدائی تین سالہ دور میں اس پر لبیک کہنے والے جرأت مند، حق پسند اور خوش قسمت اشخاص کی جو فہرست مرتب کی ہے اس میں آپؓ کا اسمِ گرامی نمایاں طور پر موجود ہے۔ اس سے آپ کے مزاج، آپ کی طبیعت وفطرت کی وہ خصوصیت کھل کر سامنے آجاتی ہے جس کی بہ دولت تحریکِ اسلامی کی

تاریخ میں آپ کو ایک بلند و ممتاز مقام حاصل ہوا۔

دعوتِ اسلام کی سرگرم کارکن

اُس دور کی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آپؓ اپنے قبیلہ بنی لُوی میں سب سے پہلے ایمان لائیں، پھر آپؓ کی کوششوں سے آپؓ کے میکے اور سسرال کے دوسرے افراد بھی اس دولتِ بے بہا سے بہرہ ور ہوئے، ان میں سے بعض کے نام تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں: (۱) حضرت عبد اللہ بن سہیل بن عمرو (آپ کے دیور کے بیٹے) (۲) حاطب بن عمرو (آپؓ کے دیور) (۳) سلیط بن عمرو (آپ کے دیور) (۴) فاطمہ بنتِ علقمہ (آپ کی دیورانی، سلیط کی بیوی) (۵) مالک بن زمعہ (آپ کے بھائی) (۶) سکران بن عمرو (آپ کے شوہر) (۷) ابو ہریرہ بن ابی رُہم (حضور ﷺ کی پھوپھی برہ کے بیٹے)۔

تحریکِ اسلامی میں آپ کی شمولیت کی اہمیت

خدا کے آخری رسول کی دعوت کے دور میں اللہ کے پیغامِ حق و صداقت کو اپنے سینے سے لگانے والے افراد کے حالات کا بہ غور جائزہ لینے کے بعد یہ بات کوئی راز نہیں رکھتی کہ ان میں اکثریت ایسے نوجوانوں کی تھی جن کی عمریں ۱۲/ سے ۲۵/ سال تک تھیں۔ نوعمر جوانوں کا ایک نئی انقلابی تحریک کے ساتھ والہانہ اور پُرعزم رشتہ قائم کرنا ایک فطری امر تھا؛ کیوں کہ یہی وہ عمر ہے جب حوصلے بلند اور ہمتیں جوان ہوتی ہیں، اس دور میں جذبات گرم اور متحرک ہوتے ہیں اور کچھ کر گذرنے اور قدیم نظام کو اکھاڑ پھینکنے کا ولولہ انگڑائیاں لیتا ہے، اس لیے حضور ﷺ کی عہد ساز تحریک کے ساتھ نوجوانوں کی وابستگی کوئی تعجب خیز بات نہ تھی؛ لیکن مخالفین نے اسی بات کو حق کے خلاف حربے

کے طور پر استعمال کیا اور اپنے مخالفانہ پروپیگنڈے میں اس دلیل سے جان پیدا کرنے کی کوشش کی کہ: اگر محمد کے پیغام میں کوئی معقولیت ہوتی تو معاشرے کے دانشور، سنجیدہ اور سر برآوردہ افراد جو پختہ عمر کے لوگ ہیں ضرور اس طرف متوجہ ہوتے اور اس حقانیت کی تصدیق کرتے۔

لیکن حضرت سودہؓ (جن کی عمر اس وقت ۴۰/ سال سے زیادہ تھی) جیسی متین، بردبار اور بیدار مغز شخصیات کی طرف سے اس دعوتِ حق کی قبولیت نے ان کے زہریلے پروپیگنڈے کے غبار کی ہوا نکال کر رکھ دی، اور وہ لوگ جو کسی مشن اور کسی تحریک کی اہمیت اور موزونیت کا اندازہ صرف اس سے وابستہ شخصیات کی ذہنی، معاشرتی اور اخلاقی حیثیت سے لگانے کے عادی ہوتے ہیں، ان کے لیے اس کے متعلق سوچنے اور غور وفکر کرنے کی راہیں کھل گئیں؛ کیوں کہ ایسے وقت میں اسلام قبول کرنا شوریدہ سر دریا کی لہروں میں تختہ بند ہوکر الٹی سمت تیرنے کے مترادف تھا، اور بھاری چٹان اٹھا کر ڈھلوان پر چڑھنے جیسا جاں گسل تھا؛ مگر یہ حضرت سودہؓ ہی کا قلب وجگر تھا کہ ایسے نازک وقت میں انہوں نے نہ صرف آوازۂ حق پر لبیک کہا؛ بلکہ ان کی دعوت وفہمائش سے خاندان کے بیشتر افراد سعادت اندوزِ اسلام ہوئے۔

پہلی شادی

سیدہ موصوفہ حضور ﷺ کے مبارک عقدِ نکاح میں آنے سے قبل بیوہ تھیں۔ پہلی شادی آپ ہی کے خاندان کے حضرت سکران بن عمروؓ سے ہوئی تھی جو رشتے میں بقولِ بعض: حضرت سودہؓ کے والدِ محترم کے چچا زاد بھائی تھے اور مؤرخین میں سے کئی ایک حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ سکران خود سودہ کے ابنِ عم تھے۔ ان سے ایک صاحبزادے عبد الرحمٰن پیدا ہوئے، نیک ہاتھوں سے پرورش پائی، اسلام قبول کیا، صالحانہ زندگی

گذاری اور بالآخر عہدِ فاروقی میں ''جنگِ جلولاء'' میں شرکت کرکے جامِ شہادت نوش کیا اور﴿أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين﴾ کے سچے مصداق بنے۔

ہجرتِ حبشہ

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں فرزندانِ توحید کی جماعت گنتی کے چند افراد پر مشتمل تھی، جو مشرکینِ مکّہ کے ہولناک مظالم اور ان کے جور و جفا کا شکار بنی ہوئی تھی، مگر نشۂ توحید ان کی ستم رانیوں سے اترنے اور مضمحل ہونے کے بجائے تیز سے تیز تر ہوتا جارہا تھا، دعوتِ حق کی صدا پر لبیک کہنے والے عزم واستقلال اور جذبۂ ایثار و وفاداری سے سرشار تمام مظالم کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کررہے تھے؛ لیکن ظلم وستم جب انتہا کو پہنچ گیا اور متاعِ ایمان کی حفاظت میں دشواری نظر آنے لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ملکِ حبشہ ہجرت کرجانے کی اجازت مرحمت فرمائی، تاکہ وہ سکون واطمینان کے ساتھ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوسکیں۔ ہجرتِ حبشہ کی اجازت مل جانے کے بعد پہلی مرتبہ کل گیارہ مردوں اور پانچ عورتوں پر مشتمل توحید کے متوالوں کا ایک مختصر سا قافلہ نہایت رازداری کے ساتھ روانہ ہوا، حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر اس قافلہ میں شریک نہیں تھے؛ بلکہ ابھی مکۂ مکرمہ ہی میں مقیم تھے؛ مگر مکّہ والوں کا ظلم وستم سیلاب کی رَو کی طرح تیز سے تیز تر ہوتا جارہا تھا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے دوسری مرتبہ سرفروشانِ اسلام کا ایک بڑا قافلہ حبشہ کے لیے عازمِ سفر ہوا، جس میں تقریباً ۸۶ ؍مرد اور ۱۷؍عورتیں شامل تھیں، سعادت مندانِ اسلام کے اِس مقدس قافلہ میں حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر سکران بہ نفسِ نفیس شریک تھے۔ جس طرح سیدہ سودہؓ اپنے قبیلے میں اسلام کی تبلیغ وتعلیم کے ذریعہ اس کے کچھ افراد کو اپنا ہم نوا اور اپنا ہم

مسلک بنانے میں کامیاب ہوئی تھیں اسی طرح اس تحریکِ ہجرت میں قبیلے کے سر برآوردہ لوگوں کی سخت مزاحمت اور رکاوٹ کے باوجود انہیں اپنا ہم سفر بنانے میں بھی کامیاب ہوئیں۔ حبشہ میں ایک عرصے تک غریب الوطنی کی زندگی بسر کرنے کے بعد یہ دونوں مکّہ واپس آئے۔ ایک قول کے مطابق واپسی کے دوران راستہ ہی میں حضرت سُکرانؓ کا انتقال ہوا؛ مگر راجح قول یہ ہے کہ مکۂ مکرمہ پہنچ جانے کے چند دن بعد ان کا انتقال ہوا اور یوں حضرت سودہؓ شوہرِ نامدار کے سایۂ محبت سے محروم ہوگئیں۔

دو خواب

''طبقات'' میں حضرت ابنِ عباسؓ کے حوالے سے مذکور ہے کہ: سیدہ سودہؓ نے اپنے شوہر کے انتقال سے قبل خواب دیکھا تھا کہ حضور ﷺ تشریف لائے اور اپنا پائے مبارک ان کی گردن پر رکھا۔ انہوں نے اپنا یہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا، تو انہوں نے اس کی تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا: اگر واقعتاً تم نے یہ خواب دیکھا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری زندگی کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، میں بہت جلد اس دنیا سے کوچ کر جاؤں گا، اور تم سرورِ کونین ﷺ کی زوجیت میں داخل ہو جاؤ گی۔ سیدہ سودہؓ کو اس پر یقین نہ آیا۔

پہلے خواب کو ابھی چند دن گذرے تھے کہ حضرت سودہؓ نے دوسرا خواب دیکھا کہ وہ پہلو کے بل لیٹی ہوئی ہیں اور چاند ٹوٹ کر ان کی آغوش میں آ گرا۔ یہ خواب بھی انہوں نے اپنے شوہر سے بیان کیا، تو اس کی تعبیر بھی یہی بتائی کہ میں اس عالمِ فانی سے بہت جلد عالمِ جاودانی کے سفر پر روانہ ہو جاؤں گا، اور تم سے آقائے دو جہاں ﷺ نکاح کریں گے۔

شوہرِ نامدار کی وفات

چناں چہ اس خواب کی تعبیر بتانے کے دوسرے ہی دن وہ بیمار ہوگئے، اور چند

دنوں علیل رہ کر عالمِ فانی سے عالمِ بقا کی طرف چل دیے۔ عدت گذر جانے کے بعد سچ مچ آپ ﷺ نے پیغامِ نکاح دیا، اور حضرت سودہؓ آپ کی زوجیت میں داخل ہوکر ''ام المؤمنین'' کے شرف سے سرفراز ہوئیں۔ اس طرح حضرت سُکرانؓ کی بتائی ہوئی تعبیر حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

عقدِ نکاح کا مختصر پس منظر

اس عقدِ نکاح کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ: حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نہایت غمگین ومحزون رہنے لگے۔ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ کی زوجہ حضرت خولہ بنتِ حکیمؓ انتہائی ذہین وفطین خاتون تھیں، انہوں نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر رنج وملال اور غم وحزن کے آثار دیکھے، تو عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ بہت زیادہ غمگین رہنے لگے ہیں، آپ کو ایک مونس وغم خوار رفیقۂ حیات کی ضرورت ہے، جو آپ کے غم وحزن کا ازالہ کر کے اس گھر کو سکون واطمینان کا گہوارہ بنا سکے۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: تم نے بالکل سچ اور درست بات کہی، گھر بار اور بچوں کی دیکھ ریکھ کی پوری ذمہ داری خدیجہ نے اپنے سر لے رکھی تھی، اب ان کے نہ رہنے سے پورا شیرازۂ حیات منتشر ہوگیا ہے، جس کی بنا پر سخت تشویش اور بے اطمینانی رہتی ہے۔ حضرت خولہؓ نے عرض کیا: کیا میں کسی جگہ آپ کے لیے پیغامِ نکاح دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مناسب ہے، اور یہ کام تو عورتیں ہی صحیح طریقہ سے کرسکتی ہیں۔ اس کے بعد آپ نے پوچھا: کہاں پیغام دینے کا ارادہ ہے؟ حضرت خولہؓ نے جواب دیا: ایک: کنواری کے یہاں جو لوگوں میں آپ کے سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ حضرت ابوبکر کی بیٹی عائشہ ہے اور دوسرا: بیوہ یعنی سودہ بنتِ زمعہ کے یہاں پیغام دینے کا ارادہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: دونوں جگہ پیغام دے دو۔

اجازت مل جانے کے بعد حضرت خولہؓ پہلے حضرت سودہؓ کے یہاں گئیں اور کہنے لگیں: اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھر میں خیر و برکت داخل کردی ہے، تم خوش نصیب ہو، تمہارے تو بھاگ جاگ اٹھے ہیں، تمہارے آنگن میں تو بہاریں پھول برسانے والی ہیں، پوچھا: کیا ہوا؟ تو حضرت خولہؓ نے عرض کیا: مجھے آقائے نامدار ﷺ نے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ اُس وقت حضرت سودہؓ اگر چہ بیوہ تھیں، مگر اس بیوگی کے باوجود میکے اور سسرال کے خاندانوں کی حفاظت وحمایت حاصل تھی، خدا نے سکران کے صلب سے بیٹا عطا کیا تھا، جو اَب شباب کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا، پیغامِ نکاح پر انہیں غور وخوض کی مکمل آزادی حاصل تھی، پیغام دینے والے کے معاشی، سماجی اور معاشرتی حالات سے بہ خوبی واقف تھیں۔ بہ ظاہر اس پیغام میں ان کے لیے مادّی شان وشوکت اور دنیوی عیش وراحت کی کوئی نوید نہ تھی، اس پیغام کے قبول کرنے کا مطلب اپنے آپ کو آلام ومصائب اور مظالم وشدائد کے طوفانی تھپیڑوں کے حوالے کردینا تھا؛ لیکن سیدہ موصوفہ اُس وقت روحانی بالیدگی ولطافت اور اخلاقی عظمت وجلالت کے اُس بلند مقام پر فائز تھیں، جہاں سے دنیا کی تمام رنگینیاں اور اس کی جملہ دل فریبیاں بے وقعت نظر آتی ہیں، انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اپنی فدائیت اور دینِ حق کی سربلندی کے بلندوارفع مشن کے ساتھ اپنی والہانہ فنائیت کا ثبوت دیتے ہوئے کہا: میں ان پر ایمان لائی ہوں، وہ میرے ہادی اور میرے رہنما ہیں، میری ذات کے متعلق انہیں کلّی اختیار ہے وہ جو چاہیں فیصلہ کریں۔ سیدہ موصوفہ کا اللہ کے رسول کی رفاقت وخدمت کے لیے یہ بے لوث اور مخلصانہ سپردگی نتیجہ تھا ان کے ایمان باللہ اور جذبۂ حبِّ رسول اور راہِ حق میں پرعزم استقامت کا۔ ان اسباب کے علاوہ خاوند کی حیات میں دیکھے ہوئے خواب کی یاد بھی ان کے دل ودماغ پر چھائی ہوئی تھی، ان کو پہلے ہی اس بات کا یقین تھا کہ آپ کی طرف سے ضرور پیغام آئے گا، اس لیے فوراً اپنی رضامندی ظاہر کردی۔

پھر حضرت خولہ سے کہا: میرے والد سے بھی اس کا تذکرہ کردو۔ چناں چہ حضرت خولہؓ پدرِ بزرگوار زمعہ کے پاس گئیں اور جاہلی رسم ورواج کے مطابق ”أنعم صباحا“ کے جملہ سے سلام کیا، یہ جملہ سن کران کے والد نے پوچھا: کون؟ جواب دیا: خولہ بنتِ حکیم ہوں، حضرت سودہؓ کے والد نے ”مرحبا“ کہا اور پوچھا: کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا: آپ کی بیٹی سودہ کے لیے محمد بن عبداللہ (حضرت سودہؓ کے والد زمعہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس لیے حضرت خولہؓ نے ”محمد رسول اللہ“ کہنے کے بجائے ”محمد بن عبداللہ“ کہا) کی طرف سے پیغامِ نکاح لے کر آئی ہوں۔ یہ سن کر زمعہ کہنے لگے: بلاشبہ وہ لائقِ اعتنا کفو (ہمسر) ہیں، اور خاندانی لحاظ سے بھی نجیب وشریف ہیں؛ لیکن آپ کی سہیلی کی رائے بھی معلوم کرلینا، حضرت خولہؓ نے کہا: میں سودہ سے ان کی رائے معلوم کرچکی ہوں، وہ بہ خوشی راضی ہیں، زمعہ نے کہا: پھر دیر کس بات کی، انہیں جا کر کہہ دیں جب چاہیں تشریف لائیں، ہم چشم بہ راہ ہوں گے۔

حضرت سودہؓ حرمِ نبوت میں

چناں چہ نکاح کے ابتدائی مراحل کی تکمیل کے بعد شہنشاہِ کونین، امام الانبیاء، رحمتِ دو عالم ﷺ بہ نفسِ نفیس حضرت سودہؓ کے گھر تشریف لے گئے، خود سیدہ سودہؓ کے والد زمعہ نے نکاح پڑھایا، خطبۂ نکاح کے بعد ایجاب وقبول کی رسم ادا ہوئی، چارسو درہم مہر مقرر ہوا، اور زمعہ نے نکاح کے بعد اپنی بیٹی کو آپ ﷺ کے ہمراہ کردیا۔ اس تقریبِ سعید میں سیدہ سودہؓ کے سابق شوہر سُکران کے دو بھائی سلیط بن عمرو اور حاطب بن عمرو بھی شریک تھے۔ اس طرح سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ”ام المؤمنین“ بن کر آپ ﷺ کے مکان پر رونق افروز ہوئیں۔ اُس وقت آقائے دوجہاں سرورِ کائنات ﷺ کی عمر مبارک پچاس سال تھی اور اُمّ المؤمنین حضرت سودہؓ کی عمر بھی پچاس سال تھی۔

حضرت سودہؓ نے اس نکاح کے بعد خاندانِ نبوت کی دیکھ ریکھ کی پوری ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے لی، اور گلشنِ طاہرہ کی دونو خیز کلیوں کی پرورش ونگہداشت اورحفاظت میں لگ گئیں، آپ ﷺ کے گھر میں رونق آ گئی، امِ کلثوم اور فاطمہ کو ماں کا پیار میسر آ گیا۔

چوں کہ حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کے عقدِ نکاح میں یکے بعد دیگرے تھوڑے ہی وقفے سے آئیں، اس لیے اصحابِ تاریخ وسیر کی آرا ان دونوں کے تقدّم وتأخّر کے بارے میں مختلف ہیں؛ مگر راجح قول یہ ہے کہ حضرت سودہؓ سے نبوت کے دسویں سال رمضان میں نکاح ہوا، اوراسی وقت وہ آپ کے گھر میں آ گئیں اورحضرت عائشہؓ سے اسی سال شوال میں نکاح ہوا جب ان کی عمر چھ سال تھی اور تین سال کے بعد شوال ۱ھ یا ۲ھ میں ان کی رخصتی ہوئی، اس وقت ان کی عمر نو برس تھی۔ ابنِ سعد کا بیان بھی یہی ہے کہ حضرت سودہؓ کا نکاح حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اور حضرت عائشہؓ کے نکاح سے پہلے ہوا تھا۔ (طبقات:۸/۳۶)

کبیر السن ہونے کے باوجود حضرت سودہؓ سے نکاح کی وجہ

کبیر السن اور عمر دراز ہونے کے باوجود حضور انور ﷺ کا حضرت سودہؓ کو اپنی زوجیت میں لینا اپنے تئیں متعدد وجوہات رکھتا تھا جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) حضرت سودہؓ ’’سابقین اولین‘‘ میں سے تھیں، اوراسلام کے لیےانہوں نے بڑی مشقت برداشت کی تھیں، چناں چہ حفاظتِ اسلام ہی کی خاطر ملکِ حبشہ کی انتہائی پُر مشقت وادی کو طے کیا تھا۔

(۲) حبشہ سے مکۂ مکرمہ واپس ہونے کے بعدان کے شوہر کا انتقال ہوگیا اوروہ بے یار ومددگار ہوگئیں، گھر والے چوں کہ اسلام سے بیگانہ تھے؛ اس لیے اندیشہ تھا کہ ان کی ایذاؤں کی شکار نہ ہوجائیں، اوران کے جبرواکراہ کی بنا پر اسلام کی متاعِ

عزیز خطرے میں نہ پڑ جائے۔

(۳) خود سیدہ سودہؓ کی کفالت بھی مقصود تھی؛ تاکہ وہ اپنے گھر والوں پر بوجھ نہ بنیں، اور ذلت ورسوائی کی زندگی گزارنے سے محفوظ رہے۔

(۴) یہ قبیلۂ بنی عبدِشمس سے تھیں جو قبیلۂ بنی ہاشم کا مدِّ مقابل تھا، ان کو اپنی زوجیت میں لینے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ بنی عبدِشمس کی تالیف ہوگئی، اوران کی مخالفت میں جو شدت تھی اس کی لَو مدھم پڑ گئی۔

(۵) اس کے ساتھ اپنے ماموؤں: بنی نجار اور انصارِ مدینہ کا اکرام بھی مقصود تھا۔

(۶) نیز حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی جہاں دیدہ وتجربہ کار خاتون کی جگہ اگر کسی نوعمر کنواری لڑکی کے ساتھ نکاح ہوتا تو اس کے لیے امورِ خانہ داری، بچیوں کی پرورش ونگہداشت اور مکّہ کے عہدِ ستم میں چاروں طرف کی دشمنی سہتے ہوئے گھر سنبھالنا اتنا آسان نہ ہوتا۔ اس کام کے لیے سِن رسیدہ اور گرم ونرم چشیدہ عورت ہی کی ضرورت تھی اور یہ خوبیاں حضرت سودہؓ میں بہ درجۂ اتم موجود تھیں۔

حضرت سودہؓ کے بھائی حضرت عبداللہؓ کا ردِ عمل

۱۰ نبوی تک تقریباً مکۂ مکرمہ کے اکثر گھروں میں انفرادی طور پر اسلام داخل ہو چکا تھا، اور ہر زبان پر اسلام اور بانئ اسلام کا ذکرِ خیر ہونے لگا تھا، مگر ابھی اکثریت اور بالخصوص رؤسا اور قوم کے سربرآوردہ کفر وشرک کی تاریکیوں میں غرق تھے، ان ہی میں سے حضرت سودہؓ کے بھائی عبداللہ بھی تھے۔ جب حضرت سودہؓ کا نکاح ہوا اس وقت وہ گھر پر نہیں تھے، جب پتہ چلا کہ ان کی بہن رسالت مآب ﷺ کے حبالۂ عقد میں آچکی ہے تو وہ نہایت برافروختہ ہوئے اور اس قدر رنجیدہ خاطر ہوئے کہ سر پر مٹی ڈالتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے: ہائے افسوس! یہ کیا غضب ہوگیا۔ مگر بہن کی طرح وہ بھی ازل سے جو سرمایۂ سعادت مندی ساتھ لے کر آئے تھے اب اس کے ظہور کا وقت

آ چکا تھا، چناں چہ واقعۂ نکاح کے کچھ عرصے بعد اسلام کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ اکثر اپنی سابقہ نادانی پر کفِ افسوس ملتے تھے، اور یہ کہا کرتے تھے: میں نے کس قدر بے عقلی کا ثبوت دیا کہ بہن کو تو عظمت و شرافت کے تاجِ زرّیں سے نوازا گیا اور میں نے اظہارِ غم کرتے ہوئے اپنے سر پر خاک ڈالی۔

ذکرِ حبشہ

حضرت سودہؓ نے اپنے پہلے خاوند حضرت سکرانؓ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، وہاں کی یادیں ان کے دل و دماغ میں رچی بسی تھیں۔ جب نبی کریم ﷺ ان کے ساتھ بیٹھتے تو گاہے گاہے حبشہ میں بیتے ہوئے لمحات کی روئیداد سناتیں، آپ ﷺ بڑی دل چسپی سے سنتے، بالخصوص حضرت رقیہؓ اور حضرت عثمانؓ کے ذکر میں بڑی دلچسپی لیتے جو اُن دنوں حبشہ میں غریب الوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا استقبال

ایک روز حضرت رقیہ بنتِ رسول اللہ ﷺ اپنے خاوندِ محترم حضرت عثمانؓ کے ہمراہ حبشہ سے مکّہ واپس تشریف لائیں، گھر میں قدم رکھا تو بہنوں نے خوشی اور غمی کے ملے جلے جذبات سے استقبال کیا، غمی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے وفات پانے کی تھی اور خوشی عرصۂ دراز کے بعد اپنی بہن رقیہ کے دیکھنے کی تھی۔ جب والدۂ محترمہ حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا تو حضرت رقیہؓ حبشہ میں تھیں، تینوں بہنوں نے اپنی والدہ کو یاد کر کے آنسو بہائے اور اپنا غم ہلکا کیا۔ حضرت سودہؓ نے بھی آگے بڑھ کر حضرت رقیہؓ کو پیار سے گلے لگایا۔ حبشہ کے قیام کے دوران ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مستقبل میں اس نوع کی رشتہ داری قائم ہوگی۔ اب حضرت سودہؓ ان کی سوتیلی والدہ کے روپ میں ان کے سامنے تھیں، حضرت رقیہؓ کو آرام کرنے کے لیے کہا؛ تاکہ سفر کی تھکان ختم ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی لختِ جگر حضرت رقیہؓ اور عزیز داماد حضرتِ عثمانؓ کو دیکھ کر انتہائی مسرّت کا اظہار کیا۔

ہجرتِ مدینہ

حضرت سودہؓ سے نکاح کے بعد تقریباً تین سال آپ ﷺ مکۂ مکرمہ میں رہے، یہاں تک کہ جب بہ حکمِ خداوندی ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لے گئے تو اہل وعیال کو وہیں چھوڑ گئے، جب مدینہ پہنچ کر مکمل اطمینان ہوگیا تو آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو مکۂ مکرمہ بھیجا اور ان کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ ساتھ دیے؛ تاکہ وہ اہل وعیال کو مدینہ لے آئیں۔ چناں چہ حضرت زیدؓ، آپ ﷺ کی دو صاحبزادیوں امِّ کلثوم وفاطمہ، اسامہ وامِّ ایمن اور حضرت سودہؓ کو لے کر مدینۂ منورہ روانہ ہوگئے اور ساتھ میں حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ، اپنی والدہ اور بہن عائشہؓ کو اپنی معیت میں لے کر روانہ ہوئے۔ جس وقت یہ قافلہ مدینہ پہنچا تو محسنِ انسانیت ﷺ مسجدِ نبوی کے قریب رہائشی حجرے بنوا رہے تھے، چناں چہ تکمیل کے بعد اسی حجرے میں دونوں صاحبزادیاں اور حضرت سودہؓ فروکش ہوئیں، چوں کہ اس وقت تک حضرت عائشہؓ کی رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی، اس لیے وہ اپنے والدین کے ساتھ قیام پذیر ہوئیں۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ سفرِ ہجرت میں آں حضرت ﷺ کے ہم سفر تھے، اسی طرح آں حضرت ﷺ کے اہل وعیال کے ساتھ سفرِ ہجرت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اہل وعیال بھی شریک رہے، یہ چیز دونوں خاندانوں کے مابین تعلقات کی یگانگت کو ظاہر کرتی ہے اور خوشی اور غمی کے معاملات میں کامل اتحاد واتفاق کا پتہ دیتی ہے۔

حضرت سودہؓ کا حجرۂ مبارکہ

مدینۂ منورہ میں رہائش کے لیے حضرت سودہؓ کو جو مکان ملا وہ صرف ان کا مسکن نہ

تھا بلکہ وہ کاشانۂ نبوت بھی تھا، اس کی شان ہی نرالی تھی۔ علامہ سعد کی مہیا کردہ تفصیل کے مطابق یہ ایک حجرہ تھا جس کی دیواریں کچی اور چھت کھجور کی شاخوں کی تھی، اس کی لمبائی پندرہ فٹ، چوڑائی دس فٹ اور اونچائی اتنی تھی کہ کھڑا آدمی اپنے ہاتھ سے چھت کو چھوسکتا تھا، اس کے دروازہ پر کواڑ کے بجائے کالے بالوں والے کپڑے کا پردہ تھا۔

کیا خوب کہا ہے جناب حافظ افروغ حسن صاحب نے کہ: یہ مختصر سا کچا حجرہ موجودہ دور کی اصطلاح میں ''ایوانِ صدر'' بھی تھا کہ بندگانِ خدا کی تعلیم وتربیت، ان کے نفوس کے تزکیے، ان کے اخلاق وکردار کی تعمیر اور انسانی معاشرے کی صلاح وفلاح کی خدمت کا عظیم کام؛ دنیوی ساز وسامان کی فراوانی، عالی شان عمارتوں اور آنکھوں کو خیرہ دینے والے فرنیچر کے بل بوتے پر نہیں؛ بلکہ سادگی وپاکیزگی، صبر وقناعت، تحمّل وبےلوثی وبےنفسی، تعلق باللہ اور ابنائے جنس کی ہمدردی ودل سوزی جیسے اعلیٰ روحانی واخلاقی اوصاف کے بل بوتے پر ہی انجام دیا جاسکتا ہے، یہ تھا سیدہ موصوفہ کا حجرہ اور مسکن۔ مکّہ میں اگرچہ ہادئ برحق سید الکونین ﷺ اور حضرت سودہؓ کا گھر شہر والوں کے غیض وغضب اور نفرت وحقارت کا محور تھا؛ لیکن اب مدینہ میں ان کا یہ گھر بستی والوں کی عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز تھا، ان کی نگاہیں اس طرف اس انداز میں اُٹھتی تھیں گویا وہ یہاں سے فیض اور اس نورِ ہدایت کے طلب گار ہیں جس سے ان کی دنیا بھی سنور سکتی ہے اور عقبیٰ بھی۔

حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ کے تعلقات

حضور ﷺ کی دونوں ازواجِ مطہرات یعنی سیدہ سودہؓ اور سیدہ عائشہؓ کے درمیان نہ کسی قسم کے اختلاف تھے اور نہ ہی کسی قسم کی کشیدگی تھی، ان کے باہمی تعلّقات نہایت ہی عمدہ اور خوشگوار تھے، واقعات بتاتے ہیں کہ: آپس میں رشتۂ محبت ومودّت قائم تھا، دونوں ایک دوسرے کا لحاظ رکھتی تھیں، کبھی بھی دونوں کو ایک دوسرے سے شکایت نہیں ہوئی، حضرت عائشہؓ چوں کہ کم سن تھیں اس لیے سیدہ سودہؓ ان کو گھریلو معاملات میں

مشورے دیا کرتی تھیں اور معاونت بھی کیا کرتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ کا نکاح آپ ﷺ سے مکۂ مکرمہ میں ہو چکا تھا، جب ہجرتِ مدینہ کے بعد رخصتی ہوئی تو حضرت عائشہؓ بھی ان کے ساتھ اسی گھر میں تشریف فرما ہوئیں، سیدہ سودہؓ سن رسیدہ تھیں اور حضرت عائشہؓ نوجوان، دونوں کے درمیان بعض اوقات رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں مزاح بھی ہوتا اور چھیڑ خانی بھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ایک روز میں، سودہ اور حضور ﷺ ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ ہمارے درمیان اس طرح جلوہ آرا تھے کہ ایک پاؤں ان کی گود میں اور ایک پاؤں میری گود میں تھا، میں نے کھانے کے واسطے حریرہ (حلوہ نما) تیار کیا ہوا تھا، سودہؓ سے کہا: تم بھی کھاؤ، تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا، خاموش بیٹھی رہیں اور کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا، میں نے از راہِ مذاق کہا: کھاؤ گی یا میں تمہارے منہ پر لیپ دوں؟ حضور ﷺ یہ منظر دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے، میں نے پیالے سے تھوڑا سا حریرہ لیا اور ان کے منہ پر مَل دیا، حضور ﷺ یہ دیکھ کر مسکرائے اور حضرت سودہؓ سے کہا: تم بھی عائشہ کے چہرہ پر حریرہ مَل کر اپنا بدلہ لے لو، انہوں نے سرتاج کا حکم مان کر میرے منہ پر مَل دیا، حضور ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا: یہ ہوا نہ بدلہ! آپس میں اس قسم کا ہلکا پھلکا مذاق خوشگوار گھریلو ماحول کی علامت ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس قسم کے مزاح سے ماحول میں چاشنی پیدا ہوتی ہے۔

ازواجِ مطہراتؓ میں حشر کی تمنّا

ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بعد سیدہ سودہؓ ہی وہ واحد خوش قسمت خاتون ہیں جنہیں پورے چار سال تک بلاشرکتِ غیرے کاشانۂ نبوت کو اپنی مہر ووفا اور اپنی والہانہ خدمت گزاری اور غم گساری کی منوّر شمع سے روشن رکھنے کا شرف حاصل ہوا، اور اپنے محبوب ومطلوب کی خصوصی توجہات اور محبت آمیز عنایات کا مہبط ومحور رہنے کا اعزاز نصیب ہوا، اس مخلصانہ تعاون اور پُر بہار رفاقت نے سیدہ موصوفہ کی سیرت وکردار کو

اعلیٰ وارفع اخلاقی وروحانی اقدار کا ایک دلکش نمونہ بنا دیا، یہی وجہ ہے کہ جب ۲ھ کے بعد حرمِ نبوی میں دوسری عالی مرتبت خواتین داخل ہوئیں تو انہوں نے قابلِ قدر عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا مظاہرہ کیا۔

اسی عالی حوصلگی اور ایثار وقربانی کا یہ نتیجہ تھا کہ جب وہ سن رسیدہ ہوگئیں اور ان کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ ﷺ انہیں طلاق نہ دے دیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے طلاق دینے کا ارادہ بھی فرما لیا تھا؛ تو انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے شوہر کی حاجت نہیں، آپ مجھے اپنے نکاح میں برقرار رکھیے؛ تاکہ میں کل قیامت کے روز ازواجِ مطہرات کے زمرہ میں شامل کر کے اٹھائی جاؤں، اور جو ثواب ان کو ملے وہ مجھے بھی ملے۔ نیز محبوب ومطلوب آقا کی دل جوئی اور خوشنودی کے لیے محبوبۂ محبوب یعنی عائشہ پر اپنی باری نچھاور کردی۔ چناں چہ آپ نے ان کی فرمائش قبول فرمالی اور طلاق کے ارادے سے رجوع فرمالیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے یہاں دوراتیں گذارنے لگے۔

”عن ابن عباسؓ قال: خشيت سودة أن يطلقها النبي ﷺ فقالت: لاتطلقني وامسكني، واجعل يومي لعائشة ففعل، فنزلت: فلاجناح عليهما أن يصلحا بينهما صلحا والصلح خير“. (ترمذی)

بخاری شریف میں صرف یہ مذکور ہے کہ حضرت سودہؓ بنتِ زمعہ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو ہبہ کردیا تھا جس کی بنا پر آپ ﷺ ان کے یہاں دوراتیں گذارتے تھے۔

”عن عائشةؓ أن سودة بنت زمعة وهبت يومها لعائشة بيومها ويوم سودة“. (بخاری)

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ درازئ عمر کی وجہ سے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا۔

”فلما كبرت جعلت يومها من رسول الله ﷺ لعائشة قالت: يا رسول الله! قد جعلت يومي منك لعائشة“. (مسلم)

اسی واقعہ سے فقہا نے یہ مسئلہ نکالا کہ اگر کسی کی زوجیت میں ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ایک سوکن اپنی باری دوسری کو ہبہ کر سکتی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ نے طلاق دے دی تھی، چوں کہ آپ ﷺ حکیم و دانا اور مربی تھے، اس لیے آپ ﷺ نے زیرِ تربیت ازواجِ مطہرات کی تنبیہ کے لیے ایسا قدم اٹھایا؛ تاکہ وہ اپنی غلطیوں سے رجوع کریں، اس لیے کہ وہ ساری خواتینِ امت کے لیے نمونہ ہیں۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وإن امرأة خافت من بعلها نشوزا أو إعراضا فلا جناح عليهما أن يصلحا بينهما صلحا والصلح خير﴾ (النساء: ۱۲۸)

ترجمہ: اور اگر کوئی ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سے تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر کہ کرلیں آپس میں کسی طرح صلح اور صلح بہتر چیز ہے۔

صاحبزادیوں سے شفقت آمیز و محبت سے لبریز سلوک

ایک خاتون کے لیے عام طور پر اپنی سوتیلی اولاد سے رحمت و شفقت کا سلوک کرنا سخت مشکل ہوتا ہے، اس رشتہ کی خاصیت ہی کچھ ایسی ہوتی ہے کہ دونوں طرف دلوں کی گہرائیوں سے نفرت و حقارت اور شکوک و شبہات کے سوتے پھوٹتے رہتے ہیں؛ لیکن اُمّ المؤمنین حضرت سودہؓ کی سیرت کا یہ نہایت ہی روشن اور تابناک پہلو ہے کہ انہوں نے اپنی عقیدتوں کی مرکزی شخصیت آں حضرت ﷺ کی بچیوں سے وہ قابلِ رشک مشفقانہ سلوک کیا جس نے عالمِ انسانیت میں ایک منارۂ نور کی حیثیت حاصل کرلی۔ آپؓ جب حرمِ نبوی میں داخل ہوئیں اُس وقت حضور ﷺ کی بچیاں حضرت امِ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ اپنی ماں کی شفقت و محبت سے محروم ہوچکی تھیں؛ لیکن سیدہ سودہؓ نے

پوری فراخ دلی سے انہیں حقیقی ماں کی طرح پیار بھی دیا اور شفقت بھی، اور ایک مشفق مربی کی حیثیت سے ان کی تربیت بھی کی اور دیکھ بھال بھی۔

حضرت فاطمہؓ کی ۲ھ میں حضرت علیؓ سے اور حضرت ام کلثومؓ کی ۳ھ میں حضرت عثمانؓ سے شادی ہوئی۔ اس طرح یہ صاحبزادیاں کم وبیش پانچ چھ سال کے طویل عرصہ تک حضرت سودہؓ کی زیرِ نگرانی رہیں؛ لیکن پورے ذخیرۂ روایات میں ایک بھی مستند روایت ایسی نہیں ملتی جو ان کی باہمی شکر رنجی اور باہمی تلخی کی ہلکی سے ہلکی چیز کی طرف بھی نشان دہی کرتی ہو۔ یہ حضور ﷺ کی ژرف نگاہی، سیدہ سودہؓ کے ضبطِ نفس کی مستقل صلاحیت اور صاحبزادیوں کی کامل سعادت مندی کا بیّن ثبوت ہے۔

حلیہ

حضرت سودہؓ قد وقامت کے لحاظ سے نہایت بلند وبالا اور فربہ اندام تھیں، چناں چہ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے مرقوم ہے کہ: وہ بڑے ڈیل ڈول والی تھیں، جو لوگ ان سے واقف تھے ان سے وہ پردے کے باوجود چھپ نہیں سکتی تھیں۔ "وکانت امرأة جسمة لاتخفیٰ علیٰ من یعرفها".

وظیفہ

عبدالرحمٰن اعرج اپنی مدینہ کی مجلس میں فرمایا کرتے تھے کہ: نبیٔ کریم ﷺ سالانہ نفقہ کے لیے حضرت سودہؓ کو خیبر کی آمدنی میں سے اسّی وسق کھجور اور بیس وسق جَو یا گندم عطا فرماتے تھے۔

عبادت واطاعت اور سفرِ حج

سیدہ موصوفہ بڑی عابدہ، زاہدہ، شب زندہ دار، نیک بخت اور پارسائے زمانہ تھیں، اکثر اوقات عبادتِ الٰہی میں مشغول رہنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

بندگی سے ہمیں مطلب ہے، ہم ثواب وعذاب کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے، عشق والے حساب کیا جانیں

گویا اس شعر کی سچی مصداق تھیں۔

حضرت سودہؓ ۱۰ھ میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے آپ ﷺ کے ساتھ شریک تھیں۔ مزدلفہ اور منی کا حکم یہ ہے کہ نویں ذی الحجہ کو غروبِ آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ آنا اور پھر طلوعِ آفتاب سے ذرا پہلے تک میدانِ مزدلفہ ہی میں رہنا حج کے واجبات میں سے ہے، اور اس کے بعد منی میں آنا ہے؛ البتہ معذورین کو یہ رخصت حاصل ہے کہ وہ رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ چلے جائیں۔ چوں کہ آپؓ کا قد وقامت نہایت طویل اور بلند وبالا تھا، اور آپ فربہ اندام تھیں، جس کی وجہ سے تیزی سے چلنا پھرنا ممکن نہ تھا؛ اس لیے آپ ﷺ نے مزدلفہ سے کوچ کرنے سے قبل ان کو منیٰ جانے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی، تاکہ لوگوں کے اژدحام کی وجہ سے تکلیف نہ پہنچے اور عافیت کے ساتھ مزدلفہ پہنچ جائیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت سودہؓ کو لوگوں کے مزدلفہ سے کوچ کرنے سے پہلے ہی منیٰ جانے کی اجازت مرحمت فرمائی، اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کاش! میں بھی سودہؓ کی طرح رات کو مزدلفہ سے روانہ ہونے کی اجازت طلب کرلیتی اور لوگوں کے آنے سے پہلے صبح کی نماز منیٰ میں پڑھ لیتی۔

اسی حج کے موقع سے آپ ﷺ نے ازواجِ مطہراتؓ سے فرمایا تھا کہ: اس حج کے بعد گھروں میں بیٹھی رہنا۔ سیدہ سودہؓ نے اس حکم کو گرہ سے باندھ لیا، چناں چہ حضرت سودہؓ اور حضرت زینب بنتِ جحشؓ نے آپ ﷺ کے حکم کی مکمل اطاعت کی اور اس پر اس شدّت کے ساتھ عمل کیا کہ کہیں جانا تو درکنار؛ تازندگی کبھی حج کے لیے بھی گھر سے باہر نہ نکلیں۔ سیدہ سودہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ: میں نے حج اور عمرہ کرلیا ہے، اب حکمِ خداوندی

اور حکمِ رسول کے مطابق تمام زندگی گھر میں بسر کروں گی۔ حکمِ خداوندی یہ ہے: ﴿وقرن فـي بيـوتـكـن﴾ (احزاب:۳۳) ترجمہ: اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں۔ اور حکمِ رسول یہ ہے: ”هٰـذه ثـم لـزوم الـحصر“، ترجمہ: یہ سفرِ حج ہے اس کے بعد اپنے گھروں میں رہنا۔ حالاں کہ ان دو کے علاوہ دوسری ازواجِ مطہرات عموماً حج کے لیے جاتی رہیں، اور بہ شمول خلفائے راشدین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی ان کے عملِ خیر پر نکیر نہیں فرمائی؛ بلکہ حضرت عمرؓ نے تو اپنے دورِ خلافت باسعادت میں باقاعدہ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی زیرِ نگرانی ازواجِ مطہراتؓ کو حج کے لیے بھیجا تھا، مگر انھوں نے شرکت نہیں کی تھی، گویا ان کو آپ ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری بھی علی وجہ الکمال حاصل تھی۔

سہیل بن عمرو پر تبصرہ

سہیل بن عمرو سیدہ سودہؓ کے خاوندِ اوّل سُکران کے بھائی تھے، انھوں نے شروع میں اسلام قبول نہیں کیا تھا، جنگِ بدر میں قریشِ مکّہ کی طرف داری میں حصہ لیا تھا اور گرفتار ہوئے تھے، چوں کہ اس معرکہ میں مجاہدین کے ہاتھوں قریش کے ۷۰/ افراد گرفتار ہوئے تھے جس میں بڑے بڑے نامور سردار بھی تھے اور حق پرستوں پر ظلم وستم ڈھانے والے سرکش ومغرور، خود پسند اور صاحبِ جاہ افراد بھی تھے۔ سہیل بن عمرو کو دیکھتے ہی اُمّ المؤمنین سیدہ سودہؓ کو دینِ اسلام اور داعیٔ اسلام ﷺ کے خلاف اس کی شعلہ بیانیاں اور اپنے ہی جگر گوشے پر حق قبول کرنے کی پاداش میں اس کی ظالمانہ اور بے رحمانہ چیرہ دستیاں تازہ ہوگئیں۔

خود حضرت سودہؓ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتی ہیں کہ: میں عوف بن عفراء اور معوّذ بن عفراء کے گھر تعزیت کے لیے گئی ہوئی تھی، جب بدر کے قیدیوں کو مدینۂ منورہ لایا گیا، لوگ انھیں دیکھنے کے لیے نکل پڑے، میں نے دیکھا کہ حجرے کے ایک گوشے

میں سہیل بن عمرو کھڑا ہے اور اس کے دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، میں نے یہ حالت دیکھی تو بے اختیار کہا: اے ابو زید! قیدی بننے کی ذلت پر عزّت کی موت مر کیوں نہیں گئے! اتنے میں حضور ﷺ کی آواز نے مجھے چونکا دیا جو فرما رہے تھے: اے سودہ! کیا تم اسے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف برانگیختہ کر رہی ہو؟ میں نے معذرت چاہتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دینِ حق دے کر بھیجا، میں سہیل کی یہ حالت دیکھ کر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی اور بے ساختہ میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے، میں معافی چاہتی ہوں۔ سہیل بن عمرو نے فتحِ مکّہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی اور پھر اسلام کے جملہ احکام پر صدقِ دل سے عمل پیرا ہوئے۔

آیتِ حجاب

اسلام میں پردہ کو نہایت بلند وارفع مقام حاصل ہے، اور چوں کہ اسلامی احکامات کا نزول بہ تدریج ہوا ہے، اس لیے آغازِ اسلام سے لے کر ۵ھ کے اوائل تک پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، آقائے مدنی ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جملہ اہم معاملات میں وحیٔ الٰہی کے منتظر رہتے تھے اور وحی کی ہدایت کے مطابق حکم فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کو چوں کہ نبوی صفات سے وافر حصہ ملا تھا؛ اس لیے ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ عورتوں کو پردہ کا حکم دے دیا جائے؛ خصوصاً ازواجِ مطہراتؓ کو۔ یہی وجہ تھی کہ ایک دن حضرت عمرؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ: اللہ کے رسول! آپ کے پاس نیک وبد ہر قسم کے لوگ آتے رہتے ہیں، تو کیا ہی بہتر ہوتا کہ آپ ازواجِ مطہراتؓ کو پردے کا حکم دیتے۔ ان کی اس درخواست کے چند دنوں کے بعد خداوندِ قدوس نے پردے کا حکم نازل فرمایا۔ (بخاری: ۲/۷۰۶، ۴۶۰۴)

اس حکم کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ اُس زمانے میں گھروں میں قضائے حاجت کے

لیے بیت الخلا کا نظم نہ تھا، جس کی وجہ سے عام عورتوں کی طرح ازواجِ مطہراتؓ بھی قضائے حاجت کے لیے جنگل جایا کرتی تھیں۔ چناں چہ ایک مرتبہ بہ وقتِ شب حضرت سودہؓ قضائے حاجت کے ارادے سے باہر نکلیں، وہ چادر میں اچھی طرح لپٹی ہوئی تھیں؛ لیکن قد وقامت اور جسامت کی وجہ سے نمایاں ہوجاتی تھیں، حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا تو پکار کر کہا: اے سودہ! ہم نے آپ کو پہچان لیا۔ حضرت عمرؓ کا مقصد صرف اتنا تھا کہ حکمِ حجاب نازل ہوجائے، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے پردہ کا حکم نازل فرمایا۔ (بخاری:۱/۲۶،۱۴۶)

بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں یہی واقعہ کچھ اس طرح مذکور ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: پردے کا حکم نازل ہوجانے کے بعد ایک مرتبہ حضرت سودہؓ قضائے حاجت کے ارادے سے باہر نکلی، قد وقامت اور ڈیل ڈول والی ہونے کی وجہ سے وہ پہچان لی جاتی تھی، حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھا اور پہچان لیا، چناں چہ آواز دے کر کہا: سودہ! بہ خدا! آپ ہم سے چھپ نہ سکیں؛ لہٰذا دیکھ لو آپ کس طرح باہر نکلتی ہو! یہ سن کر وہ ناراض واپس لوٹ آئی۔ اُس وقت حضور ﷺ میرے حجرے میں کھانا تناول فرمارہے تھے، اسی حالت میں حضرت سودہؓ حاضرِ خدمت ہوئی اور شکوہ کرتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں قضائے حاجت کے لیے باہر نکلی تھی، عمر نے دیکھ لیا اور ایسا ایسا کہا۔ اسی وقت حضور ﷺ پر وحی کے آثار نمودار ہوئے، سلسلۂ وحی ختم ہونے کے بعد پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: خداوندِ قدوس نے قضائے حاجت کے لیے تم کو باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔ (بخاری:۲/۷۰۷،۴۶)

دو حدیثوں میں تعارض اور اس کا حل

ان دونوں حدیثوں میں بہ ظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سودہؓ کا خروج حکمِ حجاب سے پہلے کا تھا اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمِ حجاب کے آجانے کے بعد حضرت سودہؓ باہر نکلی تھیں۔ اسی طرح بخاری شریف

کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آیاتِ حجاب کا نزول حضرت زینبؓ کے ولیمہ کے وقت ہوا تھا۔ آیتِ حجاب یہ ہے: ﴿یـٰأیها الـذین اٰمنوا لاتدخلوا بیوت النبي إلا أن یؤذن لـکـم إلـیٰ طـعـام غیـر نـاظرین إنٰه ولٰکن إذا دعیتم فادخلوا فإذا طعمتم فانتشروا ولا مستأنسین لحدیث﴾ (الاحزاب: ۵۳)

اے ایمان والو! مت جاؤ نبی کے گھروں میں؛ مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے، نہ راہ دیکھنے والے اس کے پکنے کی؛ لیکن جب تم کو بلائے تب جاؤ، پھر جب کھا چکو تو آپ چلے جاؤ اور نہ آپس میں جی لگا کر بیٹھو باتوں میں۔

دراصل آیاتِ حجاب کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ حضرت زینبؓ کے ولیمے کے موقعہ پر اور ایک مرتبہ حضرت سودہؓ کے قضائے حاجت کے لیے نکلنے کے وقت۔

نیز دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض بھی نہیں؛ اس لیے کہ حجاب دو طرح کا ہے: ایک حجابِ وجوہ اور دوسرا حجابِ اشخاص، چناں چہ حضرت عمرؓ کی دلی تمنّا کے مطابق حجابِ وجوہ کا حکم نازل ہوا؛ لیکن اس کے بعد حضرت عمرؓ کی یہ بھی خواہش رہی کہ حجابِ وجوہ کی طرح حجابِ اشخاص کا حکم بھی آ جائے؛ لہٰذا حجابِ وجوہ کے بعد حضرت سودہؓ کا قضائے حاجت کے لیے نکلنا ہوا تو حضرت عمرؓ نے حجابِ اشخاص کے نزول کی خواہش کی وجہ سے حضرت سودہؓ کو ان کے پہچان لیے جانے کی اطلاع دی اور حضرت سودہؓ نے حضور ﷺ کے پاس آ کر اس کا ذکر کیا، چناں چہ وہی آیتِ کریمہ جو حضرت زینبؓ کے ولیمہ کے وقت نازل ہوئی تھی اس کا نزول ہوا، اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ: تم کو قضائے حاجت کے لیے نکلنے کی اجازت ہے۔ اس طرح آیتِ حجاب کا وہ حکم جو رہتی دنیا تک کے لیے خواتین کی عصمت وعفّت کا محافظ ہے حضرت سودہؓ کے واسطے سے نازل ہوا۔

اخلاق وعادات

سیدہ موصوفہ اپنے اخلاق واطوار اور عادات کے اعتبار سے بھی نہایت امتیازی

شان کی حامل تھیں، سخاوت وفیاضی کے علاوہ خوش اخلاقی وخوش مزاجی آپؓ کی طبیعت کا حصہ تھا۔طبیعت کی ظرافت کا حال یہ تھا کہ کبھی کبھار آقا ﷺ کی تفریحِ طبع کی خاطر اپنی رفتار وگفتار میں آپ کو ہنسادیا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت سودہؓ نے آپ سے کہا: شبِ گذشتہ میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نے اس قدر طویل رکوع کیا کہ مجھے نکسیر پھوٹنے کا اندیشہ ہوا، اس لیے میں دیر تک ناک پکڑے اسے سہلاتی رہی، یہ سن کر آپ ﷺ نے تبسم فرمایا۔(صحیح بخاری ومسلم)

مزاج میں تیزی

"عن عائشةؓ قالت: "ما رأيت امرأة أحب إليّ أن أكون في مسلاخها من سودة بنت زمعة من امرأة فيها حدة". اوراصابہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:"ما من الناس أحد أحب إليّ أن أكون في مسلاخها من سودة إن بها إلا حِدَةٌ فيها، كانت تسرع منها الفيئةُ". (اصابہ)

امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ: سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر کبھی مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی؛ البتہ ان کے مزاج میں ذرا تیزی تھی جو گاہے گاہے ظاہر ہوجایا کرتی تھی؛ مگر اس مزاجی تیزی کی وجہ سے اگر کبھی غصہ آ بھی جاتا اور کسی سے خفا ہوجاتی تو غصہ بہت جلد فروکش ہوجاتا تھا اور خفگی کے بعد بہت جلد خوش ہوجایا کرتی تھیں جو اچھے اوراعلیٰ اخلاق کی علامت ہے۔

سخاوت وسماحت

رسالت مآب ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا ایک نہایت ممتاز اور روشن باب سخاوت وسماحت اور فیّاضی ہے، صحابہؓ اور صحابیاتؓ میں سے جو آپ ﷺ سے جتنا قریب اور جس کو صحبتِ بابرکت سے استفادہ کا جتنا زیادہ موقع فراہم ہوا اتنا ہی زیادہ آپ ﷺ کی صفاتِ حسنہ کا جامع بنا، پھران کی زندگی میں ان اوصاف کا ظہور بھی بہ استثنائے

بعض اتنا ہی زیادہ ہوا۔ ازواجِ مطہراتؓ کو خلوت میں آپ ﷺ کے فیضِ صحبت سے سب سے زیادہ مستفید ہونے کا موقع ملا، نیز چوں کہ نبوت کی داد و دہش کا معاملہ عموماً ان ہی کے حجروں میں زیادہ ہوا کرتا تھا اسی بنا پر سیدہ موصوفہ کو سخاوت اور داد و دہش میں بھی امتیازی شان حاصل ہوئی۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا: کیا ہے؟ اس نے کہا: درہم ہے، بولیں: اچھا! درہم کھجور کی طرح تھیلی میں بھیجے جاتے ہیں! اور اسی وقت تمام دراہم تقسیم کر دیے۔

آپ طائف کی کھالیں بنایا کرتی تھیں جو کچھ اس سے آمدنی میسر ہوتی اس کو خوش دلی سے کارِ خیر میں صَرف کر دیا کرتی تھیں۔

فضل وکمال

حضرت سودہؓ کے فضل وکمال کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے لیے صرف یہی کافی ہے کہ منصبِ رسالت ونبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد آپ ﷺ کی زوجیت سے وہی سب سے پہلے مشرف ہوئیں اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد تقریباً تین چار سال تک تنِ تنہا آپ ﷺ کی زوجیت میں رہیں، اور یہ عرصہ جس قدر صبر وتحمل، جس وقار ومتانت اور جس عزیمت واستقامت کے ساتھ گذارا اور اپنے آقا و ہادی ﷺ کی مخلصانہ رفاقت اور جاں نثارانہ خدمت کا جو مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے، اس دوران خاندانِ نبوت کی تمام تر ذمہ داریاں آپ ہی کے سر رہیں۔ آپؓ اطاعت وفرماں برداری، جود وسخا، ایثار وقربانی کے جذبہ سے سرشار اور نہایت اعلیٰ سیرت وکردار کی حامل تھیں، اور ان تمام خوبیوں کے ساتھ زیورِ علم سے بھی آراستہ تھیں۔

حضرت سودہؓ سے روایت اور شاگردان

آپؓ سے پانچ احادیثِ رسول مروی ہیں، ان میں سے چار احادیث سننِ اربعہ

میں مذکور ہیں اور ایک بخاری شریف میں جو درجِ ذیل ہے:

بخاری کی روایت یہ ہے:"ماتت لنا شاة فدبغنا مسكها ثم ما زلنا نَنبِذُ فيه حتى صار شنًّا".

حضرت سودہؓ فرماتی ہیں کہ: ہماری ایک بکری مرگئی، ہم نے اس کے چمڑے کو رنگ لیا اور ہم اس سے نبیذ بنانے لگے حتی کہ پرانا ہوگیا۔

شاگردان: حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت یحییٰ بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے آپ سے احادیث نقل کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

حضرت سودہؓ کے سیدہ عائشہؓ کو مشورے

جس وقت حضرت سودہؓ حضور ﷺ کی زوجیت میں داخل ہوئیں اس وقت ان کی کوئی دوسری سوکن نہیں تھی، تین سال بعد حضرت عائشہؓ آئیں، پھر یکے بعد دیگرے دوسری ازواجِ مطہرات آپ ﷺ کی زوجیت میں آئیں، حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ کے درمیان ہمیشہ نہایت درجہ الفت ومحبت اور باہمی اتحاد واتفاق کا معاملہ رہا، چناں چہ حضرت سودہؓ ان کی کم سنی کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے ان کو گھریلو معاملات میں مشورے دیا کرتی تھیں، جس کو وہ نہایت احسان مندی کے ساتھ قبول کرلیا کرتی تھیں، اور پھر جب ان کی عمر دراز ہوگئی تو اپنی باری بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہبہ کردی۔ حضرت عائشہؓ نے ان کے اس ایثار کا ہمیشہ خیال رکھا اور ان کے فضل وکمال کی معترف رہیں۔

خروجِ دجّال اور حضرت سودہؓ

حضرت سودہؓ خروجِ دجال سے نہایت ڈرتی تھیں؛ کیوں کہ آپ ﷺ سے بیسیوں مرتبہ دجّال کا تذکرہ سنا اور اس فتنہ کی سنگینی کو جانا تھا، ابتدا آپ نے اس کے خروج کا کوئی زمانہ متعین نہیں فرمایا تھا؛ مگر بعد میں آپ نے یہ تعیین فرمادی کہ وہ قربِ قیامت

میں ظاہر ہوگا۔ حضور ﷺ غالباً کسی سفر میں تھے اور حضرت عائشہ وحفصہ اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہن ساتھ تھیں (ممکن ہے کہ اور ازواج بھی ساتھ رہی ہوں) راستہ میں آپ ﷺ کہیں قیام پذیر ہوئے، حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کو تفریح ومزاح کی سوجھی، چناں چہ ازراہِ مزاح حضرت سودہؓ سے کہا: تمہیں کچھ معلوم بھی ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا تو ان دونوں نے کہا: شاید دجّال تو ظاہر نہیں ہوگیا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت سودہؓ پر دہشت طاری ہوگئی، اور اس قدر خوف زدہ ہوگئیں کہ دوڑ کر قریب کے خیمہ میں گھس گئیں، حضرت عائشہؓ وحفصہؓ ہنستی ہوئی آپ ﷺ کے پاس گئیں اور حضرت سودہؓ کے ساتھ اپنے مزاح اور ان کے خوف زدہ ہوکر ایک خیمے میں گھس جانے کی اطلاع دی، تو آپ ﷺ بہ نفسِ نفیس اس خیمہ کے پاس تشریف لے گئے، اور دروازہ پر کھڑے ہوکر آواز دی: سودہ! باہر آجاؤ، ابھی دجال کا خروج نہیں ہوا۔ آپ ﷺ کی آواز سن کر وہ اس حال میں باہر آئیں کہ خوف ودہشت کے آثار چہرہ پر نمایاں تھے، اور جسم پر مکڑی کا جالا لگا ہوا تھا، جس کو باہر آنے کے بعد صاف کیا۔

اس واقعہ سے جہاں حضرت سودہؓ کے فتنۂ دجال سے ڈرنے اور اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کے جذبۂ بے پناہ پر روشنی پڑتی ہے وہیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ازواجِ مطہراتؓ میں باہمی تعلقات کس قدر خوشگوار تھے۔

صاحبِ ''سیر الصحابیات'' اس قصے کو نقل کرنے کے بعد رقم فرماتے ہیں کہ: یہ روایت میرے نزدیک مشکوک اور سنداً ضعیف ہے۔

اولاد

آپؓ کی حضور ﷺ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی؛ البتہ حضرت سکران سے ایک بیٹا عبد الرحمٰن تھا۔

شہید بیٹا

عہدِ فاروقی میں جب اسلامی فوجیں عراق کو طاغوتی قوتوں سے آزاد کرانے کی مہم میں سر دھڑ کی بازی لگا رہی تھیں تو عبد الرحمٰن بھی انہیں مجاہدینِ سرفروش میں شامل تھے۔ عراق کی مکمل آزادی کا آخری معرکہ ۱۶ھ مطابق: ۶۳۷ء میں ''جلولاء'' کے مقام پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی زیرِ قیادت برپا ہوا، دوسرے مسلمانوں کی طرح عبد الرحمٰن نے بھی ذوقِ جہاد سے سرشار ہو کر شجاعت و مردانگی کا مظاہرہ کیا، اور اسی محاذ پر اپنی جان راہِ حق میں قربان کر کے ابدی سرخ روئی حاصل کی۔ رضی الله عنهم ورضو عنه.

ازواجِ مطہراتؓ میں حضرت سودہؓ ہی وہ واحد بلند بخت ہیں کہ جن کی زندگی میں ہی ان کے سعادت مند بیٹے نے راہِ خدا میں جامِ شہادت نوش کیا، اس طرح حضرت سودہؓ ایک شہید بیٹے کی ماں ہونے کا لازوال شرف حاصل کر کے بارگاہِ خداوندی میں مقبولیت کے بلند مقام پر فائز ہوئیں۔

خير عيش أدركناه بعد الصبر　　　من كنوز البرّ كتمان المصائب

ہم نے بہترین زندگی ہمیشہ صبر کے بعد پائی، نیکی کے خزانوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان پر جب کوئی مصیبت آئے تو وہ اس کو لوگوں سے چھپائے۔

وفات

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک روز ازواجِ مطہرات حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کون سب سے پہلے آپ کے ساتھ لاحق ہوگی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کے ہاتھ لمبے ہوں۔ لوگوں نے ظاہری معنی سمجھے، چناں چہ ہاتھ ناپے گئے تو حضرت سودہؓ کے ہاتھ لمبے نکلے؛ لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ

کے لمبا ہونے سے آپ ﷺ کا مقصد سخاوت وفیاضی تھا۔

خورشیدِ اسلام، عالم پر ضوفشاں ہونے کو تھا، نورِ اسلام پوری تیزی سے پھیل رہا تھا، اس کی کشتیاں دریائے سندھ سے دریائے نیل اور بحرِ ساوا سے بحرِ فرات تک رواں دواں تھی، پرچمِ اسلام زمین کے چپہ چپہ پر لہرا رہا تھا۔

''امہات المؤمنین'' کے گھر، روشنی کے مینار بنے جگمگا رہے تھے اور پورے عالم پر روشنیاں بکھیر رہے تھے، ''امت کی ماؤں'' کے گھر سے آپ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی تھی، علوم قرآن کے خزانے تقسیم ہو رہے تھے، احادیث کے موتی بٹ رہے تھے، حکمت کے لعل ویاقوت تقسیم ہو رہے تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت سودہؓ وقار سے اپنے گھر میں ٹھہریں کلامِ الٰہی کی تلاوت اور ذکرِ الٰہی میں مشغول تھیں، ذکرِ خدا اور ذکرِ حبیب انہیں دو مشاغل میں زندگی کے آخری ایام بسر ہو رہے تھے، رسولِ خدا گو نگاہوں سے مستور تھے؛ لیکن دل ودماغ میں بسے ہوئے تھے، جمالِ مبارک ہمیشہ نگاہوں کے سامنے موجود رہتا تھا۔ حضور کی باتیں، آپ کا تکلّم، آپ کا تبسّم، آپ کا حلم وکرم، آپ کی شانِ رحمت وشانِ درگزر وچشم پوشی رہ رہ کر یاد آتی تھی، اور مادرِ مہربان کو رلا دیتی تھی، اب دلِ مضطر کو مزید انتظار کی تاب وطاقت نہ رہی، طائرِ روح پرواز کے لیے بے چین تھا، مسافرِ آخرت اپنی منزل کی طرف چل پڑنے کے لیے پابہ رکاب تھا۔

آخر وہ ساعت آ گئی جس کے لیے عرصے سے وہ مضطرو بے چین تھی، چناں چہ دورِ فاروقی ۲۲ھ یا ۲۳ھ میں ۷۳ یا ۸۰ برس کی عمر پا کر دارِ فانی سے فردوسِ بریں کو روانہ ہو گئیں۔ حضرت عائشہؓ نے اس پاکیزہ نفس بیوی کی رحلت کے موقع پر خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا: میں نے کسی عورت کو جذبۂ رقابت سے خالی نہ دیکھا سوائے سودہ کے، اور نہ سودہؓ کے علاوہ کسی عورت کی نسبت میری یہ تمنا ہوئی کہ میری روح اس کے قالب میں ہوتی۔ حضرت عائشہؓ کے الفاظ یہ ہیں: ''ما من الناس امرأة أحب

إليّ أن أكون في مسلاخها من سودة'' جس فراخ دلی کے ساتھ حضرت سودہؓ نے زندگی میں اپنی باری حضرت عائشہؓ پر نچھاور کردی تھی اسی فراخ دلی کے ساتھ وہ دنیا سے جاتے وقت اپنا مسکن بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سونپ کر گئیں۔

نمازِ جنازہ

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ اپنی کتاب ''الاصابہ'' میں رقم طراز ہیں کہ حضرت سودہؓ نے آپ ﷺ سے کہا کہ: جب میں اس دارِ فانی سے رحلت کر جاؤں تو میری نمازِ جنازہ عثمان بن مظعون پڑھائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تجھے معلوم ہو جائے کہ موت کب آئے گی تو تجھ پر تیرے وہم وگمان سے بھی زیادہ دشوار گذرے گا۔ چوں کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی وفات سیدہ موصوفہ کی حیات ہی میں ہوگئی تھی، اس لیے ان کی نمازِ جنازہ خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ نے پڑھائی اور مدینۂ منورہ کے معروف ومشہور قبرستان جنّت البقیع میں دفن کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ راقم سمیت جملہ قارئین کو بار بار صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم وعنہنّ کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق وسعادت عطا فرمائے، آمین۔

۞۞

مصادر ومراجع

(۱) ازواجِ مطہراتؓ، حیات وخدمات
(۲) سیر الصحابیاتؓ
(۳) تذکارِ صحابیاتؓ
(۴) صحابیاتؓ
(۵) امتِ مسلمہ کی مائیں
(۶) ازواجِ مطہراتؓ وصحابیاتؓ انسائیکلوپیڈیا
(۷) صحابیاتِ مبشراتؓ
(۸) امہات المؤمنینؓ
(۹) رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاںؓ
(۱۰) ازواجِ مطہراتؓ
(۱۱) حضرت سودہ بنتِ زمعہؓ
(۱۲) صحابۂ کرامؓ کی پاکیزہ زندگی

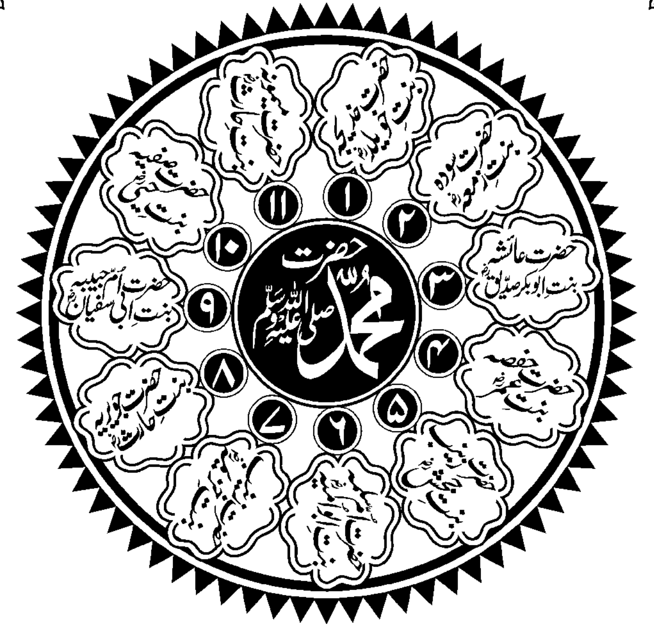

٣

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ بنتِ ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہا

سوانحی خاکہ

نام	:	عائشہ بنتِ ابوبکرؓ۔ لقب: صدیقہ، حمراء۔
کنیت	:	امِّ عبداللہ۔ قبیلہ: قریش۔
ولادت	:	ہجرت سے تقریباً آٹھ یا نو سال قبل مکۂ مکرمہ میں۔
قبولِ اسلام	:	اسلام کے گہوارے خانۂ صدیق میں آنکھیں کھولنے کی برکت سے بچپن ہی میں اس دولت سے سرفراز ہوئیں۔
ہجرت	:	ہجرتِ رسول کے بعد والدہ اور بھائی کے ہمراہ مدینہ کی جانب ہجرت کیں۔
نکاح	:	ہجرت سے تین سال قبل چھ سال کی عمر میں نکاح ہوا اور مدینے میں نو سال کی عمر میں رخصتی۔
مقدارِ مہر	:	پانچ سو درہم۔
مدتِ رفاقت	:	دس سال کے قریب۔
اولاد	:	کوئی اولاد نہ تھی۔
حج	:	حضور ﷺ کے ہمراہ ۱۰ھ میں حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد ہر سال حج کی سعادت میسر آئی۔
مرویّات	:	۲۲۱۰/ احادیث۔
وفات	:	منگل کی شب، ۱۷/ رمضان المبارک ۵۸ھ۔
نمازِ جنازہ	:	حضرت ابوہریرہؓ نے پڑھائی۔
مدفن	:	جنت البقیع۔ کل عمر: ۶۷۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ بنتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا

زکریا اقبال بھوپالی

ہم دمِ سید المرسلین، جگر گوشۂ خلیفۃ المسلمین، شمعِ کاشانۂ نبوت، آفتابِ رسالت کی کرن، گلستانِ نبوت کی مہک، خزینۂ رسالت کا انمول ہیرا، مہر و وفا اور صدق وصفا کی دل کش تصویر، جس کی شان میں قرآنی آیات نازل ہوئیں، جس کو حرمِ نبوی میں لانے کا اہتمام آسمانوں پر کیا گیا، جس کی تصویر ریشم کے غلاف میں لپیٹ کر جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ دربارِ رسالت میں پیش کی گئی، جس کے گھر کو عزت واحترام کے ساتھ فرشتوں کے جھرمٹ نے اپنی لپیٹ میں لیا، جس کی خواب گاہ میں جبرئیل آسمان سے وحی لے کر نازل ہوتے رہے، جس کی گود میں سر رکھے رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے داعئ اجل کو لبیک کہا، جسے تعلیماتِ نبوی پر عبور حاصل تھا، جسے دین ودانش کے اعتبار سے پوری امّت میں ممتاز مقام پر فائز ہونے کا اعزاز نصیب ہوا، جو پوری زندگی دینی مسائل کے حوالے سے مرجعِ خلائق بنی رہی، جو فقاہت، ثقاہت اور امانت ودیانت کا اعلیٰ معیار تھی، جسے اپنی زندگی میں لسانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنّت کی بشارت ملی، امت کی ایسی ہم درد، شفیق اور غم گسار ماں، جس کے پاس جو بھی آیا جھولیاں بھر کر گیا، جسے ازواجِ مطہراتؓ میں ایک بلند اور قابلِ رشک مقام حاصل تھا، جس کی جود وسخا اور علم وتقویٰ کے چرچے عام تھے، جس کی خدمتِ اقدس میں جبرئیل علیہ السلام نے بطورِ خاص سلام پیش کیا، جس کے حجرے میں قیامت تک کے لیے رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو سپردِ خاک کیا گیا۔ جانتے ہو کون ہے یہ لائقِ صد رشک خاتون؟ اس خاتونِ باصفا کو تاریخ

میں ''سیدہ عائشہ صدیقہؓ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آیئے! اس خاتونِ جنّت کی حیاتِ طیّبہ کے قابلِ رشک کردار کو اپنے لیے مشعلِ راہ بناتے ہیں اور اِس مقدس مشعل سے زندگی کی تاریک راہوں کو روشن کرتے ہیں۔

حیات

نام، نسب اور خاندان

آپؓ کا نام: عائشہ، لقب: صدّیقہ وحمیرا، اور کنیت: امِّ عبداللہ تھی۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور سیدہ امِ رومان بنت عامرؓ کی صاحبزادی ہیں۔

سلسلۂ نسب والدِ ماجد کی طرف سے اس طرح ہے: عائشہ بنتِ ابوبکر بن ابوقحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ۔

اور والدۂ ماجدہ کی طرف سے اس طرح ہے: عائشہ بنتِ امِ رومان بنتِ عامر بن عویمر بن عبدِ شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع بن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ۔

ولادت باسعادت

بیان کیا جاتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ ہجرت سے آٹھ یا نو سال پہلے مکۂ معظّمہ میں پیدا ہوئیں۔ بعض سیرت نگاروں نے ہجرت سے چار یا پانچ برس قبل بھی بیان کیا ہے۔ آپؓ کی ولادت باسعادت سے پہلے والدین دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ آپؓ سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ سے آٹھ سال چھوٹی تھیں۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ آپؓ اپنی بہن سیدہ اسماءؓ سے دس سال چھوٹی تھیں، اور حضرت اسماءؓ کی عمر ہجرت کے وقت تقریباً ستائیس برس تھی؛ لہٰذا اس اعتبار سے حضرت عائشہؓ کی عمر ہجرت کے وقت ۱۷/ برس کے

لگ بھگ ہوئی۔

والدِ محترم سیدنا ابوبکر صدیقؓ

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی ذات تعارف کی محتاج نہیں ہے، آپؓ کا حقیقی نام عبداللہ اور ابوبکر کنیت ہے اور ہمیشہ کنیت نام پر غالب رہی۔ آپؓ کی ولادت ۵۷۳ء میں واقعۂ فیل کے تقریباً ۳/ سال بعد ہوئی۔ آپؓ مکۂ مکرمہ میں کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ انتہائی امانت دار اور شریف انسان تھے۔ مردوں میں آپؓ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، اور تاحیات اسلام کی ترویج واشاعت کے لیے کوشاں رہے، حضور ﷺ کے وصال کے بعد سب سے پہلے خلیفہ ہوئے۔ آپؓ کی وفات نبیٔ کریم ﷺ کی وفات کے دو سال اور چند ماہ بعد ۲۲/ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ مطابق: اگست ۶۳۴ء، ۶۳/ برس کی عمر میں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کی قبرِ مبارک اور منبر کے درمیان آسودۂ خواب ہیں۔ آپؓ کو حضرت عبدالرحمٰن، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت طلحہؓ نے قبر میں اتارا۔ آپؓ کی قبر اس انداز سے کھودی گئی کہ آپ کا سر حضور اقدس ﷺ کے کندھوں کے برابر ہے۔

(مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: عشرۂ مبشرہ، ناشر: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل)

والدۂ محترمہ سیدہ امِ رومانؓ

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی والدۂ محترمہ کا نام امِ رومان تھا، سیدنا ابوبکرؓ کی ترغیب ودعوت پر انہوں نے اسلام قبول کیا، نہایت نیک وپارسا خاتون تھیں، اسلام کی خاطر بیسیوں قربانیاں دیں۔ حضور اقدس ﷺ ان کا بہت اکرام فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: لوگو! جس کا دل چاہتا ہے کہ دنیا میں جنّت کی حور دیکھے تو وہ امِ رومان کو دیکھ لے۔

ذوالحجہ ۶ھ میں قضائے الٰہی سے وفات پاگئیں۔ حضورِ اقدس ﷺ آپؓ کی قبر میں اترے اور فرمایا: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ امِ رومان نے تیری اور تیرے رسول کی رضا

کے لیے کس قدر مصائب جھیلے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے بخشش کی دعائیں کیں۔ (تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے: پندرہ جنتی صحابیاتؓ از ص:۱۳۷ تا ۱۵۴، ناشر: شعبۂ تقریر و تحریر جامعہ ڈابھیل)

حلیہ

حضرت عائشہؓ لڑکپن میں دبلی پتلی تھیں؛ لیکن تیرہ چودہ برس کی عمر تک پہنچ کر بدن میں قدرے گرانی آ گئی تھی، رنگ سرخ وسپید تھا اور یہی آپ کے لقب ''حمیراء'' کا سبب بنا۔ نیز آپؓ نہایت خوش رو اور صاحبِ جمال خاتون تھیں۔

عہدِ طفولیت وقبولِ اسلام

حضرت عائشہؓ کے قبولِ اسلام پر کچھ لکھنا تحصیلِ حاصل ہے؛ کیوں کہ آپ نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولی تھیں وہ نہ صرف نورِ اسلام سے منوّر تھا؛ بلکہ اشاعتِ اسلام وحفاظتِ اسلام کا ایک مرکز تھا، اس وجہ سے حضرت عائشہؓ نے جب آنکھیں کھولیں تو گھر میں ایمان واسلام اور اللہ ورسول کی محبت کے چرچے سنے اور مناظر دیکھے، چناں چہ وہ خود فرماتی ہیں کہ: جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔ نیز فرماتی ہیں کہ: حضور ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ روزانہ صبح وشام ہمارے مکان پر رونق افروز ہوا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بچپن سیدنا ابو بکر صدیقؓ جیسے عظیم المرتبت باپ کے زیرِ سایہ بسر ہوا، ایامِ طفولیت ہی سے آپؓ عام بچوں سے ممتاز نظر آتی تھیں، مبدأِ فیاض سے حافظہ اتنا قوی پایا تھا کہ بچپن کے ایام کی تمام باتیں یاد تھیں۔

امام بخاریؒ نے تفسیرِ سورۂ قمر میں لکھا ہے کہ: جب آیتِ کریمہ ﴿بل الساعة موعدهم والساعة أدهىٰ وأمرّ﴾ مکہ میں نازل ہوئی تو اُس وقت حضرت عائشہؓ کھیل رہی تھیں۔ یہ واقعہ امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ ہی کی زبانی نقل کیا ہے۔ اسی

طرح ہجرتِ مدینہ کے وقت آپؓ کی عمر صرف آٹھ سال تھی، آپؓ نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سفرِ ہجرت کی تیاری اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ کے ساتھ مل کر کی تھی؛ لیکن اس سارے واقعے کی چھوٹی سے چھوٹی جزئیات کو کم عمری کے باوجود جس طرح یاد رکھا اور جس صفائی اور وضاحت سے انہیں روایت کیا یہ ان کے غیر معمولی حافظے کا بیّن ثبوت ہے۔

شیر خوارگی

وائل کی بیوی نے آپؓ کو دودھ پلایا تھا۔ وائل ابوالقُعَیس کی بیوی سے دودھ پینے کا ذکر خود آپ ہی کی زبانی بخاری شریف میں موجود ہے، فرماتی ہیں کہ: پردے کا حکم نازل ہوجانے کے بعد ابوالقُعَیس کے بھائی افلح نے میرے پاس آنے کی اجازت چاہی، تو میں نے جواب دیا کہ: حضور انور ﷺ سے دریافت کر لینے کے بعد ہی میں اجازت دے سکتی ہوں؛ کیوں کہ مجھ کو ابوالقعیس نے نہیں؛ بلکہ ان کی بیوی نے دودھ پلایا ہے۔ آپ ﷺ جب تشریف لائے تو میں نے پوری تفصیل گوش گزار کر دی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: افلح تمہارے رضاعی چچا ہیں، ان کا تمہارے پاس آنا جانا درست ہے۔

گڑیوں سے کھیلنا

سیدہ عائشہؓ کا بچپن کے زمانے میں گڑیوں سے کھیلنا اتنا معروف ہے کہ اس پر دلیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ میں اپنی گڑیوں کے ساتھ کھیل میں مشغول رہا کرتی تھی کہ اس حال میں حضور انور ﷺ میرے پاس تشریف لے آتے اور چھوٹی بچیاں میرے پاس بیٹھی ہوا کرتی تھیں، آپ کو دیکھ کر وہ چلی جاتیں، جب آپ ﷺ باہر تشریف لے جاتے تو دوبارہ میرے پاس آ جاتیں۔

ایک مرتبہ سیدہ عائشہؓ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ تشریف لے آئے، آپؓ کی گڑیوں میں ایک پروں والا گھوڑا بھی تھا، حضور ﷺ نے پوچھا کہ: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ: یہ گھوڑا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کے تو پر نہیں ہوتے، آپؓ نے بے ساختہ جواب دیا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پَر تھے۔ یہ جواب سن کر آپ ﷺ بے ساختہ مسکرائے۔اس واقعہ سے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی فطری حاضر جوابی، مذہبی واقفیت، تاریخی معلومات، ذکاوتِ ذہنی اور زود فہمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سلسلۂ جنبانی

عمر کی ابھی چھ بہاریں ہی دیکھ پائی تھیں کہ کاشانۂ نبوت میں شمعِ فروزاں بن کر جلوہ نما ہونے کا فیصلہ ہوگیا، جن دنوں سرکارِ دو عالم ﷺ تنہائی کے اضطراب، مصائب کے ہجوم اور ستم گاریوں کے تلاطم میں ہمدرد و غمگسار رفیقۂ حیات سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات کے غم میں طبعی اکتاہٹ کے شکار تھے؛ ایک روز حضرت عثمان بن مظعونؓ کی بیوی سیدہ خولہ بنت حکیمؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کس سے؟ عرض کیا: بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں، پوچھا: کون؟ عرض کیا: سودہ بنتِ زمعہ اور عائشہ بنتِ ابی بکر، فرمایا: ٹھیک ہے، دونوں جگہ بات کر کے دیکھ لو۔

پیغامِ نکاح

سیدہ خولہ بنتِ حکیمؓ سیدھے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے گھر گئی، حضرت امِّ رومانؓ سے ملی اور ان سے کہا: مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت کو تمہارے گھر میں داخل کر دیا ہے، امِ رومانؓ نے پوچھا: کیوں کیا ہوا؟ خولہ نے بتایا کہ: مجھے رسول اللہ ﷺ نے

تمہارے گھر بھیجا؛ تاکہ آپ کی بیٹی عائشہ کے رشتے کے بارے میں بات کروں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے اس رشتے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ حضرت امِ رومانؓ نے کہا: مجھے تو منظور ہے، ابوبکر کو آ لینے دو ان کی رائے بھی معلوم کر لیں۔

تھوڑی دیر بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ تشریف لے آئے، ان کے ساتھ رشتے کے بارے میں بات کی تو وہ فرمانے لگے: کیا عائشہ کی شادی رسول اللہ ﷺ سے ہو سکتی ہے، یہ ان کے بھائی کی بیٹی ہے۔ سیدہ خولہؓ یہ سن کر رسولِ اکرم ﷺ کے پاس گئی اور آپ کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: میری طرف سے ابوبکر صدیق سے کہو کہ: آپ میرے دینی بھائی ہے، آپ کی بیٹی سے میری شادی ہو سکتی ہے۔ سیدہ خولہؓ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئی اور انہیں نبیٔ کریم ﷺ کا پیغام سنایا تو انہوں نے کہا: ''چشمِ ما روشن دلِ ما شاد''۔

البتہ ایک پریشانی اب بھی باقی ہے وہ یہ کہ میں مطعم بن عدی سے اس کے بیٹے جبیر کے لیے عائشہ کے متعلق وعدہ کر چکا ہوں، اب اگر انکار کرتا ہوں تو یہ وعدہ شکنی ہوگی۔ لیکن پھر معلوم ہوا کہ مطعم نے خود ہی اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر عائشہ ان کے گھر آ گئی تو اسلام کے قدم گھر میں داخل ہو جائیں گے۔ اس طرح یہ مسئلہ بھی نمٹ گیا۔

نکاح

حضرت ابوبکرؓ کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہو سکتی تھی کہ ان کی صاحبزادی تاجدارِ مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نکاح میں آئے، وہ فوراً راضی ہو گئے، چناں چہ سنہ ۱۰ نبوی شوال کے مہینہ میں پانچ سو درہم حقِ مہر پر آپؓ کا نکاح ہوا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود خطبۂ نکاح پڑھایا، مگر کم عمری اور مکّہ کے جاں گداز حالات کے باعث رخصتی عمل میں نہیں آئی۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی، آپؓ فرماتی ہیں کہ: جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے عقد فرمایا تب میں لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ میری والدہ نے مجھے باہر نکلنے سے منع کر دیا، تب میں سمجھی کہ اب تو میرا نکاح ہو چکا ہے، اس کے بعد میری والدہ نے مجھے مستقل سمجھا دیا۔

نبیٔ کریم ﷺ کا سیدہ عائشہؓ کو خواب میں دیکھنا

یہ نکاح وحی کے اشارے سے ہوا تھا اس سلسلے میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت ملاحظہ ہو:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے تجھے شادی سے پہلے خواب میں دو دفعہ دیکھا۔ ایک مرتبہ میں نے فرشتے کو دیکھا کہ: وہ ریشم کے کپڑے میں لپٹی تصویر اٹھائے ہوئے ہیں، میں نے فرشتے سے کہا کہ: ذرا کپڑے کا پردہ ہٹاؤ، جب اس نے پردہ ہٹایا تو اس میں تو تھی، میں نے اپنے دل میں کہا کہ: اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس کا حکم نافذ ہو کر رہے گا۔ پھر میں نے دوسری مرتبہ خواب میں دیکھا کہ: فرشتے نے ریشم کے کپڑے میں تصویر کو لپیٹ کر اٹھایا ہے، میں نے فرشتے سے کہا کہ: پردہ ہٹاؤ، اس نے پردہ ہٹایا تو اس میں تو تھی، میں نے کہا کہ: اگر یہ اللہ کی جانب سے ہے تو اس کا حکم نافذ ہو کر رہے گا۔

ہجرت

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح فرمایا، اس کے بعد آپ ﷺ چند سال مکۂ مکرمہ میں رہے اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور صحابۂ کرامؓ مدینۂ منورہ پہنچنے لگے، یہاں تک کہ حضور اقدس ﷺ کو بھی ہجرت کا حکم ہو گیا اور آپ میرے والد کو ساتھ لیے ہجرت کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور اپنے اہلِ خانہ کو مکّہ ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے اہل وعیال کو ایک ساتھ بلوالیا۔

جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو حضرت عائشہؓ کی والدہ امِ رومان نے انہیں اپنے ساتھ اونٹنی پر بٹھالیا، راستے میں ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا کہ ایک مقام سے کوچ کرنے کے بعد راستے میں اونٹنی مستی میں آکر آپے سے باہر ہوگئی اور اچھلنا کودنا شروع کردیا۔ ہر لمحہ اونٹنی کے بدک کر کودنے اور اس پر سے گر جانے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے حضرت امِ رومانؓ بے حد پریشان ہوگئیں اور ان کی گھبراہٹ بڑھ گئی، خود انہیں اپنی اتنی فکر نہ تھی؛ لیکن اپنی پیاری بیٹی سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی بلائیں لیتی ہوئی "واابنتاہ! واعروساہ!" کے الفاظ بار بار بہ آوازِ بلند دہرانے لگیں کہ ہائے میری پیاری بیٹی! ہائے میری پیاری دلہن! اتنے میں اچانک غیب سے ندا آئی کہ اونٹ کی مہار چھوڑ و۔ جب اونٹ کی مہار چھوڑ دی گئی تو وہ سکون واطمینان سے اپنی منزل کی جانب چلنے لگا۔ اس طرح یہ قافلہ مدینۂ منورہ پہنچا۔

رخصتی

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ہم مدینۂ منورہ آئے اور بنوالحارث بن الخزرج کے محلّے میں رہائش اختیار کی۔ مدینۂ منورہ کی آب وہوا اور موسمی حالات مکّہ والوں کے لیے ناموافق تھے، اس لیے ابتدائی زمانے میں اکثر مہاجرین بیمار رہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی بیماری سے محفوظ نہ رہ سکے، ان پر بخار نے شدید حملہ کیا، سیدہ عائشہؓ اور ان کی والدہ نے جی جان سے تیمارداری کی۔ حضرت ابوبکرؓ کی صحت یابی کے بعد سیدہ عائشہؓ خود بیمار پڑ گئیں۔ ایک ماہ تک تیز بخار کا سلسلہ رہا، مرض کی شدت کی وجہ سے سر کے بال بھی

جھڑ گئے، جب صحت بحال ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے تاجدارِ مدینہ ﷺ سے عرض کیا کہ: اللہ کے رسول! آپ عائشہ کو رخصت کیوں نہیں کروا لیتے! آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی میرے پاس مہر کی رقم نہیں، اس پر حضرت ابوبکرؓ نے پانچ سو درہم بہ طورِ قرض آپ کی خدمت میں پیش کر دیے، اور اسی پر رخصتی طے پائی۔

رخصتی کی داستان

یہ رخصتی بھی کس سادگی سے ہوئی ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ایک دن کی بات ہے کہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی، میری ماں نے مجھے آواز دی، تو میں ان کے پاس چلی آئی، میں نہیں جانتی تھی کہ وہ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔ پھر وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر چلیں، یہاں تک کہ ہم ایک گھر کے دروازے پر پہنچے، تیز تیز چلنے سے میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ میری والدہ نے پانی سے میرا چہرہ دھویا اور میرے سر کے بالوں کو ٹھیک کیا اور مجھے گھر کے اندر لے آئیں، گھر کے اندر انصار کی چند خواتین تھیں، انہوں نے مجھے دیکھتے ہی خوشی کا اظہار کیا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا کی اور وہ میرے بارے میں کہنے لگیں کہ: یہ تو بڑی نصیب والی ہے۔ پھر میری والدہ نے مجھے ان خواتین کے سپرد کر دیا، انہوں نے میرا بناؤ سنگار کیا، پھر مجھے ایک جگہ لا کر بٹھا دیا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ یہ چاشت کا وقت تھا اور میری عمر اُس وقت نو برس کی تھی۔

یہ تھی دو جہاں کے سردار کی سب سے چہیتی زوجہ کی رخصتی کی داستان! آج ان صفحات سے نظریں ہٹا کر معاشرے کی باراتوں پر نظر پڑتی ہے تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔

ایک رسمِ بد کا خاتمہ

حضرت عائشہؓ کی رخصتی شوّال میں ہوئی، عرب کے لوگ شوال میں شادی کرنے کو

برا سمجھتے اور منحوس خیال کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے اس جہالت کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے شوال میں نکاح کیا، اور شوال ہی میں میری رخصتی ہوئی، اب بتاؤ مجھ سے زیادہ کونسی بیوی حضور کی چہیتی تھی۔ اور اس جہالت کو بیخ و بن سے اکھیڑنے کے لیے حضرت عائشہؓ چاہتی تھیں کہ شوال کے مہینے میں عورتوں کی رخصتی ہوتا کہ اس رسمِ بد اور فاسد عقیدے پر زد پڑے۔

صدّیقہ کا گھر

حضرت عائشہؓ جس گھر میں رخصت ہو کر آئی تھیں وہ کوئی عالی شان محل نہ تھا؛ بلکہ بنی نجار کے محلے میں مسجدِ نبوی کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے چند حجرے بنا دیے گئے تھے، انہیں میں سے ایک حجرہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا مسکن تھا۔ یہ مسجد کی شرقی جانب واقع تھا، حجرے کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ ہوگی، دیواریں کچی اینٹ کی بنی ہوئی تھیں اور چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنائی گئی تھی، بارش کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے اوپر کمبل ڈال دیا گیا تھا۔ چھت کی بلندی کا یہ عالم تھا کہ کوئی کھڑا ہو کر ہاتھ اونچا کرے تو چھت کو لگ جائے۔ دروازہ صرف ایک پٹ کا کواڑ تھا؛ لیکن وہ کبھی بند نہ ہوا، پردے کے لیے صرف ایک کمبل لٹکا دیا گیا تھا۔ حجرے سے متصل وہ بالا خانہ تھا جس میں آپ ﷺ نے ازواجِ مطہراتؓ سے بائیکاٹ کر کے ایک مہینہ گزارا تھا۔ ایک چٹائی، ایک بستر، ایک چھال بھرا تکیہ، کھجوریں رکھنے کے لیے برتن، پانی بھرنے کے لیے ایک مشکیزہ اور پینے کے لیے صرف ایک پیالہ تھا، یہ گھر دنیوی مال ومنال سے اگرچہ خالی تھا؛ لیکن روحانی دولت سے مالا مال تھا۔

''سیر اعلام النبلاء'' میں علامہ ذہبیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لا یقبض النبي إلا في أحب الأمکنة إلیه'' یعنی نبی کی

روح اس کی پسندیدہ جگہ میں قبض کی جاتی ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ رسولِ اقدس ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ سب سے زیادہ پسند تھا۔

سیدہ عائشہؓ کا جہاد

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اسلام میں خواتین کے لیے جملہ احکامات ان کی جبلّت ، عادت ،طبیعت ،عقل ودانش اور جسمانی ساخت کو پیشِ نظر رکھ کر نازل کیے گئے ہیں؛ تاکہ اسلامی معاشرے میں رہتے ہوئے ان کے لیے عمل کرنا آسان ہو۔ جہاد کے میدان میں عورت کی مشارکت اس کی صلاحیت کے پیشِ نظر عام حالات میں مباح قرار دی گئی ہے، بالعموم میدانِ جہاد میں خواتین کو بیماروں کی تیمارداری، زخمیوں کی مرہم پٹی اور مجاہدین کو کھلانے پلانے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے،عورت کی لڑائی میں بہ نفسِ نفیس عملی طور پر شرکت اضطراری حالت میں ہوتی ہے،جیسا کہ سیدہ امِ عُمارہ نُسیبہ بنت کعبؓ نے غزوۂ احد میں باقاعدہ لڑائی میں شرکت کی ، اور رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس کر انہیں تہہ تیغ کیا۔اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی غزواتِ رسول میں قابلِ قدر کارنامے سرانجام دیے۔

غزوۂ احد میں حضرت عائشہؓ کا کردار

حضرت عائشہؓ فطری طور پر نہایت بہادر اور دلیر تھیں ۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا اس غزوے میں ایک اتفاقی غلطی نے جنگ کا پانسا پلٹ دیا اور حضور اکرم ﷺ کے شہید ہونے کی غلط خبر مشہور ہوگئی۔ یہ افواہ اڑتی اڑتی جب مدینہ پہنچی تو کہرام بپا ہوگیا، مدینۂ منورہ سے حضرت عائشہؓ،حضرت صفیہؓ،حضرت فاطمہؓ اور چند دوسری خواتینِ اسلام دیوانہ وار میدانِ کارزار کی طرف بھاگیں،وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی ،آپ ﷺ باحیات ہیں، حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ کے زخموں کو دھویا، پھر

مشکیزے بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلایا اور مرہم پٹی کا کام انجام دیا۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعض دیگر خواتین کے ہمراہ مدینۂ منورہ سے لشکرِ اسلام کے ساتھ ہی میدانِ کارزار گئی تھیں، اور جب مسلمان اضطراب وافراتفری کے شکار تھے تو وہ اپنی کمر پر مشکیزہ رکھ کر زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔

غزوۂ احزاب

غزوۂ احزاب میں بھی مجاہد خواتین کے ساتھ شریکِ جہاد ہوئیں، قلعے سے آپ دیگر خواتین اور بچوں کے ساتھ نیچے اتریں اور لشکرِ اسلام کی اگلی صفوں میں شامل ہوئیں۔اور اس باغیچے میں جا داخل ہوئیں جہاں مسلمانوں کا جمِّ غفیر جمع تھا۔سیدنا عمر بن خطابؓ بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے سیدہ عائشہؓ کو دیگر خواتین کے ہمراہ دیکھ کر طبعی طور پر ناگواری کا اظہار کیا اور قدرے تلخ لہجے میں خواتین کی شمولیت کو نامناسب قرار دیا، یہ انداز دیکھ کر سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے کہا: اے عمر! تمہارے رویّے پر بڑا افسوس ہے! یہ معزز خواتین تو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے میدانِ جہاد میں نکلی ہیں۔

سیدہ عائشہؓ نے حضرت عمر بن خطابؓ کی تلخ کلامی کو بہت زیادہ محسوس کیا اور دوبارہ قلعہ میں تشریف لے گئیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی مدد کی اور ایسے غیبی لشکر بھیج دیے جو کسی کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔دشمن کی فوج بکھر گئی، اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ گھبرائے ہوئے سر پر پاؤں رکھ کر اسی طرف بھاگ گئے جہاں سے آئے تھے۔

اس کے علاوہ غزوۂ مریسیع میں بھی آپؓ حضور ﷺ کے ہمراہ تھیں جس سے واپسی

پر مشہور واقعۂ افک پیش آیا، جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ آگے آ رہا ہے۔

حضرت عائشہؓ کا امتِ مسلمہ پر ایک بہت بڑا احسان

حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک سفر میں رسولِ اقدس ﷺ کے ہمراہ تھیں، صدیقِ اکبرؓ اور دیگر بہت سے صحابۂ کرام بھی شریکِ سفر تھے، صحرا میں ایک جگہ قیام کیا گیا۔ اس دوران حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گلے کا ہار کہیں ٹوٹ کر گر گیا، بعض صحابہؓ کو اس کی تلاش پر مامور کر دیا گیا، ہار کا کہیں سراغ نہ ملا۔ سرورِ عالم ﷺ حضرت عائشہؓ کی آغوش میں سر رکھے محوِ استراحت تھے، نمازِ فجر کا وقت ہو گیا، وضو کے لیے پانی موجود نہ تھا، صحابہؓ کے دلوں میں تشویش کی لہر دوڑنے لگی، چہ می گوئیاں ہونے لگیں کہ عائشہؓ کی وجہ سے یہ صورتِ حال پیدا ہوئی ہے۔ صدیقِ اکبرؓ نے حالات کو دیکھتے ہوئے اپنی بیٹی سے قدرے ترش لہجے میں کہا: تم نے ہمارے لیے یہ کیا مصیبت کھڑی کر رکھی ہے، تمہاری وجہ سے سب قافلے والے پریشان ہیں، نماز کا وقت گذرتا جا رہا ہے، یہاں وضو کے لیے پانی میسر نہیں ہے، اور تم کو اپنے گلے کے ہار کی پڑی ہوئی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ: حضرت ابوبکرؓ نے مجھے خوب سرزنش کی اور میری کوکھ میں اپنے ہاتھ سے کچوکے مارنے لگے، مجھے تکلیف تو بہت ہوئی لیکن میں نے ذرا بھی حرکت نہیں کی، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی نیند خراب نہ ہو۔

عین اسی موقع پر تیمّم کی آیتیں نازل ہوئیں جن کا ترجمہ ہے: اگر تم بیمار ہو یا حالتِ سفر میں ہو یا حاجتِ ضروری سے فارغ ہوئے ہو یا عورتوں سے مقاربت کی ہو اور تم پانی نہیں پاتے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اس سے کچھ منہ اور ہاتھ پر پھیر لو، اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

قرآنِ حکیم کا یہ حکم سنتے ہی جن زبانوں پر حرفِ شکایت تھا، وہ سیدہ عائشہؓ کی

تعریف وتوصیف میں بدل گیا، مشہور ومعروف صحابی حضرت اسید بن حضیرؓ فرمانے لگے: آلِ ابوبکر کا امّت پر یہ کوئی پہلا احسان نہیں، اس کے سوا بے شمار احسانات ہیں۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھوڑی دیر پہلے اپنی بیٹی کو ڈانٹ پلا رہے تھے، تیمّم کی آیت سنتے ہی مسکراتے ہوئے کہنے لگے کہ: بیٹی! مجھے معلوم نہ تھا کہ تم اتنی عظیم اور بابرکت ہو کہ ربِّ عرشِ عظیم نے تمہاری پسندیدہ اداؤں کی بہ دولت آسمان سے ایسا حکم نازل فرما دیا جو قیامت تک امّت کے لیے باعثِ رحمت ہوگا۔ بیٹی! جیتی رہو، خوش رہو، شاد رہو، آباد رہو۔ تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کتنی آسانی اور سہولت بخش دی۔ بعد ازاں روانگی کے لیے اونٹ اٹھایا گیا تو اسی کے نیچے سے گرا ہوا ہار بھی مل گیا۔

حیاتِ عائشہؓ کے چار اہم واقعات

(۱) واقعۂ افک:

نیرنگئ دوراں دیکھئے، زمانے بھر کی پاک باز، شرم وحیا کی پیکر، امّت کی ہم درد وغمگسار خاتونِ جنّت کو بھی بد بخت منافقین کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ماہِ شعبان ۵ھ میں سید المرسلین ﷺ لشکرِ اسلام لے کر نجد کی طرف روانہ ہوئے، نجد کے قریب قبیلۂ بنو مصطلق کا مشہور ومعروف مریسیع نامی ایک چشمہ تھا، وہاں لشکرِ اسلام کا کفار سے آمنا سامنا ہوا؛ لیکن خون ریز جنگ کی نوبت نہ آئی، اس دفعہ لشکرِ اسلام میں منافقین کی بھی بڑی تعداد شریک تھی۔

اس سفر میں ازواج میں سے رسولِ اقدس ﷺ کے ہمراہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، اُس وقت ان کی عمر صرف چودہ برس تھی، جسم دبلا پتلا تھا، سفر پر روانہ ہوتے وقت اپنی بہن حضرت اسماءؓ سے ہار لے کر پہن رکھا تھا، ہار کی لڑیاں بہت کمزور تھیں، واپسی پر لشکر نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قضائے

حاجت کے لیے قدرے دور چلی گئیں، واپس آنے لگیں تو اچانک دیکھا کہ گلے میں ہار نہیں، وہیں ڈھونڈنا شروع کردیا، جس سے واپسی میں دیر ہوگئی، تلاشِ بسیار کے بعد ہار تو مل گیا؛ لیکن اتنی دیر میں لشکر وہاں سے کوچ کرچکا تھا۔ ہر جگہ پڑاؤ اور کوچ کے وقت طریقِ کار یہ تھا کہ ساربان باپردہ محمل اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے اور سفر پر روانہ ہوجاتے۔ سیدہ عائشہؓ کے دبلے پتلے بدن کی وجہ سے اٹھاتے وقت اٹھانے والوں کو اس بات کا احساس نہ ہوسکا کہ وہ محمل میں موجود نہیں ہیں، انہوں نے حسبِ معمول محمل کو اٹھایا، اونٹ پر رکھا اور چل دیے۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ پڑاؤ کی جگہ پہنچیں تو وہاں کسی کا نام ونشان نہیں تھا، دل میں خیال آیا کہ جب قافلے والے اگلی منزل پر مجھے ہودج میں نہیں پائیں گے تو لینے کے لیے واپس آجائیں گے، اسی خیال میں چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئیں اور اسی حالت میں آنکھ لگ گئی۔

جب سپیدۂ صبح نمودار ہوا تو حضرت صفوان بن معطّلؓ وہاں پہنچے، ان کے ذمے کام ہی یہی تھا کہ یہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہیں اور گری پڑی چیزوں کو اٹھالیا کریں، انہوں نے دیکھا کہ کوئی میدان میں چادر اوڑھے ہوئے لیٹا ہے، قریب آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھ کر بے ساختہ منہ سے ''إنا لله وإنا إليه راجعون'' نکلا۔ ان کی آواز سن کر سیدہ عائشہؓ بیدار ہوگئیں، انہوں نے فوراً اونٹ قریب لاکر بٹھا دیا؛ تاکہ حضرت عائشہؓ اس پر سوار ہوجائیں؛ چناں چہ حضرت عائشہؓ جلدی سے اونٹ پر سوار ہوگئیں، صفوان نے اونٹ کی مہار پکڑی اور پیدل چل دیے۔ اگلی منزل پر دوپہر کے وقت لشکرِ اسلام نے پڑاؤ کیا ہی تھا کہ صفوان بن معطّلؓ اونٹ کی مہار پکڑے لشکر گاہ میں داخل ہوئے، قافلے میں شامل سب لوگوں کے سامنے سیدہ عائشہؓ اونٹ سے نیچے اتریں۔ صرف اتنی سی بات تھی جس کو منافقین کی سازش اور ریشہ دوانی نے بتنگڑ بنا دیا۔

دورانِ سفر بعض اوقات اس قسم کے واقعات پیش آجایا کرتے ہیں؛ لیکن منافقوں

کے سردار عبد اللہ بن اُبی نے موقع کو غنیمت جانا اور اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے ہوئے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے کردار پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دیا۔ لشکر تو وہاں سے کوچ کر کے مدینہ پہنچ گیا؛ مگر ایک خاص سازش کے تحت یہ بات پورے مدینے میں پھیلا دی گئی کہ (نعوذ باللہ) سیدہ عائشہؓ پاکیزہ نہیں رہیں، ان کا کردار مشکوک ہو گیا ہے۔ منافقین کے علاوہ مخلصین میں سے حسان بن ثابتؓ، حمنہ بنت جحشؓ اور مسطح بن اثاثہؓ بھی اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے۔ اُدھر رسولِ اقدس ﷺ یہ صورتِ حال دیکھ کر بہت پریشان ہوئے؛ لیکن اِدھر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس گھناؤنی سازش کا کچھ علم ہی نہ تھا۔

ایک روز رات کے وقت حضرت عائشہؓ مسطحؓ کی بوڑھی والدہ کے ہمراہ باہر تشریف لے جا رہی تھیں کہ انہیں ٹھوکر لگی تو انہوں نے ''مسطح'' کو برا بھلا کہا، سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ: ''بڑے تعجب کی بات ہے، آپ ایک بدری صحابی کے خلاف نازیبا کلمات استعمال کر رہی ہیں، انہوں نے کہا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ وہ کیسی گھناؤنی سازش میں ملوث ہے؛ اور پھر ساری داستان سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سنا دی۔ اپنے متعلق ایسی سطحی باتیں سن کر حضرت عائشہؓ کے اوسان خطا ہو گئے، وہیں سے واپس گھر لوٹ آئیں اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔

اچانک غموں کا ایسا پہاڑ ٹوٹا کہ آنسو تھمنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے، والدین کو پتہ چلا تو وہ بھی آ گئے۔ آپ کی غم گسار، شفیق اور ہم درد ماں نے ہر چند دلاسا دیا کہ: تم اپنے خاوند کی چوں کہ چہیتی بیوی ہو اس لیے تمہارے خلاف یہ سازش سوچی سمجھی اسکیم کے تحت تیار کی گئی ہے، بیٹی! صبر کرو! جلد ہی حالات درست ہو جائیں گے۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے بھی دلاسا دیا؛ لیکن شرم و حیا کی پیکر کو پل بھر کے لیے بھی چین نہیں آیا، بہت دل گرفتہ تھیں، ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ زندگی میں ایسے دن بھی آ سکتے ہیں۔ اسی

دوران حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے یہاں سے اپنے والدِ محترم کے گھر قیام پذیر ہوگئیں۔

ایک دن دونوں ماں باپ اپنی نورِ چشم کے پاس بیٹھ کر تسلّی دے رہے تھے کہ رسولِ اقدس ﷺ تشریف لائے، آپ ﷺ نہایت شفقت بھرے انداز سے صاف صاف یوں گویا ہوئے: عائشہ! اگر کوئی غلطی ہوگئی ہے تو توبہ کرلو، اللہ معاف کرنے والا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی آنکھوں سے آنسو خشک ہوگئے، اپنی والدہ سے کہا: اماں جان! جواب دو، میں آپ کی گود میں پلی بڑھی ہوں، آپ کا دودھ پیا ہے، آپ کے آنگن میں پرورش پائی ہے۔ لیکن والدہ خود سراپا غم کی تصویر بنی بیٹھی تھیں، دل گرفتہ، افسردہ اور پریشان تھیں، مہر بلب خاموش رہیں، آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ بےبسی کا یہ منظر دیکھ کر ابا جان سے کہا: آپ ہی کوئی جواب دے دیں، وہ بھی خاموش رہے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر خود ہی مخاطب ہوئیں اور کہا: اگر میں اس ناکردہ گناہ کا انکار کروں اور میرا اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس جرم سے پاک اور بالکل بری ہوں۔ تو آپ لوگ اسے سچ نہیں مانیں گے، آپ کے دل کو تسلّی نہیں ہوگی، میں اس موقع پر جب کہ یہ بات زبان زدِ عام ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے والد والا جواب ہی دینا پسند کروں گی؛ لہٰذا میرا جواب یہ ہے: ﴿فصبر جميل والله المستعان علىٰ ما تصفون﴾ صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی حامی و ناصر ہے اس کے خلاف جو تم بیان کرتے ہو۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بعد میں بیان فرمایا کرتی تھیں کہ: اُس وقت میں نے بہت سوچا کہ حضرت یوسفؑ کے والد: حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام مستحضر ہوجائے؛ لیکن غم کی وجہ سے ذہن پر بوجھ اتنا تھا کہ بہت سوچنے کے باوجود یہ نام ذہن میں نہ آسکا۔

اِدھر یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ سید المرسلین ﷺ پر وحی کے آثار طاری ہوئے جس سے وہاں موجود تینوں افراد سمجھ گئے کہ وحی نازل ہونا شروع ہوگئی ہے۔ وحی کا سلسلہ ختم

ہوا تو آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا، آپ ﷺ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے محبت بھرے انداز میں فرمایا: عائشہ! خوش ہو جاؤ، اللہ نے تجھے بری کر دیا ہے۔ پھر آپ نے وہ آیات تلاوت کرنا شروع کر دیں، جن کا ترجمہ یہ ہے:

جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کی ایک جماعت ہیں۔ اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو؛ بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے۔ جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا گناہ ہی سمیٹا اور جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لیے تو عذابِ عظیم ہے۔ جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا اسی وقت کیوں نہ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ: یہ صریح بہتان ہے۔ وہ لوگ اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ لائے، جب کہ وہ گواہ نہیں لائے ہیں، اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ اگر تم لوگوں پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور رحم نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمہیں آلیتا۔ (غور کرو کہ تم اُس وقت کیسی سخت غلطی کر رہے تھے) جب کہ تمہاری ایک زبان سے دوسری زبان جھوٹ کو لیتی چلی جا رہی تھی، اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا، تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے حالاں کہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات تھی، کیوں نہ تم نے اسے سنتے ہی یہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا، سبحان اللہ! یہ تو ایک بہتانِ عظیم ہے۔

اللہ تم کو نصیحت کر رہا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مؤمن ہو، اللہ تمہیں صاف صاف ہدایت دیتا ہے، اور وہ علیم و حکیم ہے۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں فحاشی پھیلے وہ دنیا و آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اگر اللہ کا فضل اور رحم و کرم تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفیق

ورحیم ہے (تو یہ چیز جو تمہارے اندر پھیلائی گئی تھی بدترین نتائج دکھا دیتی) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو، اس کی پیروی جو کوئی کرے گا وہ اسے فحش اور بدی کا ہی حکم دے گا۔ اگر اللہ کا فَضل اور رحم و کرم نہ ہوتا تو تم میں کوئی شخص پاک نہ ہوسکتا؛ مگر اللہ ہی ہے جسے چاہتا ہے پاک کردیتا ہے، اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (سورۂ نور:۱۱ تا ۲۱)

حضرت صدیقِ اکبرؓ اور ماں امِ رومانؓ نے اپنی لختِ جگر نورِ چشم کی شان میں قرآنی آیات سن کر مسرّت وشادمانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: عائشہ اٹھو اور اپنے سرتاج کا شکریہ ادا کرو۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے برجستہ کہا: میں تو اپنے اللہ کا شکر ادا کروں گی، جس نے میری شان میں قرآنی آیات نازل کیں جن کی قیامت تک تلاوت کی جائیں گی۔ یہ حادثہ ''واقعۂ افک'' کے نام سے تاریخِ اسلام میں مشہور ہوا۔

(۲) واقعۂ ایلاء:

ازواجِ مطہراتؓ کے لیے غلّہ اور کھجور کی جو مقدار مقرر تھی وہ ان کی ضروریات کے لیے کافی نہ تھی اور اکثر وہ تنگ دستی سے گذر اوقات کرتی تھیں، ادھر اموالِ غنیمت اور سالانہ محاصل میں کافی اضافہ ہوچکا تھا۔ چناں چہ ازواجِ مطہراتؓ نے اپنے مقررہ گذارے میں اضافہ کی خواہش کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹیوں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سمجھا کر اس مطالبہ سے باز رکھا؛ لیکن دوسری ازواج اس مطالبہ پر قائم رہیں۔ آپ ﷺ نے ناراض ہوکر حضرت عائشہؓ کے حجرے سے متصل ایک بالاخانے پر قیام فرمایا اور عہد کیا کہ ایک مہینہ تک اپنی ازواج سے نہیں ملیں گے۔ منافقین ایسے موقع کی تلاش میں رہتے تھے، انہوں نے مشہور کردیا کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔ تمام صحابۂ کرامؓ یہ خبر سن کر سخت رنجیدہ ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ایک چٹائی پر لیٹے تھے اور جسمِ اطہر پر اس چٹائی کے نشان بن

گئے تھے، فاروقِ اعظمؓ حضور اقدس ﷺ کو اس حال میں دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی؟ فرمایا: نہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے آپ کی اجازت سے یہ خوش خبری تمام لوگوں کو سنادی، اس پر تمام مسلمانوں اور ازواجِ مطہراتؓ میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: میں ایک ایک دن گنتی تھی، انتیسویں دن حضور ﷺ بالاخانہ سے اتر کر سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے ایک مہینہ کا عہد فرمایا تھا اور آج انتیس دن ہوئے ہیں، آپ ﷺ نے اشارہ کر کے فرمایا: مہینہ کبھی انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔

(۳) واقعۂ تخییر:

واقعۂ ایلا کے بعد ایک دن حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریافت فرمایا: عائشہ! میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں وہ یہ کہ تم دنیاوی مال و دولت چاہتی ہو یا میرے ساتھ اسی طرح روکھی سوکھی کھا کر زندگی بسر کرنا چاہتی ہو؟ جواب دینے میں جلدی نہ کرنا، اس سلسلے میں تم اپنے ماں باپ سے بھی مشورہ کر لو۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: یا رسول اللہ! میں اور میرے ماں باپ سب آپ پر قربان، میں اس سلسلے میں بھلا اپنے ماں باپ سے مشورہ کیوں کروں؟ میں اللہ اور رسول کو پسند کرتی ہوں، مجھے دنیا نہیں چاہیے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے محبت اور وارفتگی کا والہانہ انداز اختیار کرتے ہوئے دنیاوی فوائد سے دستبرداری کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی معصومانہ انداز میں خدمتِ اقدس میں عرض گذار ہوئیں کہ میری اس دلی خواہش کا دوسری بیویوں کو پتہ نہ چلنے پائے۔ آپ ﷺ جاں نثاری کا یہ محبوبانہ انداز دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: میں دنیا میں معلّم بن کر آیا ہوں نہ کہ جابر۔ صورتِ حال کا جائزہ لے کر تمام ازواجِ مطہراتؓ نے وہی موقف اختیار کیا جو

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اختیار کیا تھا۔

بعض کتابوں میں ایلاء وتخییر کے ان دونوں واقعات کو ملا کر بیان کیا گیا ہے۔ اور ویسے بھی دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

(۴) واقعۂ تحریم:

رسولِ اقدس ﷺ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ عصر کی نماز کے بعد تمام ازواجِ مطہراتؓ کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ کچھ دن سے حضرت زینب بنتِ جحشؓ کے یہاں کچھ زیادہ دیر ہونے لگی، حضرت عائشہ صدیقہؓ کو رشک ہوا، انہوں نے مزید معلومات حاصل کی، تو معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ سیدہ زینب بنتِ جحشؓ کے یہاں شہد نوش فرماتے ہیں جو کسی نے ان کے یہاں تحفتاً بھیجا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سیدہ حفصہؓ سے کہا کہ: جب حضور ہمارے یہاں تشریف لائیں گے تو ہم میں سے ہر ایک یہ کہے گی کہ: یا رسول اللہ! آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے، کیا آپ نے مغافیر کا شہد کھایا ہے؟ (مغافیر ایک پھول ہوتا ہے جسے شہد کی مکھی چوستی ہے، اس سے بننے والے شہد میں قدرے بو پیدا ہو جاتی ہے) چوں کہ آنحضرت ﷺ کو ہر طرح کی بو ناپسند ہے؛ اس لیے جب حضور اقدس ﷺ یہ فرمائیں کہ: زینب نے شہد پلایا ہے تو تم یہ کہنا کہ شاید عرفط کی مکھی کا ہے۔

چناں چہ جب رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے یہاں آئے تو منصوبے کے مطابق یہی سوال وجواب ہوئے اور جب سیدہ صفیہؓ اور سیدہ حفصہؓ کے یہاں تشریف لائے تو وہاں بھی یہی سوال وجواب ہوئے۔ اس سے حضور ﷺ کی طبیعت میں تکدّر پیدا ہوا، اور آپ نے سیدہ حفصہؓ کے سامنے قسم کھالی کہ: میں آئندہ شہد نہیں کھاؤں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يـأيها النبي لم تحرم ما أحل الله لك، تبتغي مرضات أزواجك إلخ﴾ (التحريم: ۱)

ترجمہ: اے نبی (ﷺ) جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی تم اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو؟

رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت حفصہؓ کے سامنے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی تھی تو ساتھ میں یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ بات راز رکھنا، کسی سے اس بارے میں کچھ نہ کہنا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کہیں حضرت زینبؓ تک یہ بات پہنچ نہ جائے، ورنہ ان کو تکلیف ہوگی؛ لیکن حضرت حفصہؓ نے یہ راز حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے ظاہر کر دیا، اس پر قرآنِ کریم کی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وإذ أسر النبي إلىٰ بعض أزواجه حديثا، فلما نبأت به وأظهره الله عليه عرف بعضه وأعرض عن بعض، فلما نبأها به قالت من أنبأك هٰذا، قال: نبأني العليم الخبير﴾ (التحريم: ٣)

ترجمہ: اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ پیغمبر نے اپنی کسی بیوی سے چپکے سے ایک بات فرمائی، پھر جب اس بیوی نے وہ بات دوسری بیوی کو بتلا دی اور پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے بہ ذریعۂ وحی اس کی خبر دی تو پیغمبر نے اس بیوی کو اس کا قصور کچھ بتایا اور کچھ نہیں بتایا، وہ بیوی کہنے لگی کہ: آپ کو کس نے اس کی خبر دے دی، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: مجھ کو بڑے جاننے والے، بڑے خبر رکھنے والے (یعنی خدا) نے خبر دی۔

آگے قرآنِ کریم میں ہے:

﴿إن تتوبا إلى الله فقد صغت قلوبكما وإن تظاهرا عليه فإن الله هو مولٰه وجبريل وصالح المؤمنين، والملائكة بعد ذٰلك ظهير﴾

ترجمہ: (اے پیغمبر کی دونوں بیویو!) اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو (تو تمہارے لیے کوئی ایسی مشکل بات نہیں) کیوں کہ تمہارے دل تو اس کی طرف مائل ہی ہیں، اور اگر پیغمبر کے مقابلہ میں تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں تو یاد رکھو کہ خدا پیغمبر کا آقا ہے اور جبرئیل، مؤمنین، صالحین اور فرشتے اس کے مددگار ہیں۔

جنگِ جمل

حضرت عائشہؓ کی زندگی کا ایک اہم پہلو ’’جنگِ جمل‘‘ بھی ہے، ہم تمہید کو مختصر کرتے ہوئے اصل قصہ قارئین کے حضور پیش کرتے ہیں: چوں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بہت رقیق القلب تھیں۔ حضرت عثمانؓ جب شہید ہوئے تو آپ مکۂ مکرمہ میں تھیں، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپؓ کے پاس آئے اور صورتِ حال کی اطلاع دینے کے ساتھ معاملے کو سلجھانے کے لیے آگے بڑھنے کی درخواست کی۔ چناں چہ آپؓ دعوتِ اصلاح کے لیے بصرہ گئیں۔ اِدھر حضرت علیؓ مدینۂ منورہ سے ۷۰۰/آدمی لے کر چلے، کوفہ سے سات ہزار آدمی ان کے ساتھ ہو گئے، بصرہ پہنچتے پہنچتے بیس ہزار کی جمعیت ہوگئی، حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ تیس ہزار آدمی تھے۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے آ کر میدانِ جنگ میں خیمہ زن ہوگئیں، ہر قبیلہ خود اپنے ہی قبیلہ کا حریف بن کر اترا، تاہم اپنے سیاسی عقیدے کے مطابق ایک ہی ماں کے دو جگر پاروں میں ایک اِدھر تھا ایک اُدھر، دونوں کو حق دو جگہ نظر آتا تھا اور حق طلبی کا جوش برادرانہ محبت پر غالب تھا۔

دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں، ہر مسلمان کا دل خون تھا کہ کل تک جو تلواریں دشمنوں کے سر اڑاتی تھیں اب وہ خود دوستوں کے سر و سینہ کو زخمی کریں گی۔

تاہم دونوں طرف لوگوں کو یقین تھا کہ معاملہ جنگ تک طول نہ کھینچے گا، بلکہ باہمی صلح سے حل ہو جائے گا، ایک قبیلے کے رئیس نے حضرت علیؓ سے صلح کی تحریک کی، وہ کہنے سے پہلے راضی تھے۔ وہاں سے اٹھ کر وہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے پاس آیا، اس نے پوچھا: اُمّ المؤمنین! اس مہم سے آپ کی غرض کیا ہے؟ فرمایا: عثمانؓ کے قاتلوں کی سزا اور اصلاح کی دعوت، اس نے کہا: اُمّ المؤمنین! غور فرمایئے کہ: پانچ سو آدمیوں کی سزا کے لیے آپ نے پانچ ہزار کا خون بہایا اور پانچ ہزار کے لیے ہزاروں کا

خون بہانا ہوگا، کیا یہ اصلاح ہے؟ اندازِ تقریر اس قدر بلیغ اور مؤثر تھا کہ کوئی جواب نہ دے سکا، اور سب نے صلح پر رضامندی ظاہر کی اور باہم مل کر صلح کا فیصلہ کرلیا۔

اب ہر فریق مطمئن ہوگیا، جنگ وجدال کا خیال دلوں سے محو ہوگیا، صلح کے استحکام اور دیگر معاملات کے بہ آسانی طے ہوجانے میں کوئی شک نہ تھا؛ لیکن حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا جو فاسد گروہ اُدھر شامل تھا اس نے دیکھا کہ اگر حقیقت میں صلح ہوگئی تو ہم محفوظ نہیں رہ سکتے، اور ہماری برسوں کی محنت اکارت جاتی ہے۔ سبائی فرقہ کی کثیر تعداد حضرت علیؓ کے ساتھ تھی، دونوں فریق رات کے پچھلے پہر جب آرام کی نیند سو رہے تھے، سبائیوں نے پیش دستی کر کے دفعتاً شب خون مارا، اور ان چند شریروں نے ہر جگہ آگ لگا دی، جس سے افراتفری مچ گئی، حضرت علیؓ لوگوں کو روک رہے تھے؛ مگر کوئی نہیں سنتا تھا، ہر شخص بدحواس ہوکر ہتھیار کی طرف جھپٹ رہا تھا، ہر فریق کے رئیس یہ سمجھے کہ دوسرے نے ہمیں غفلت میں پاکر بدعہدی کی۔

شور وغل سن کر حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ: یہ کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ لوگوں نے جنگ شروع کردی ہے، صبح تک یہ تلاطم برپا رہا، بصرہ کے قاضی کعب بن سور نے حضرت عائشہؓ سے آ کر عرض کیا کہ: آپ سوار ہوکر چلیں، شاید آپ کے ذریعہ سے لوگ صلح کرلیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آہنی ہودج میں اونٹ پر سوار ہوکر اپنی فوج کے قلب میں آئیں۔ حضرت علیؓ نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا بھیجا، تینوں صاحب گھوڑوں پر سوار ایک جگہ مل کر کھڑے ہوئے، آہ! کیسا پُر اثر منظر ہے کہ بدر واُحد کے ہیرو اب خود دست وگریباں ہیں، حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ کی ایک پیشین گوئی یاد دلائی، دفعتاً دونوں بزرگوں کو بھولا ہوا خواب یاد آ گیا اور میدان چھوڑ کر باہر نکل گئے؛ لیکن دشمنوں نے دھوکے سے دونوں کو شہید کردیا۔ کعب بن سور کو حضرت عائشہؓ نے اپنا قرآن دیا کہ لوگوں کو یہ دکھا کر صلح کی دعوت دو، وہ قرآن کھول کر دونوں صفوں کے

درمیان کھڑے ہوئے، شریروں نے ادھر سے تاک کر ایسا تیر مارا کہ جاں بحق ہو گئے۔

دو پہر ہو گئی تھی، چوں کہ حملہ اچانک ہوا تھا اس لیے فوج کے عسکری کمانڈر نے اس فتنہ سے کنارہ کشی کر لی تھی، اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ کی فوج کا پہلو کمزور ہو گیا تھا، لڑنے والے بھائی بھائی تھے، ایک دوسرے کے ہاتھ پاؤں پر وار کرتے تھے، سر وسینہ کو بچا جاتے تھے کہ مقصود اس غیر متوقع جنگ کو روک دینا تھا، ہر جگہ کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

سبائیوں کا ارادہ تھا اگر حضرت عائشہؓ ہاتھ آ گئیں تو وہ سخت تحقیر کے ساتھ پیش آئیں گے، چناں چہ اہلِ کوفہ آپؓ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے؛ لیکن آپؓ کے طرفدار اسلام کی عزت واحترام کے لیے اپنی اپنی جانیں فرزندانہ فدویت کے ساتھ نثار کر رہے تھے۔ اونٹ اپنی جگہ پر کھڑا تھا، آہنی ہودج تیروں کی پیہم بارش سے چھلنی ہوا جا رہا تھا، پُرجوش بیٹے آگے پیچھے، دائیں بائیں سے اس ریلے کو پیچھے ہٹا رہے تھے۔ پورے میدان میں اصل جنگ یہی ہو رہی تھی، اس زور کو کم کرنے کے لیے ہودج کو نظروں سے ہٹانا ضروری تھا۔ تبھی ایک شخص پیچھے سے آیا اور اونٹ کے پچھلے پاؤں پر ایسی تلوار ماری کہ اونٹ دھم سے گر پڑا، حضرت عمار بن یاسرؓ اور محمد بن ابوبکرؓ نے دوڑ کر ہودج کو سنبھالا، اتنے میں حضرت علیؓ پہنچے، انہوں نے امّاں عائشہؓ کی خیریت دریافت کی، حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ: اچھی ہوں۔ حضرت عائشہؓ کے ہودج کے گرتے ہی جنگ تھم گئی۔

حضرت علیؓ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے طرفدار بصری رئیس کے گھر اتارا، حضرت عائشہؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے اسی گھر کے ایک ایک گوشہ میں آ آ کر پناہ لی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے بحرمتِ تمام محمد بن ابی بکرؓ کی نگرانی میں چالیس معزز عورتوں کے جھرمٹ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حجاز کی طرف روانہ کیا، چلتے وقت تمام مجمع کے سامنے حضرت عائشہؓ نے اقرار کیا کہ: مجھ کو علیؓ سے نہ کسی قسم کی

کدورت تھی اور نہ اب ہے، ہاں! ساس داماد میں کبھی کبھی جو بات ہو جایا کرتی ہے، اس کی میں نفی نہیں کرتی، حضرت علیؓ نے بھی اسی قسم کے الفاظ فرمائے۔ اس کے بعد یہ مختصر قافلہ حجاز کی طرف روانہ ہو گیا۔ عام مسلمانوں نے اور خود حضرت علیؓ نے دور تک مشایعت کی، امام حسنؓ میلوں تک ساتھ گئے۔

اگرچہ یہ جنگ اتفاقیہ پیش آ گئی تھی، تاہم جب بھی حضرت عائشہؓ کو اس کی شرکت یاد آتی تھی تو بے اختیار رقّت طاری ہو جاتی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی اس اجتہادی خطا پر ہمیشہ افسوس رہا، اکثر فرمایا کرتیں کہ: کاش! آج سے بیس برس پہلے ہی میں معدوم ہو چکی ہوتی۔

اوصاف و کمالات اور خصوصیات

حبِّ رسول

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو رسول اللہ ﷺ سے حد درجہ محبّت تھی، تاریخ کے اوراق ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ ہر وقت اپنے آقا سرورِ کائنات ﷺ پر جان نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتی تھیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ حضور ﷺ کو ادنیٰ سی بھی تکلیف پہنچے۔

تمہاری ناک خاک آلود ہو

غزوۂ موتہ میں جب حضرت جعفرؓ کا انتقال ہوا، تو ان کی رشتہ دار عورتیں نوحہ کرنے لگیں، ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو نوحے کی اطلاع دی، حضور ﷺ خود ان کے انتقال سے بڑے مغموم تھے، آپ ﷺ نے اس شخص سے کہا: ان کو نوحہ کرنے سے منع کر دو۔ وہ شخص گیا اور نوحہ کرنے سے منع کیا؛ لیکن وہ باز نہ آئیں، اس نے آ کر پھر حضور ﷺ سے عرض کیا کہ وہ باز نہیں آ رہی ہیں، حضور ﷺ نے اس شخص کو پھر بھیجا کہ ان کو اس سے

روکو۔ وہ عورتیں پھر بھی باز نہ آئیں، ایسا تین مرتبہ ہوا؛ لیکن وہ عورتیں باز نہ آئیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ یہ بات سن رہی تھیں، انہوں نے غصہ میں اس شخص سے کہا: اللہ تمہاری ناک خاک آلود کرے، نہ تو تم وہ کام کرتے ہو جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اور نہ آپ ﷺ کو پریشان کرنے سے باز آتے ہو۔

اللہ نرمی پسند کرتا ہے

ایک مرتبہ چند یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور اس طرح سلام کیا: السام علیکم، یعنی تم پر موت طاری ہو جائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سن رہی تھیں، وہ سمجھ گئیں کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت غصہ آیا، ان کے جواب میں کہنے لگیں: تم پر موت طاری ہو، تم پر لعنت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! سخت کلامی نہ کرو، اللہ نرمی پسند کرتا ہے، میں نے "وعلیکم" کہہ کر ان کا قول ان ہی پر لوٹا دیا ہے۔

جلوہ تیرے حسن کا

ایک مرتبہ سخت گرمیوں کا موسم تھا اور سرکارِ دو عالم ﷺ گھر پر اپنی جوتیوں کی مرمت کر رہے تھے، آپ ﷺ کی پیشانی مبارک سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا: اے کاش! عروہ اس حالت میں آپ کو دیکھتے (عروہ عرب کے ایک مشہور شاعر کا نام ہے) آپ عروہ کے ان اشعار کے مصداق ہیں۔

فلو سمعوا في مصر أوصاف خده لما بذلوا في سوم يوسف من نقد

لؤامي زليخا لو رأين جبينه لآثرن بالقطع القلوب على الأيدي

ترجمہ: اگر اہلِ مصر آپ کے حسن کی شہرت سن لیتے تو یوسفؑ کی خریداری کے لیے

کبھی اپنی پونجی خرچ نہ کرتے، اور اگر زلیخا کی سہیلیاں آپ کی پُرنور پیشانی کا جلوہ دیکھ لیتیں تو ہاتھ کاٹنے کے بجائے دل کے ٹکڑے کر دینے کو ترجیح دیتیں۔

ناراضگی کی علامت

امام ابو حاتمؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: عائشہ! جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو میں جان جاتا ہوں، میں نے پوچھا: آپ کیسے جان لیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو: ”لا ورب محمد“ یعنی محمد کا رب کہہ کر قسم کھاتی ہو، اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: ”لا ورب ابراهیم“. میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں صرف آپ کا نام چھوڑتی ہوں، ورنہ آپ تو میرے دل وجان میں پیوست ہیں۔

میں کس خیال میں اور آپ کس حال میں

بعض اوقات ایسا اتفاق ہوتا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ رات کو بیدار ہو جاتیں اور آپ کو پاس نہ دیکھتیں تو مضطرب ہو جاتیں، ایک دفعہ یہی صورت پیش آئی اور بہ مقتضا ”عشق است و ہزار بدگمانی“ خیال ہوا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہوں، ادھر ادھر تلاش کیا تو دیکھا کہ آپ تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں، اپنی غلطی پر نادم ہوئیں اور بے اختیار زبان سے نکل گیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں کس خیال میں ہوں اور آپ کس حال میں ہیں۔

محبت کی انتہا

حضور ﷺ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جن کپڑوں میں آپ ﷺ نے انتقال فرمایا انہیں بھی تا عمر محفوظ رکھا۔ ایک دن آپؓ نے ایک صحابی کو سرکار ﷺ کا تہ بند اور چادر دکھا کر ارشاد فرمایا: خدا کی قسم! آپ ﷺ نے ان ہی کپڑوں میں انتقال فرمایا تھا۔

محبت بھی خدمت بھی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گو رسول اللہ ﷺ کو نہایت محبوب تھیں؛ لیکن اس محبوبیت کا کوئی اثر رسول اللہ ﷺ کی خدمت پر نہیں پڑا تھا؛ بلکہ سب سے زیادہ انہیں کو آپ کا شرفِ خدمت حاصل تھا۔ رسول اللہ ﷺ کمالِ طہارت کی وجہ سے مسواک کو بار بار دھلوایا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کا انصرام حضرت عائشہؓ کے ذمہ تھا۔

ایک بار آپ ایک کمبل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لائے، ایک صحابیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس پر دھبّے نظر آتے ہیں۔ آپ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا کہ دھو کر خشک کر کے بھیج دیں، حضرت عائشہؓ پانی منگایا، اپنے ہاتھ سے داغ دھوئے، اور کمبل خشک کر کے آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔

جب نبیٔ کریم ﷺ احرام باندھتے یا کھولتے تو سیدہ عائشہؓ ہی آپ کے جسمِ اطہر میں خوشبو لگاتیں۔

آپ گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں، ایک دن حضرت عائشہؓ کی باری تھی، جَو پیسے اس کی روٹی پکائی اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار شروع کیا، آپ کے آنے میں دیر ہوگئی تو سوگئیں، آپ آئے تو جگایا۔

رسول اللہ ﷺ کی سیدہ عائشہؓ سے محبّت

رسول اللہ ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بے حد محبت تھی، حتیٰ کہ فضل وکمال اور دیگر اوصافِ حمیدہ کے اعتبار سے بھی آپ کو سیدہ عائشہؓ تمام ازواجِ مطہرات سے زیادہ محبوب تھیں، اس کا اندازہ حضور ﷺ کے اس ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے کہ: اے باری تعالیٰ! جو چیز میرے بس میں ہے یعنی مساوات بین الازواج اس میں تو عدل سے باز نہیں آسکتا؛ لیکن جو چیز میرے بس سے باہر ہے یعنی عائشہ سے محبت اس کو تو معاف فرمادینا۔

ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے پوچھا کہ: یارسول اللہ! آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ کون عزیز ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عائشہ، انہوں نے کہا کہ: میں مردوں میں پوچھ رہا ہوں، فرمایا: عائشہ کے والد۔

مرغوبات کا خیال

رسولِ اقدس ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی باتیں بڑی رغبت سے سنتے، ان کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ہر لمحہ ان کی رغبت ورضامندی کا خیال فرماتے تھے۔

ایک دفعہ عید کا دن تھا، عید کی خوشی میں مسجدِ نبوی کے باہر حبشی نیزے بازی کے کرتب میں مشغول تھے، سیدہ عائشہؓ نے تماشا دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ آپ آگے بڑھے اور وہ پیچھے اوٹ میں کھڑی ہوکر کرتب دیکھنے لگیں، جب تک وہ خود تھک کر پیچھے نہ ہوگئیں آپ برابر اوٹ کیے کھڑے رہے۔

ایک مرتبہ بہ ارادۂ تفریح حضور ﷺ سیدہ عائشہؓ کو جنگل میں ایک پُرفضا مقام پر لے گئے جہاں پہاڑی جھرنوں سے پانی نیچے گرتے رہتا ہے اور اُس کی وجہ سے وہاں کا منظر انتہائی پُرکشش اور دلرُبا ہوا کرتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ خود بیان فرماتی ہیں کہ: حضورِ انور ﷺ جنگل میں ان وادیوں کی طرف جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ مجھے لے جانے کے لیے نہایت اہتمام کے ساتھ ایک عمدہ قسم کی شوخ اونٹنی میری سواری کے واسطے بھیجی۔

رسول اللہ ﷺ کی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دل لگی

حضورِ اقدس ﷺ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہنسی مذاق بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سر میں درد تھا، رسول اللہ ﷺ بھی بیمار تھے، آپ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا: اگر تم میری زندگی میں اللہ کو پیاری ہوگئیں تو میں اپنے

ہاتھ سے تمہیں غسل دوں گا اور اپنے ہاتھ سے تمہاری تجہیز و تکفین کروں گا اور تمہارے لیے دعا کروں گا۔ سیدہ عائشہؓ نے بھی مسکراتے ہوئے ازراہِ تفننِ طبع جواب دیا: یارسول اللہ! یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ میری موت کا جشن منائیں گے، اگر ایسا ہو جائے تو مجھے امید ہے کہ آپ میرے اسی حجرے میں نئی بیوی لاکر آباد کریں گے، رسول اللہ ﷺ یہ بات سن کر بے ساختہ تبسّم فرمانے لگے۔

حلوے سے دل لگی

حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں ایک دن نبیٔ کریم ﷺ کے لیے حلوہ تیار کرکے لے آئی، وہیں آپ کے پاس حضرت سودہؓ بھی بیٹھی ہوئی تھیں، میں نے کہا: سودہ! تم بھی کھاؤ، انہوں نے انکار کیا، میں نے دوبارہ کہا: سودہ! کھاؤ، ورنہ یہ تمہارے چہرے پر مَل دوں گی، مگر اس پر بھی جب حضرت سودہؓ نے انکار کر دیا، تو میں نے اپنے ہاتھ میں حلوہ اٹھا کر سودہ کے چہرے پر مَل دیا۔ یہ دیکھ کر نبیٔ کریم ﷺ خوب ہنسے، پھر آپ نے مجھے پکڑ کر دبوچ لیا اور حضرت سودہؓ سے فرمایا: اب تم اس کے چہرے پر مَل دو، چناں چہ حضرت سودہؓ نے باقی ماندہ حلوہ میرے چہرے پر مَل دیا، جسے دیکھ کر آپ نے پھر ہنسنا شروع کر دیا۔

آؤ! دوڑ لگائیں

ایک مرتبہ دورانِ سفر حضور اقدس ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا: چلو عائشہ! ہم تم دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: اُس وقت میں آپ ﷺ سے سبقت لے گئی، آپ خاموش رہے، پھر جب چند سالوں کے بعد میرا جسم بھاری ہوگیا، تب آپ نے دوبارہ مقابلے کی پیش کش کی، ہوا یوں کہ ایک سفر کے دوران آپ نے صحابہ کو آگے بھیج دیا اور مجھ سے فرمایا: چلو عائشہ! دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں، اس دفعہ

آپ جیت گئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا: یہ اُس دوڑ کا بدلہ ہے۔

بڑے میاں سے بچایا

حضورِ اکرم ﷺ کے سامنے ایک مرتبہ سیدہ عائشہؓ بلند آواز سے بول رہی تھیں، اسی وقت آپ کے والد حضرت ابوبکرؓ آ گئے، آپ ﷺ کے روبرو بیٹی کو بلند آواز سے بولتے ہوئے دیکھا تو تنبیہاً مارنے کے لیے بڑھے؛ مگر آپ ﷺ آڑے آ گئے اور سزا دینے سے روک دیا، جب حضرت ابوبکرؓ واپس چلے گئے تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: کہو جی! میں نے بڑے میاں سے تمہیں کیسا بچایا!!!

حدیثِ امِّ زرع

کبھی کبھی دل لگی کے لیے ایک دوسرے کو کہانی بھی سنایا کرتے تھے۔ آپ نے ایک روز سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خرافہ نامی شخص کی کہانی سنائی، جسے جنّات اٹھا کر لے گئے تھے۔ اسی طرح ایک روز حضرت عائشہ صدیقہؓ نے گیارہ سہیلیوں کی تفصیلی کہانی سنائی، جسے رسولِ اقدس ﷺ نے بڑے انہماک سے سنا، محدثین کے یہاں یہ حدیث ''حدیثِ امِ زرع'' کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ: ایک روز بارہ سہیلیاں آپس میں محوِ گفتگو تھیں، سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ آج ہر ایک اپنے اپنے خاوند کا حال سنائے گی اور کوئی بات چھپائے گی نہیں۔

پہلی سہیلی نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا: میرا خاوند اونٹ کا وہ گوشت ہے جو کسی پہاڑ پر رکھا ہوا ہو، نہ میدان ہے کہ کوئی وہاں پہنچ سکے اور نہ گوشت ہی اچھا ہے کہ کوئی اس کو اٹھا کر لے جائے۔

دوسری سہیلی بولی: میں اپنے خاوند کا حال بیان نہیں کروں گی، اگر بیان کرنے لگوں تو

یہ اس قدر طویل داستان ہے کہ اندیشہ ہے کہ کہیں کچھ اس میں سے رہ نہ جائے۔

تیسری نے کہا: میرا خاوند بڑا غصیلا ہے، اس کے بارے میں کچھ کہوں تو فوراً وہ مجھے طلاق دے دے گا، چپ رہوں تو یہ بھی مشکل، سمجھو کہ بیاہی ہوں اور نہ بن بیاہی۔

چوتھی بولی: میرا خاوند حجاز کی رات کے مانند ہے، نہ سرد اور نہ گرم یعنی معتدل مزاج ہے۔

پانچویں بولی کہ: میرا خاوند گھر آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے اور جب باہر جاتا ہے تو شیر کا روپ دھار لیتا ہے۔ جو وعدہ کرتا ہے اسے پورا کرتا ہے، اسے ایفائے عہد کے لیے یاددہانی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

چھٹی بولی کہ: میرا خاوند ایسا ہے کہ جب کھاتا ہے تو سب کچھ چٹ کر جاتا ہے، کوئی مشروب پیتا ہے تو جتنا سامنے آئے پیٹ میں انڈیل دیتا ہے، ساتھ لیٹتا ہے تو ساری چادر خود اوڑھ لیتا ہے، کبھی حال دریافت کرنے کے لیے ہاتھ چادر سے باہر نہیں نکالتا۔

ساتویں بولی: میرا خاوند احمق بھی ہے اور نامرد بھی، کبھی غصے میں آکر سر پھوڑ دیتا ہے اور کبھی طیش میں آکر ہڈی پسلی ایک کر دیتا ہے۔

آٹھویں نے کہا: میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح ملائم اور نرم و نازک ہے اور سونگھنے میں چنبیلی کی طرح خوشبودار ہے۔

نویں نے چہکتے ہوئے کہا: میرے شوہر کی حویلی بہت بڑی ہے، وہ قد کا بڑا لمبا ہے، وہ کھلے دل والا اور سخاوت کا دھنی ہے۔

دسویں نے کہا: واہ رے واہ! میرا شوہر مالک ہے، اور آپ کیا جانیں کہ مالک کیسا ہے؟ وہ ان سب سے بہتر ہے جن کا تذکرہ آج اس محفل میں کیا گیا، اس کے پاس بہت زیادہ تعداد میں اونٹ ہیں، جب کوئی تقریب ہو اس میں ضیافت کے لیے اپنے اونٹوں کو ذبح کرتے ہوئے بڑی خوشی محسوس کرتا ہے۔

گیارہویں سہیلی نے اپنے شوہر کا تذکرہ بڑے دل پذیر انداز میں کیا، کہنے لگی: میرے خاوند کا نام ابوزرع ہے، ارے میری سہیلیو! تم ابوزرع کو کیا جانو؟ یہ دیکھو اس نے زیوروں سے میرے کان اور بازو بھر دیے۔ ہمہ وقت اس کی مسکراہٹوں نے میرا دل خوش کر رکھا ہے۔ اس نے بکریاں چرانے والوں کے گھر مجھے دیکھا؛ لیکن ہنہنانے والے گھوڑوں، بلبلانے والے اونٹوں اور غلّے کے خرمنوں کے درمیان مجھے لا کر رکھ چھوڑا ہے، ہر طرف خوشحالی ہی خوشحالی، مسکراہٹیں ہی مسکراہٹیں، خوشیوں کی فراوانی۔ بولتی ہوں تو کچھ برا نہیں کہتا: بلکہ میرا منہ تکتا رہتا ہے، سوتی ہوں تو صبح کر دیتی ہوں، جگاتا نہیں کہ کہیں میں بے آرام نہ ہو جاؤں۔ میری سہیلیو! ابوزرع کی ماں بھی بڑی عظیم خاتون ہے، اس کے کپڑوں کی گٹھری کیا بتاؤں بہت بھاری، اور اس کے رہنے کا گھر بھی بڑا وسیع ہے۔ رہا ابوزرع کا بیٹا، کیا کہنے اس کے! سوتا ہے تو ننگی تلوار معلوم ہوتا ہے، کھاتا ہے تو بکری کی پوری ران کھا جاتا ہے۔ ابوزرع کی لاڈلی بیٹی کے کیا کہنے! والدین کی فرماں بردار اور سوکن کے لیے قابلِ رشک۔ ابوزرع کی خادمہ؛ وہ تو ایسی بھلی مانس ہے کہ کبھی گھر کی کوئی بات باہر نہیں پہنچاتی، اناج کو فضول برباد نہیں کرتی، گھر کو صاف ستھرا رکھتی ہے۔ ایک دن ابوزرع کو ایک حسین و جمیل عورت ملی جو اس کو پسند آ گئی، ابوزرع نے مجھے طلاق دے کر اس کے ساتھ نکاح کر لیا تو میں نے بھی ایک شریف الطبع شخص کے ساتھ شادی کر لی جو عربی گھوڑے کا شہسوار اور ماہر نیزہ باز تھا، اس نے مجھ پر طرح طرح کی نعمتیں نچھاور کیں اور ہر قسم کا سامانِ راحت مہیا کیا، لیکن اس خاوند نے مجھے جو کچھ بھی دیا وہ ابوزرع کے ایک چھوٹے برتن کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے تحمّل اور انہماک سے دیر تک یہ کہانی سنتے رہے، پھر فرمایا: عائشہ! میں تمہارے لیے ویسا ہی ہوں جیسا ابوزرع امِ زرع کے لیے تھا، البتہ اس نے تو امِّ زرع کو طلاق دے دی تھی؛ مگر میں ایسا نہیں کروں گا، حضرت عائشہؓ نے کہا: یا رسول

اللہ! آپ تو ابوزرع سے کہیں زیادہ میرے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں، آپ کا حسنِ سلوک تو بے مثال ہے۔

سرتاج کی عطا کردہ کنیت

حضرت عائشہؓ کی کنیت امِّ عبداللہ ہے، اس کنیت کے پس منظر میں بھی حضور ﷺ کی محبّت وشفقت جھلکتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عائشہؓ سے دو روایتیں منقول ہیں:
پہلی روایت امام ابو داؤد نے نقل فرمائی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے دربارِ رسالت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری سہیلیوں کی کنیت ہے، میری کوئی کنیت نہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم اپنی ہمشیرہ اسماء کے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ کی مناسبت سے اپنی کنیت ''امِ عبداللہ'' رکھ لو۔
صحیح ابنِ حبان کی ایک اور روایت میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ خود فرماتی ہیں کہ: جب عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو میں اسے لے کر نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ نے اپنا لعابِ مبارک اس کے منہ میں ڈالا۔ پہلی چیز جو عبداللہ کے پیٹ میں داخل ہوئی وہ رسول اللہ ﷺ کا لعابِ مبارک تھا، پھر نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کا نام عبداللہ ہے اور تم امِ عبداللہ ہو۔ پھر زندگی بھر میری یہی کنیت رہی، حالاں کہ میرے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

فضائل ومناقب

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فضائل ومناقب کے سلسلے میں حدیث وتاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں، اس لیے ہم صرف چند پر اکتفا کرتے ہیں:
بخاری شریف میں ہے کہ: ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ جبرئیل ہے تم کو سلام کہتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے ''وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ

وبر کاتہ" کے ذریعے جواب دے کر عرض کیا: یارسول اللہ! آپ دیکھتے ہیں اور میں نہیں دیکھتی ہوں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: "کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء غیر مریم بنت عمران وآسیة امرأة فرعون وأن فضل عائشة على النساء كفضل الثريد علىٰ سائر الطعام".

مردوں میں بہت کامل گذرے؛ لیکن عورتوں میں سے مریم بنتِ عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون کے سوا کوئی کامل نہ ہوئی اور عائشہ کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر۔

نو خصوصیتیں

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ: مجھے نو خوبیاں ایسی عطا کی گئیں جو مریم بنتِ عمران کے علاوہ کائنات کی کسی اور خاتون کو نہیں دی گئیں اور خدا کی قسم! میں یہ باتیں فخر وتکبر کے طور پر نہیں کہتی؛ بلکہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہتی ہوں، وہ نَو یہ ہیں:

(۱) جبرئیل علیہ السلام نے میری تصویر سبز ریشم کے غلاف میں لپیٹ کر رسول اللہ ﷺ کو دکھائی اور کہا: یہ دنیا وآخرت میں آپ کی رفیقۂ حیات ہے۔

(۲) میرے سوا کوئی اور کنواری بیوی سید المرسلین ﷺ کے حبالۂ عقد میں نہ تھی۔

(۳) اور ازواج کے لیے ایک رات دن تھا اور میرے لیے دو دن دو راتیں تھیں۔ ایک میری اور دوسری سودہ کی۔

(۴) جب آپ ﷺ کی پاکیزہ روح قفسِ عنصری سے پرواز ہوئی تو آپ ﷺ کا مبارک سر میری گود میں تھا اور میرے حجرے میں ہی آپ کا جسدِ مبارک دفن کیا گیا۔

(۴) بسا اوقات فرشتوں نے میرے گھر کو عزت واحترام کے ساتھ اپنے گھیرے میں

لے لیا۔

(۵) بعض اوقات وحی ایسے وقت میں نازل ہوتی جب کہ میں آپ کے پہلو میں محوِ استراحت ہوتی۔

(۶) میں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اور صدّیق کی بیٹی ہوں۔

(۷) آسمان سے میری برأت میں قرآنی آیات نازل کی گئیں۔

(۸) میری پیدائش پاکیزہ ماحول میں ہوئی اور پاکیزہ سیرت ذاتِ اقدس ﷺ کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

(۹) مجھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مغفرت اور رزقِ کریم کا اعزاز حاصل ہوا۔

دیدارِ جبرئیل

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: میں نے ایک روز رسول اللہ ﷺ کو گھوڑے پر بیٹھے ایک شخص سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا، آپ گھوڑے کی گردن کے بالوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے، میں نے آپ سے دریافت کیا کہ: آپ آج گھوڑے پر بیٹھے دحیۂ کلبی سے باتیں کر رہے تھے اور آپ نے اپنے ہاتھ گھوڑے کی گردن پر رکھے ہوئے تھے؟ آپ نے حیران ہوکر پوچھا: کیا تم نے مجھے دیکھ لیا تھا؟ عرض کیا: ہاں! فرمایا: وہ دحیۂ کلبی کی صورت میں جبرئیل تھے، انہوں نے تمہیں بھی سلام کہا ہے، سیدہ عائشہؓ نے برجستہ "وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ" وبرکاتہ کہتے ہوئے عرض کیا: اللہ تعالیٰ مہمان ومیزبان کو جزائے خیر عطا کرے، کیا کہنے! کتنا ہی اچھا مہمان اور کتنا ہی عالیشان میزبان ہے!

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے، سیدہ عائشہؓ نے باہر ایک اجنبی شخص کو کھڑے ہوئے دیکھا،

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی، آپ باہر تشریف لے گئے، کیا دیکھتے ہیں کہ جبرئیل کھڑے ہیں، آپ نے فرمایا: اندر تشریف لے آئے، انہوں نے فرمایا: ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصاویر ہوں، آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک پِلّا کونے میں دبکا بیٹھا ہے، آپ نے اسے باہر نکالا تو حضرت جبرئیلؑ اندر تشریف لائے۔

حیاتِ طیّبہ کے آخری لمحات اور سیدہ صدیقہؓ کا اعزاز

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ: سرورِ عالم ﷺ میرے گھر میں، میری باری کے دن، میری گود میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ زندگی کے آخری لمحات میں میرا اور آپ کا لعابِ دہن اللہ تعالیٰ نے یوں ملایا کہ آپ میری گود میں سر رکھے ہوئے لیٹے تھے، میرا بھائی عبدالرحمٰن اندر آیا، اس کے ہاتھ میں مسواک تھی، آپ ﷺ مسواک کی طرف شوق بھری نظروں سے دیکھنے لگے، میں تاڑ گئی کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، میں نے عرض کیا: مسواک پیش کروں؟ تو آپ ﷺ نے اشارہ سے کہا کہ: ہاں! میں نے بھائی جان سے مسواک لے کر آپ کے ہاتھ میں دی، مسواک قدرے سخت تھی، میں نے عرض کیا: اسے نرم کردوں؟ تو آپ نے پھر اشارہ کیا کہ: ہاں! میں نے اپنے دانتوں سے چبا کر اسے نرم کیا اور آپ کی خدمت میں پیش کردیا، آپ اسے اپنے دانتوں پر ملنے لگے۔ اس طرح میرا لعابِ دہن آپ کے لعابِ دہن سے مل گیا، میں اسے بڑی نعمت سمجھتی ہوں، بلاشبہ یہ میرے لیے بہت بڑی سعادت تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لیے دعا

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ: ایک دن میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو بہت خوش وخرّم دیکھا تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے تو آپ نے فرمایا: ”اللهم اغفر لعائشة ماتقدم من ذنبها وما تأخر، وما أسرت وما

أعلنت".

اے اللہ! عائشہ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرمادے اور جو چھپے ہوں یا ظاہر ہوں ان کو بھی معاف فرمادے۔

نبی کریم ﷺ کی یہ دعا سن کر حضرت عائشہ صدیقہؓ خوشی سے اس قدر شرمائیں اور ہنسیں کہ آپؓ کا سر اپنی گود تک جھک گیا، یہ دیکھ کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہیں میری اس دعا سے خوشی ہوئی؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے آپ کی دعا سے خوشی کیوں نہ ہو، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت کے لیے ہر نماز میں یہی دعا کرتا ہوں اور ملائکہ اس پر ''آمین'' کہتے ہیں۔

خصائلِ حمیدہ

حضرت عائشہ صدیقہؓ اخلاق و عادات کے اعتبار سے بھی بہت اونچے مقام پر فائز تھیں، آپؓ میں اوصافِ حسنہ اور خصائلِ حمیدہ کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے، آپؓ میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور رضا جوئی کی صفت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ آپؓ رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کی خاطر ہمیشہ کمر بستہ رہتی تھیں، حضور ﷺ کے قرابت داروں کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ قناعت کی صفت بھی آپ میں وافر مقدار میں موجود تھی، دنیاوی مال واسباب کی طرف ذرا بھی توجہ نہ تھی۔ نہایت فیاض، غریب پرور اور مہمان نواز تھیں۔

فیّاضی وسخاوت

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باہر سے ایک وفد حاضر ہوا، اتفاق سے آپ ﷺ گھر میں تشریف فرما نہیں تھے، حضرت عائشہؓ نے فوراً کھانا پکوانے کا حکم دیا اور مہمانوں کے پاس ایک طبق میں کھجوریں رکھ کر بھجوادیں، آپ ﷺ تشریف لائے تو حسبِ معمول سب سے اول یہ دریافت فرمایا کہ: کچھ ضیافت کا سامان ہوا یا نہیں؟ عرض

کیا گیا کہ: سب انتظام ہو چکا ہے۔

مہمانوں کی میزبانی کا ایک اور واقعہ ابو دؤد کی ''کتاب الادب'' میں مذکور ہے جس کی تفصیل حضرت یعیش کی زبانی یوں ہے کہ: حضور ﷺ نے ایک دن ہم (اصحابِ صفہ) سے فرمایا: میرے ساتھ عائشہ کے مکان پر چلو۔ آپ ﷺ کی معیت جب ہم ان کے مکان پر پہنچے تو آپ نے فرمایا: عائشہ! ہمیں کچھ کھلاؤ، وہ حشیشہ (مختلف قسم کے دالوں کو کوٹ کر بنایا جانے والا ایک لذیذ عربی کھانا) لے آئیں، ہم سب نے مل کے اسے کھایا۔ حضور ﷺ نے پھر فرمایا کہ: عائشہ! ہمیں کچھ کھلاؤ، تو وہ تھوڑا سا حلوہ لے آئیں، ہم نے اسے بھی کھالیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اے عائشہ! کچھ پلاؤ، وہ دودھ کا ایک بڑا پیالہ لے آئیں، ہم نے پیا۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا: کچھ پلاؤ، تو دوبارہ وہ ایک چھوٹے پیالے میں دودھ لے آئیں جسے ہم نے نوش کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے سانحۂ ارتحال کے بعد جب فتوحات کا دائرہ پھیلا تو پورا عرب مسخر ہو گیا، تمام صوبوں سے مرکزی بیت المال میں وافر مقدار میں نقدی اور غلہ جمع ہونے لگا؛ لیکن جس دن آپ ﷺ نے وفات پائی اس دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر پورے ایک دن کے گذارے کا سامان بھی نہ تھا، اس کیفیت کو آپ نے عمر بھر بدستور قائم رکھا، آسودگی کے ایام میں بھی بے شمار مال آتا؛ لیکن شام سے پہلے فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیا جاتا۔ حضرت عائشہؓ کے اخلاق کا سب سے ممتاز پہلو ان کی طبعی یہی فیّاضی اور کشادہ دستی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ: حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ دونوں بہنیں بہت فیّاض، کشادہ دل اور سخی تھیں، جو کچھ ہاتھ آتا اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتیں۔

حضرت عروہؓ فرماتے ہیں کہ: ایک روز حضرت عائشہ نے ایک ہی مجلس میں ستر ہزار درہم اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیے اور اپنا وہ کپڑا سب کے سامنے جھاڑ دیا جس میں درہم بندھے ہوئے تھے۔

ایک دفعہ حضرت امیرِ معاویہؓ نے شام سے ایک لاکھ درہم بھیجے، رات آنے سے پہلے سب کے سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیے، اس دن حضرت عائشہؓ کا روزہ تھا، خادمہ نے کہا: اس میں سے کچھ افطاری کے لیے رکھ لیا ہوتا، فرمایا: تم نے مجھے پہلے یاد دلا دیا ہوتا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک لاکھ درہم حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجے، آپ نے وہ بھی اسی وقت اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیے۔

ایک مرتبہ حضرت منکدر بن عبداللہ، اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پوچھا: تمہارے کوئی اولاد ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، فرمایا: اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو تم کو دے دیتیں۔ حسنِ اتفاق سے اسی شام کو امیرِ معاویہؓ نے آپ کے پاس خطیر رقم بھیجی، فرمانے لگیں: کس قدر جلد میری آزمائش ہوئی، فوراً آدمی بھیج کر حضرت منکدر کو بلایا اور دس ہزار درہم ان کو عطا کیے، انہوں نے اس رقم سے ایک باندی خریدی جس سے متعدد بچے پیدا ہوئے۔ بعض روایات میں رقم بھیجنے والے کے طور پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا بھی نام آیا ہے۔

ایک دن حضرت عائشہ کا روزہ تھا، ایک مانگنے والی نے کھانے کے لیے کچھ مانگا، آپ نے خادمہ کو حکم دیا کہ گھر میں جو روٹی ہے اس کو دے دو، اس نے عرض کیا: شام کو افطاری کے لیے گھر میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے، آپ نے تلخ لہجے میں ارشاد فرمایا: یہ تو اسے کھانے کے لیے دے دو، شام کو دیکھا جائے گا۔ شام ہونے سے پہلے کسی نے پکا ہوا گوشت ہدیہ میں بھیجا، آپؓ نے خادمہ سے فرمایا: دیکھا! اللہ تعالیٰ نے تمہاری روٹی سے بہتر انتظام کر دیا ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ نے اپنا رہائشی مکان امیرِ معاویہؓ کو فروخت کر دیا، اس کی جو قیمت ملی تمام کی تمام اللہ کی راہ میں خرچ کر دی۔

ایثار کا اعلیٰ درجہ

حضرت عائشہؓ کی سب سے بڑی فیّاضی اور ایثار یہ تھا کہ آپؓ کے حجرے میں جب رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ دفن ہو چکے تو ایک قبر کی جگہ خالی تھی، حضرت عائشہؓ نے اس کو اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا، کسی مسلمان اور خاص کر حضرت عائشہؓ کی اس سے بڑھ کر اور کیا تمنّا ہو سکتی تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے جوار اور حضرت ابوبکرؓ کے قریب دفن ہوں۔ مگر جب حضرت عمرؓ نے مرتے وقت اپنے بیٹے عبداللہ کو بھیجا اور کہلوایا کہ عمر اپنے رفیقوں کے ساتھ دفن ہونا چاہتا ہے، آپ کی اجازت مطلوب ہے، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ: میں نے تو اس جگہ کو اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا؛ مگر چوں کہ آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی بہت خدمت کی ہے؛ اس لیے آپ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ آخر کار حضرت عمرؓ وہیں پر دفن ہوئے۔ یہ ایسی فیّاضی ہے جس کی مثال نہیں مل سکتی۔

مستدرکِ حاکم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعلّق سے خواب میں کچھ اشارے بھی ہو چکے تھے، خود اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ: میں خواب میں دیکھا کہ تین چاند میرے حجرے میں اترے ہیں، میں نے اپنا یہ خواب ابّا جان (سیدنا ابوبکر صدیقؓ) کے سامنے بیان کیا، تب آپ خاموش رہے، جب نبیٔ کریم ﷺ کو میرے حجرے میں دفن کیا گیا تو ابّا جان نے فرمایا: یہ تیرا ایک چاند ہے اور یہ سب سے بہتر ہے۔ پھر اسی حجرے میں یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دفن کیا گیا۔

نرم دلی

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا دل بہت نرم تھا، بات بات پر آپ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک مانگنے والی عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے اپنی گود میں دو ننھے منے بچے اٹھائے ہوئے تھے، اس وقت حضرت

عائشہؓ کے پاس کھجور کے صرف تین دانے تھے، وہ اس عورت کو دے دیے۔ اس نے ایک ایک کھجور دونوں بچوں کو دے دی اور ایک اپنے منہ میں ڈال لی، ایک بچے نے اپنے حصے کی کھجور جلدی سے کھا کر حسرت بھری نگاہ سے اپنی ماں کی طرف دیکھنا شروع کر دیا، اس نے کھجور اپنے منہ سے نکالی اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور دونوں بچوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا۔ ماں کی محبت کا یہ دل آویز منظر دیکھ کر اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

سیدہ عائشہؓ کی حیا

اسحاق نابینا کہتے ہیں کہ: میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے مجھ سے پردہ کیا، میں نے کہا کہ: آپ مجھ سے پردہ کرتی ہیں حالاں کہ میں تو آپ کو دیکھ بھی نہیں سکتا، تو انہوں نے فرمایا: اگر تم مجھے دیکھ نہیں سکتے تو کیا ہوا؟ میں تو تم کو دیکھ سکتی ہوں۔

آپؓ سرتاپا شرم وحیا کی پیکر تھیں۔ اس گھر میں بغیر پردے کے داخل ہوتیں جس میں رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ دفن تھے، اور فرمایا کرتیں کہ: ایک میرا خاوند ہے اور دوسرا میرا والد ہے، ان دونوں سے کیسا پردہ! جب وہاں سیدنا عمر بن خطابؓ دفن کیے گئے تو مارے شرم وحیا کے پردے کے ساتھ داخل ہونے لگیں۔

غیبت وبدگوئی سے پرہیز

حضرت عائشہؓ غیبت اور بدگوئی سے بھی بہت پرہیز کرتی تھیں، انہوں نے کبھی کسی کی برائی نہیں کی۔ کتبِ احادیث میں ان کی ہزاروں روایتیں درج ہیں جن میں ایک بھی ایسی نہیں جس سے کسی کی توہین یا بدگوئی ظاہر ہوتی ہو۔ وہ سوکنوں کے ساتھ بھی

کشادہ پیشانی سے پیش آتی تھیں، ان کو شکایت کا کوئی موقع نہ دیتی تھیں اور ان کے فضائل واوصاف بیان کرتی تھیں، جن لوگوں سے ان کو صدمہ پہونچا تھا ان کو بھی حضرت عائشہؓ نے برائی سے یاد نہ کیا۔ واقعۂ افک میں ایک حیثیت سے حضرت حسان بن ثابتؓ کی کی شرکت سے ان کو بہت صدمہ پہونچا تھا؛ مگر وہ ان کی عزت کرتی تھیں، انہیں پاس بٹھاتی تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک بار حضرت حسان بن ثابت نابینا ہونے کے بعد اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئے، آپؓ نے انہیں عزت کے ساتھ بٹھایا، جب وہ گئے تو لوگوں نے طنزاً عرض کیا: کیا یہ بھی صحابہ میں سے ہیں؟ فرمایا: کیا یہ وہ نہیں ہیں جن کا یہ شعر ہے:

فإن أبي ووالده وعرض — لعرض محمد منكم وفاء

صرف یہ شعر ان کے تمام گناہوں کی مغفرت کے لیے کافی ہے۔ حضرت عائشہؓ کے بعض عزیز افک میں شرکت کی وجہ سے حسان کو بُرا کہنا چاہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ان کو سختی سے منع کیا کہ ان کو بُرا نہ کہو، یہ آں حضرت ﷺ کی طرف سے شعرائے مشرکین کو جواب دیتے ہیں۔

دشمنوں سے سلوک

آپ اپنے دشمنوں سے بغض رکھنا بھی پسند نہ فرماتی تھیں، حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو حضرت معاویہؓ بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کر دیا تھا۔ ایک بار حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی غزوہ میں سپہ سالار مقرر کیے گئے، حضرت عائشہؓ نے ایک شخص سے پوچھا کہ: اس غزوہ میں معاویہ کا برتاؤ فوج کے ساتھ کیسا رہا، اس نے کہا: ان میں کوئی عیب نہ تھا، سب لوگ ان سے راضی ہیں، کسی کا اونٹ مر جاتا ہے تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دیتے تھے، کسی کا گھوڑا ضائع ہو جاتا تھا تو اس کو دوسرا

گھوڑا عطا فرماتے تھے، کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو اس کی جگہ غلام دے دیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ یہ سن کر فرمانے لگیں: استغفر اللہ! اگر میں ان سے اس بنا پر ناراض رہوں یا بغض رکھوں کہ وہ میرے بھائی کے قاتل ہیں۔ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ: خداوندا! جو شخص میری امت کے ساتھ ملاطفت کرے تو بھی اس کے ساتھ ملاطفت کر اور جوان پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر۔

بھائیوں سے محبت

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کا مقامِ حبشہ میں انتقال ہوا اور لاش مکّہ میں لا کر دفن کی گئی، حضرت عائشہؓ فرطِ محبت سے ان کی قبر پر گئیں اور فرمانے لگیں: اگر میں موت کے وقت موجود ہوتی تو تم وہیں دفن ہوتے جہاں تم نے انتقال کیا تھا اور میں تمہاری زیارت کو نہ آتی۔ حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابوبکرؓ کے بچے یتیم ہو گئے تو حضرت عائشہؓ نے خود ان کی پرورش کی۔

حفظِ مراتب

ایک بار دروازے پر ایک سائل حاضر ہوا، حضرت عائشہؓ نے ایک روٹی کا ٹکڑا دے کر رخصت کیا۔ پھر ایک خوش لباس مسافر آیا اس کو بٹھا کر کھانا کھلایا، جب لوگوں نے اس تفریق پر اعتراض کیا تو فرمانے لگیں: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”أنزلوا الناس منازلهم“ ہر شخص سے اس کے درجہ کے مطابق سلوک کرو۔

کثرتِ عبادت

حضرت عائشہؓ کثرت سے روزے رکھا کرتیں اور نفل نماز بھی خوب پڑھا کرتی تھیں۔ چاشت کی نماز کا خاص اہتمام کرتی تھیں، آٹھ رکعات پڑھتیں اور یہ فرماتی تھیں کہ: میرے ماں باپ بھی اگر قبر سے اٹھ کر آ جائیں تب بھی اس نماز کو نہیں

چھوڑوں گی؛ بلکہ ان کی خدمت کرتے ہوئے بھی اس کو ضرور پڑھوں گی۔

تلاوت اور گریہ وزاری

تلاوتِ قرآن آپ کا خاص شغل تھا، تلاوت کے وقت بعض آیات پر ان کی آنکھوں سے آنسو کی جھڑی لگ جاتی تھی۔ عمارہ بن عمیر فرماتے ہیں کہ: حضرت عائشہؓ جب آیتِ کریمہ ﴿وقرن في بيوتكن﴾ کی تلاوت کرتیں تو اس قدر روتیں کہ اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔

حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر فرماتے تھے کہ: میرا ہمیشہ یہ معمول رہا ہے کہ جب صبح کو گھر سے نکلتا تو سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے گھر جاتا اور سلام کرتا (یہ حضرت عائشہؓ کے بھتیجے تھے) ایک مرتبہ جب میں ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ کھڑی ہوئی نفل نماز پڑھ رہی ہیں، اور بار بار اس آیت کو پڑھ رہی ہیں:

﴿فمنّ الله علينا ووقانا عذاب السموم﴾

میں سلام پھیرنے کے انتظار میں کھڑا رہا، حتیٰ کہ طبیعت اکتا گئی اور میں ان کو اسی حال میں چھوڑ کر اپنی ضرورت کے لیے بازار چلا گیا، پھر جب واپس آیا تو دیکھا کہ وہ ابھی بھی اسی طرح نماز میں کھڑی ہیں اور رو رہی ہیں۔

حضرت عائشہؓ اور تہجد

تہجد کی نماز حضرت عائشہؓ کے معمولات میں داخل تھی جسے انہوں نے حضور ﷺ کے زمانے سے ہی اپنی زندگی کا جز بنا لیا تھا۔ خود فرماتی ہیں کہ: اکثر ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ پوری پوری رات نماز میں مشغول رہتے اور بہ حیثیت مقتدی کے میں آپ کے ساتھ شریک رہتی۔ آپ ﷺ سورۂ بقرہ، آلِ عمران، نساء جیسی طویل سورتیں

پڑھتے، جہاں خوفِ خدا کے مضمون پر مشتمل کوئی آیت آتی تو آپ عذابِ الٰہی سے پناہ کے طالب ہوتے اور آیاتِ رحمت پر اس کی رحمت کا سوال کرتے۔

حضرت عائشہؓ اور روزہ

روزوں کی کثرت آپ کا خاص شغل تھا۔ ایک مرتبہ سخت گرمی کے موسم میں عرفہ کے دن یعنی نویں ذی الحجہ کو روزہ سے تھیں، سخت گرمی کی وجہ سے سر پر پانی کے چھینٹے دیے جارہے تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے (جو حضرت عائشہؓ کے بھائی تھے) فرمایا: اس گرمی میں نفل روزہ کوئی ضروری نہیں ہے، افطار کر لیجیے (بعد میں قضا رکھ لینا کافی ہوگا) یہ سن کر فرمایا کہ: حضور اقدس ﷺ سے یہ سننے کے بعد کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے سال بھر کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، میں اپنا روزہ کیسے توڑ دوں!!!

حضور پُر نور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آپ کے ساتھ مسجد میں اعتکاف کی بھی متمنی رہا کرتی تھیں۔ ایک سال تو اس کے لیے اپنا خیمہ بھی نصب کروالیا تھا، اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد پابندی کے ساتھ اپنے حجرے میں اعتکاف کیا کرتی تھیں۔

خوفِ خدا اور فکرِ آخرت

حضرت عائشہؓ عابدہ، زاہدہ ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والی اور آخرت کی بہت زیادہ فکر رکھنے والی تھیں۔

ایک مرتبہ دوزخ یاد آ گئی تو رونا شروع کر دیا، آنحضرت ﷺ نے رونے کا سبب پوچھا تو عرض کیا: مجھے دوزخ کا خیال آ گیا، اس لیے رو رہی ہوں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے دربارِ رسالت میں عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! جب سے آپ نے منکر نکیر کی ہیبت ناک آواز کا اور قبر کے بھینچنے کا ذکر فرمایا ہے اس وقت سے

مجھے کسی چیز سے تسلّی نہیں ہوتی، اور دل کی پریشانی دور نہیں ہوتی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اے عائشہ! منکر نکیر کی آواز مؤمن کے کانوں میں ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے آنکھوں میں سرمہ اور قبر کا مؤمن کو دبانا ایسا ہوتا ہے جیسے کسی کے سر میں درد ہو اور اس کی ماں شفقت سے آہستہ آہستہ دبائے اور وہ اس سے آرام وراحت پائے۔

بیماری کے زمانے میں اکثر کہا کرتی تھیں کہ: کاش! میں کوئی درخت ہوتی، کاش! میں درخت کی کوئی پتّی ہوتی جس کا حساب وکتاب نہ ہوتا۔ جنگِ جمل کا واقعہ جب بھی یاد آجاتا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خالہ جان حضرت عائشہؓ کی بے پناہ فیّاضی دیکھ کر ایک دفعہ کسی کے سامنے یوں کہہ دیا کہ: یا تو وہ اتنے خرچ سے خود ہی رک جائیں ورنہ میں ان کا ہاتھ خرچ سے روک دوں گا۔ جب حضرت عائشہؓ کو یہ بات پہنچی تو فرمایا: اچھا! عبداللہ نے ایسا کہا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا کہ: میں نے نذر مان لی کہ زبیر کے بیٹے سے کبھی نہ بولوں گی۔ اس کے بعد عرصہ تک بول چال بند رکھی، پھر حضور کے ننہال رشتہ دار قبیلۂ بنی زہرہ کے لوگوں کو سفارشی بنایا اور بڑی مشکل سے مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن الاسود کے کہنے کے بعد ان سے بولنا شروع کیا اور نذر کے کفارے میں چالیس غلام آزاد کیے۔ اور جب کبھی قسم کے توڑ دینے کا خیال آجاتا تو روتے روتے اپنا دوپٹہ تر کر لیتی تھیں، اور قسم کے ٹوٹ جانے پر مواخذے سے ڈرتی تھیں اور گو نذر کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرنا کافی ہے؛ لیکن ان پر خوفِ خدا اس قدر غالب تھا کہ بار بار غلام آزاد کرتی تھیں کہ شاید اب خطا معاف ہوجائے، شاید اب خطا معاف ہوجائے۔

زہد وقناعت اور سادگی

حضرت عمرؓ نے ازواجِ مطہرات میں سے ہر ایک کے لیے دس ہزار درہم سالانہ گذارہ

مقرر کیا اور حضرت عائشہؓ کے لیے بارہ ہزار مقرر کیا؛ کیوں کہ وہ تمام امہات المؤمنین میں سب سے زیادہ معزز تھیں،لیکن انہوں نے اس زیادتی کو منظور نہیں فرمایا،اور کہا کہ: آپ ﷺ نے ہم سب کو برابر رکھا اب گذارہ بھی برابر رہنا چاہیے، میں زیادہ نہیں لے سکتی۔

پھٹے کپڑوں میں خود پیوند لگا کر پہنتی تھیں۔ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا کہ: اب تو کپڑوں کی کمی نہیں ہے، آپ نئے کپڑے کیوں نہیں پہنتیں؟ فرمایا کہ: آں حضرت ﷺ کی وصیت ہے کہ جب تک پیوند نہ لگاؤ کپڑے کو مت چھوڑو، جو پیوند نہیں لگاتا اس کو نئے کپڑے کا کیا لطف آئے گا!۔

کثیر بن عبد کا بیان ہے کہ: میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اس وقت اپنے کپڑے میں پیوند لگا رہی تھیں۔ مجھ سے فرمایا: ذرا ٹھہرو (اتنا کام کر کے بات کرتی ہوں) چناں چہ میں نے توقف کیا۔پھر جب گفتگو شروع ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ: اگر میں باہر جا کر لوگوں سے کہوں کہ: اُمّ المؤمنین پیوند لگا رہی تھیں تو آپ کو لوگ بخیل سمجھیں گے،اس کے جواب میں فرمایا کہ: سمجھ کو بات کرو۔حقیقت یہ ہے کہ جس نے پرانا کپڑا نہ پہنا اسے نیا کپڑا پہننے میں کیا لطف آئے گا!۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ: اے عائشہ! اگر تو آخرت میں مجھ سے ملنا چاہتی ہے تو تجھے دنیا میں سے اتنا سامان کافی ہونا چاہیے جتنا مسافر اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے،اور مالداروں کے پاس بیٹھنے سے پرہیز کر،اور کسی کپڑے کو پرانا سمجھ کو پہننا مت چھوڑ جب تک کہ تو اس کو پیوند لگا کر نہ پہن لیوے۔حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے تھے کہ: خالہ جان! اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے نیا کپڑا اس وقت تک نہیں بناتی تھیں جب تک کہ پہلے بنائے ہوئے کپڑے میں پیوند نہ لگ جائے اور بوسیدہ نہ ہو جائے۔

حضرت عروہؓ اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ستّر ہزار کی مالیت حاجت مندوں میں تقسیم فرمادی،اور اپنا یہ حال تھا کہ تقسیم کے وقت

کرتے میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔

آپؓ ہمیشہ موٹے اور کم قیمت کے کپڑے پہنتی تھیں اور ان کو زعفران اور ارغوانی رنگ میں رنگ لیتی تھیں، ہاتھوں میں سونے اور چاندی کی انگوٹھی بھی ڈال لیتی تھیں۔ ایک شخص نے پوستین تحفے میں پیش کی، فرمایا کہ: مجھے مرے ہوئے جانور کی کھال سے نفرت ہے۔ انہوں نے کہا کہ: ہم نے اس کو اچھی طرح پکا کر صاف کرلیا ہے، تب اسے قبول کیا اور پہنا۔ لباس میں زعفرانی رنگ کا کرتہ اکثر رواۃ سے منقول ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ: سرخ کرتہ اور سیاہ اوڑھنی زیبِ تن فرماتی تھیں۔ ایک ریشمی چادر بھی کبھی کبھی استعمال فرماتی تھیں جو بعد میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو عنایت فرمادی۔ قناعت پسندی کی وجہ سے ایک ہی جوڑا پاس رکھتی تھیں اور اسی کو دھو دھو کر پہنتی تھیں۔ آپ کے پاس ایک کرتہ بھی تھا جو تقریبات میں دلہن کے لیے آپؓ سے مستعار لیا جاتا تھا۔ مدینے کی اکثر شادیوں میں یہی کرتہ استعمال ہوتا تھا۔

عورتیں بالعموم اسراف کی عادی ہوا کرتی ہیں؛ مگر حضرت عائشہؓ میں میں قناعت کا وصف خصوصیت سے ودیعت ہوا تھا۔ لذائذِ دنیوی اور مال ومنال کی طرف رخ بھی نہ کرتی تھیں۔

باوجود کثیر آمدنی کے بھی مہینے میں کئی کئی دن ایسے آتے تھے جن میں فاقہ کرنا پڑتا تھا؛ کیوں کہ وہ ایک دن کی آمدنی دوسرے دن کے لیے نہیں رکھتی تھی۔

امام ترمذی نے ''باب الزہد'' میں لکھا ہے کہ: حضور ﷺ کے بعد ایک مرتبہ آپ نے کھانا طلب کیا، پھر فرمایا کہ: جب کبھی سیر ہو کر کھانے کا موقع ملتا ہے تو رونا آجاتا ہے؛ اس لیے میں کبھی شکم سیر ہو کر نہیں کھاتی، کسی نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: مجھے وہ حالت یاد آجاتی ہے جس میں آں حضرت ﷺ نے دنیا کو چھوڑا تھا۔ خدا کی قسم! زندگی بھر دن میں دو دفعہ سیر ہو کر آپ ﷺ نے روٹی اور گوشت تناول نہیں فرمایا۔

معمولی سمجھے جانے والے گناہوں سے بچنے کی کوشش

منہیات کے قبیل سے چھوٹی اور معمولی سمجھی جانے والی چیزوں اور باتوں سے بھی وہ شدت کے ساتھ بچنے کی کوشش کیا کرتی تھیں اس اہتمام اور شدّت کا اندازہ درجِ ذیل معمول سے لگایا جاسکتا ہے:

چناں چہ درمیانِ سفر جب آگے کی سَمت سے گھنٹی اور موسیقی وغیرہ کی آواز کان میں پڑتی تو غلام کوٹھہر جانے کا حکم دے دیا کرتیں، اور وہ آواز اگر پیچھے کی جانب سے آتی تو فرماتیں کہ: تیزی کے ساتھ آگے بڑھ چلو (مقصد یہ ہوتا تھا کہ بغیر قصد وارادہ بھی مکروہ آواز کان میں نہ پڑنے پائے)۔

علمی وتربیتی خدمات

کمالِ علم

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ پوری امّت کی عورتوں سے زیادہ عالمہ، فاضلہ اور فقیہہ تھیں۔ ان کا یہ تبصرہ حقیقت پر مبنی ہے؛ کیوں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت صدیقِ اکبرؓ کے گھر پرورش پائی، نبیٔ اکرم ﷺ کے گھر ازدواجی زندگی بسر کی، علمِ نبوت سے بہ راہِ راست فیض یاب ہوئیں، قرآنی آیات کے اسبابِ نزول کی عینی شاہد تھیں، ان کا حجرہ وحیٔ الٰہی کے نزول کا محور ومرکز رہا، پھر انہیں بھلا "أفقه نساء الأمّة" کا اعزاز کیوں حاصل نہ ہوتا۔

جس قدر عورتیں دربارِ نبوت میں مسئلہ پوچھنے آتیں زیادہ تر حضرت عائشہؓ ہی کے واسطے سے پوچھتیں، اور یہ رسوخ جو حضور ﷺ کی خدمت میں آپؓ کو حاصل تھا آپؓ کے کمالِ ذہانت، تقویٰ اور دینداری کی وجہ سے تھا۔ آپؓ میں بڑی خوبی یہ تھی کہ جو بات

آپؓ کی سمجھ میں نہ آتی، اس پر دوسروں کی طرح فوراً اعتقاد نہیں کر لیتی تھیں؛ بلکہ اچھی طرح سمجھ بوجھ کر تسلیم کرتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اکثر دشوار و پیچیدہ مسئلوں میں صحابۂ کرامؓ انہیں کی طرف رجوع کرتے تھے، اور آپؓ ان کی دشواری کو حل کر دیتیں۔ بڑے بڑے صحابہؓ بلکہ خلفائے راشدین میراث کے مسئلے آپ ہی سے آ کر پوچھتے تھے۔

آپؓ کی رائے عام مسائل میں بہت بہتر سمجھی جاتی تھی، نیز قرنِ صحابہ میں جو چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم وفتوے میں سب سے بہتر تھے ان میں آپ کا شمار تھا۔

آں حضرت ﷺ سے سوالات

مشہور ہے کہ "السؤال نصف العلم" حضرت عائشہؓ نے اس پر پورا پورا عمل کر دکھایا، اور دین کی کسی بات کے پوچھنے میں کبھی شرم و عار محسوس نہیں کی۔ آپؓ برابر آں حضرت ﷺ سے سوالات کرتی رہتی تھیں، ذیل میں اس کی چند نمونے ملاحظہ فرمائیے:

ایک مرتبہ سوال کیا کہ: یا رسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں، فرمائیے! میں ہدیہ دینے میں دونوں میں سے کس کو ترجیح دوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: "إلیٰ أقربهما منك بابا" کہ دونوں میں سے جس کے گھر کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو اسی کو ترجیح دو۔

ایک مرتبہ سیدِ عالم ﷺ نے دعا کی:

"اللهم حاسبني حسابا يسيرا" اے اللہ! مجھ سے آسان حسان لیجیو۔

یہ دعا سن کر حضرت عائشہؓ نے سوال کیا کہ: یا نبی اللہ! آسان حساب کی کیا صورت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اعمال نامہ دیکھ کر درگذر کر دیا جائے گا (یہ آسان حساب ہے)۔ پھر فرمایا کہ: اے عائشہ! یقین جانو! جس کے حساب میں چھان بین کی گئی وہ ہلاک ہوگیا، (کیوں کہ جس کے حساب میں چھان بین ہوگی وہ حساب دینے میں کبھی

کامیاب نہیں ہوسکتا)۔

ایک مرتبہ سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ: قیامت کے روز لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن غیر مختون اٹھائے جائیں گے (جیسے ماں کے پیٹ سے دنیا میں آئے تھے) یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! (یہ تو بڑے شرم کا مقام ہوگا) کیا مرد وعورت سب ننگے ہوں گے، ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! (قیامت کی سختی اس قدر ہوگی اور لوگ گھبراہٹ اور پریشانی سے ایسے بدحال ہوں گے کہ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہ ہوگا) مصیبت اتنی زیادہ ہوگی کہ کسی کو اس کا خیال بھی نہ آئے گا۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے آں حضرت ﷺ سے سوال کیا کہ: یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص بغیر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جنّت میں داخل نہ ہوگا؟ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ہاں! اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر کوئی بھی جنّت میں نہ جائے گا، تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے دوبارہ سوال کیا کہ: اے اللہ کے رسول! آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنّت میں داخل نہ ہوں گے؟ آپ نے ماتھے پر مبارک ہاتھ رکھ کر فرمایا:

"ولا أنا إلا أن يتغمدني الله منه برحمته".

ترجمہ: میں بھی جنّت میں داخل نہ ہوں؛ مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیوے، تین مرتبہ یہی فرمایا۔

ایک مرتبہ سرورِ عالم ﷺ سے حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! یہ تو فرمائیے! اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ لیلۃ القدر کی رات آج ہی کے دن ہے (یعنی یہ علم ہوجائے کہ آج لیلۃ القدر ہے) تو میں دعا میں کیا کہوں؟ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: یوں کہنا:

"اللهم إنك عفو تحب العفو فاعف عني".

ترجمہ: اے اللہ! تو بلاشبہ معاف کرنے والا ہے، معاف کرنے کو پسند کرتا ہے؛ لہٰذا تو مجھے معاف فرما۔

ایک مرتبہ آں حضرت ﷺ نے دعا کہ کہ:

”اللهم احيني مسكينا وأمتني مسكينا واحشرني في زمرة المساكين“.

(ترجمہ) اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور حالتِ مسکینی میں مجھے دنیا سے اٹھا اور قیامت میں مسکینوں میں حشر فرمائیے گا۔

یہ دعا سن کو حضرت عائشہؓ نے سوال کیا کہ: یارسول اللہ! آپ نے ایسی دعا کیوں کی؟ آپ نے فرمایا: (اس لیے کہ) بلاشبہ مسکین لوگ مالداروں سے چالیس سال پہلے جنّت میں داخل ہوں گے۔ (اس کے بعد فرمایا کہ) اے عائشہ! (اگر مسکین سائل ہوکر آوے تو مسکین کو کچھ دیے بغیر واپس نہ کر، اور کچھ نہیں تو کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے دیا کر۔ اے عائشہ! مسکینوں سے محبت کر اور ان کو اپنے سے قریب کر جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے روز اپنے سے قریب فرمائیں گے۔

ایک مرتبہ آں حضرت ﷺ سے حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! کیا عورتوں پر جہاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! عورتوں پر ایسا جہاد ہے جس میں جنگ نہیں ہے یعنی حج اور عمرہ۔

امت کا مزاج بنانا

حضرت عائشہؓ احکامِ اسلام کی تفہیم وتبیین میں عقل اور حکمتوں کے پیچھے پڑنے کو پسند نہیں فرماتی تھی، جب بھی کوئی اس قسم کا سوال کرتا تو اس پر مناسب طرح تنبیہ فرماتیں اور امّت کا یہ مزاج بناتیں کہ اللہ ورسول کا نام آجانے کے بعد ایک مؤمن کے

لیے کسی قسم کی چوں و چرا کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔

آپ کی مشہور شاگردہ حضرت معاذہ عدویہ نے ایک مرتبہ سوال کیا: کیا بات ہے کہ حیض کے زمانے کی نماز نہیں پڑھی جاتی؛ لیکن رمضان شریف کے روزے بعد میں رکھے جاتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اس کے جواب میں فرمایا: "أحروریة أنتِ" (کیا تو نیچری ہوگئی جو اسلام کو اپنی سمجھ کا تابع کرنا چاہتی ہے اور اسلام کے حکم کو بغیر سمجھے ماننا پسند نہیں کرتی)۔ حضرت معاذہؓ نے عرض کیا: میں نیچری تو نہیں ہوں، یوں ہی سوال کر رہی ہوں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: (میں تو اس کے جواب میں یہی جانتی ہوں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں) ہم کو حیض آتا تھا تو روزہ کی قضا رکھنے کا حکم ہوتا تھا اور نماز کی قضا پڑھنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

علوم کی نشر و اشاعت

رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم علم و معرفت کی قندیلیں اپنے ہاتھوں میں لے کر پورے عالمِ اسلام کو منوّر کرنے کے لیے مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور ان معلّمینِ علم و اخلاق نے علمِ دین کی نشر و اشاعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اُس وقت مدینۂ منورہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی درس گاہیں مرجعِ خاص و عام بن چکی تھیں؛ لیکن سب سے پُر رونق اور پُر ہجوم درسگاہ وہ تھی جو مسجدِ نبوی کے اس گوشے میں واقع تھی جو حجرۂ صدیقہ سے متصل تھا، حجرے کے اس دروازے پر جو مسجد کی طرف کھلتا تھا، پردہ ڈال دیا جاتا اور سیدہ عائشہؓ اوٹ میں بیٹھ جاتیں اور لوگ حجرے کے سامنے مسجد میں بیٹھ جاتے، وہ سوالات کرتے جاتے، آپ جوابات دیتی جاتیں، کبھی کوئی بحث چھڑ جاتی تو استاذ شاگرد اس میں حصہ لیتے، کبھی خود کسی موضوع پر تقریر شروع کر دیتیں اور

لوگ خاموشی سے سنتے۔ اس مجلس میں جلیل القدر صحابہؓ بھی ہوتے اور بلند پایہ تابعین بھی، اس مجلس میں قرآنی آیات کے مطالب و معانی، ارشاداتِ رسول کی توضیح وتشریح اور عام معاملاتِ زندگی پر دینی احکام کی تطبیق جیسے اہم مسائل زیرِ بحث آتے اور شاگرد اپنے روحانی اور علمی استاذ کی مجتہدانہ آرا سے استفادہ کرتے۔

سیدہ عائشہؓ کا طرزِ عمل اپنے شاگردوں کے ساتھ بڑا مشفقانہ تھا، آپؓ اپنی شفقت سے ان میں حصولِ علم کا جذبہ جگاتیں۔ آپؓ جب یہ محسوس کرتیں کہ ان کا کوئی شاگرد کسی بات کے دریافت کرنے میں ہچکچاہٹ سے کام لے رہا ہے تو بڑے محبت آمیز انداز میں فرماتیں: میں تمہاری ماں ہوں، اگر تم اپنے دل کی بات ماں سے نہیں کہو گے تو اور کس سے کہو گے؟

بہت سے لوگ خطوط لکھ کر حضرت عائشہؓ سے دینی معلومات حاصل کرتے تھے اور آپ ان کا جواب لکھوا دیتی تھیں۔ عائشہ بنتِ طلحہ- جو آپ کی خاص شاگردہ ہیں- فرماتی ہیں کہ: لوگ مجھے دور دور کے شہروں سے خطوط لکھتے اور ہدایا بھیجتے تھے، میں عرض کرتی تھی کہ: اے خالہ جان! یہ فلاں شخص کا خط اور اس کا ہدیہ ہے، فرمائیے کیا کروں؟ تو آپ ارشاد فرماتیں: اے بیٹا! اسے یہ جواب لکھ دو اور ہدیے کا بدلہ دے دو۔

حضرت عائشہؓ اور ادبِ عربی

سیدہؓ کا ادبی ذوق بھی بڑا پختہ اور بلند تھا، اس لیے دورانِ تدریس شاگردوں کے تلفّظ کی اصلاح کی طرف بھی توجہ فرماتیں، یہی وہ شاگرد ہیں جنہوں نے سیدہ موصوفہؓ سے دین کے احکام کا علم حاصل کر کے بڑی احتیاط سے امت کی آنے والی نسلوں تک پہنچایا جواب قیامت تک کے لیے محفوظ ہے۔ فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے کسی خطیب کو حضرت عائشہؓ سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔

حضرت عائشہؓ اور علمِ حدیث

قرآنِ کریم کے بعد دینِ اسلام کا دوسرا سب سے بڑا اور اہم ماخذ احادیثِ نبویہ ہیں، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فہم وذکا کے عطیۂ الٰہی، حضور ﷺ کی بابرکت صحبت، اور اپنی بے پناہ جد وجہد کی بنا پر جس طرح قرآنِ کریم کے علوم ومعارف اور اسرار وحِکَم کے خزانۂ عامرہ کو محفوظ کر رکھا تھا، اسی طرح حدیث اور علمِ حدیث کی روح کو بھی نہایت حسن وخوبی کے ساتھ اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا۔

چناں چہ باستثنائے بعض جس طرح وہ قرآن اور علومِ قرآن کے باب میں تمام صحابہؓ وصحابیاتؓ سے ممتاز نظر آتی ہیں، اسی طرح حدیث اور علمِ حدیث میں بھی چند کو چھوڑ کر ان کا پایہ سب سے زیادہ بلند ہے، اور اس میں بھی انہیں مکمل امتیاز حاصل ہے۔ خداوندِ قدّوس نے قوتِ حفظ اور عقل وفہم کی نعمت سے تو بھرپور نوازا ہی تھا اسی کے ساتھ موضوعِ حدیث: ذاتِ رسول ﷺ کی صحبت ومعیت اور رفاقت کا شرف بھی انہیں اس عمر سے حاصل ہو گیا تھا جو حصولِ علم کی بہترین عمر ہوتی ہے۔

چناں چہ آپؓ ۱۰ نبوی میں ہجرتِ مدینۂ منورہ سے تین سال قبل ہی حضور ﷺ کی زوجیت میں داخل ہو گئی تھیں، اور آپؓ کے والد گرامی سیدنا ابوبکر صدیقؓ ابتدا ہی سے ہر معاملہ میں حضور ﷺ کے ہم دم وہم راز تھے، جس کی بنا پر حضور ﷺ روزانہ پابندی کے ساتھ اُمّ المؤمنین کے مکان پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور رہا آپؓ کی پیدائش سے پہلے کا اسلامی دور اور اس کے بعد سنِ شعور تک کے زمانہ کا معاملہ تو اپنی قوتِ حفظ، فطری ذہانت اور انتھک جد وجہد سے آپؓ نے اس کی بھی مکمل تلافی کر لی تھی، چناں چہ حضور اقدس ﷺ پر نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی اور اس کی تمام تر تفصیلات نہایت مرتب اور پرشکوہ انداز میں آپ ہی کی روایت سے کتبِ احادیث میں مذکور ہیں۔

بہر حال خداداد عقل وفہم، بے نظیر قوتِ حفظ اور پھر حضور اقدس ﷺ کی صحبت، الفت ومحبت اور تقربِ خاص کی بنا پر اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو کسبِ کمال اور علمِ قرآن وحدیث میں حصولِ درک کا جو موقع ملا تو انہوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس سے مکمل فائدہ اٹھایا اور ایسا امتیاز پیدا کرلیا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری جماعت میں باستثنائے چند کوئی ان کا ہم سر باقی نہ رہا۔

روایات کی تصحیح

حضرت عائشہؓ نے بہ راہِ راست رسول اللہ ﷺ سے بہت سی احادیث روایت کی ہے۔ نیز اپنے والد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت حمزہ بن عمرو اسطی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت فاطمۃ الزہرا وغیرہ سے روایت کی ہے۔ امام ابن حزم نے طبقۂ مکثرین بالروایۃ میں گیارہ صحابہؓ کا ذکر کرکے ان کی مرویات کی تعداد بیان کی ہے جس میں حضرت عائشہؓ کی مرویات کی تعداد دو ہزار دوسو دس بتلائی ہے۔

رہ گئی بات آپ کے تلامذہ وشاگردان کی تو وہ شمار سے باہر ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کے نامزد تلامذہ کی طویل فہرست گنوا کر "وخلق کثیر" لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے علما وفضلا نے ان سے روایت کی ہے۔

باہر سے آنے والے وفود پر نظرِ کرم

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فیضِ تربیت کے دروازے مدینہ والوں کے لیے تو ہر وقت کھلے تھے جس سے چھوٹے، بڑے اور مرد وزن اپنی اپنی ہمت واستطاعت کے مطابق فیض یاب ہوتے رہتے تھے؛ لیکن سیدہ پوری امتِ مسلمہ کی ماں تھیں، اس لیے جو لوگ باہر سے حاضر ہوتے وہ روضۂ اطہر کی زیارت کے بعد اپنی روحانی ماں کی

خدمت میں حاضر ہوکر نذرانۂ عقیدت پیش کرتے اور انہیں اسرارِ نبوت کے لازوال خزانے کا امین سمجھتے ہوئے ان سے رہنمائی کے طلبگار ہوتے۔ حضرت عائشہؓ ان سے خوب اکرام وشفقت کے ساتھ پیش آتیں، بیچ میں پردہ حائل ہوتا، آنے والے حضرات مختلف مسائل اور شکوک وشبہات پیش کرتے اور جوابات سن کر تشفّی پاتے۔

مردوں کے علاوہ عورتوں کے وفد بھی بیرونی علاقوں سے حاضرِ خدمت ہوتے، آپؓ ان کی باتیں سنتیں، دین کی حقیقتوں کو ان پر واضح کرتیں اور عجمی اختلاط کے سبب جو غیر اسلامی رسوم اور افکار ونظریات اسلامی معاشرے میں رواج پذیر ہونے لگے تھے ان پر سختی سے تنقید فرماتیں۔

حج کے موسم میں حلقۂ درس وارشاد

حضور اکرم ﷺ نے ۱۰ھ میں اپنی زندگی کا آخری حج ہزاروں مسلمانوں کے ساتھ ادا کیا، سیدہ عائشہؓ بھی ساتھ تھیں۔ حضور ﷺ کا ارشادِ مبارک تھا کہ: عورتوں کا جہاد ان کا حج ہے۔ اسی ارشاد کی تعمیل میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کے وصال کے بعد ہر سال حج پر جایا کرتی تھیں اور انہوں نے اپنا یہ معمول زندگی کے آخری سال تک جاری رکھا۔ اس سے سیدہؓ کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ تمام عالمِ اسلام سے آنے والے مسلمانوں کو یہ موقع مل جائے کہ وہ آسانی سے تعلیماتِ نبویہ کی تفاصیل اور حکمتیں ان سے معلوم کر سکیں۔ امت کو بھی یہ معلوم تھا کہ ان کی یہ ماں منبعِ علم ودانش اور خزینۂ حکمت ومعرفت ہیں، اس لیے حج کے موسم میں سیدہ عائشہؓ کی قیام گاہ ہزاروں مسلمانوں کی توجہات کا مرکز ومحور بن جاتی تھی، عورتیں چاروں طرف سے گھیر لیتیں، آپؓ امام وپیشوا کی طرح آگے آگے اور تمام عورتیں آپ کے پیچھے چلتیں، اور اسی دوران ارشاد وہدایت کے فرائض بھی انجام پاتے جاتے تھے۔

ایک کامیاب اور دردمند معلّم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنے شاگردوں کی غلطیوں کی اصلاح احسن طریقے سے کرے، ورنہ یہی غلطیاں بعد میں سند کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ امتِ محمدیہ کی شفیق ورحیم معلّمہ تھیں، اس لیے انہوں نے اصلاح کا یہ فریضہ بھی بڑی دانشمندی سے ادا کیا؛ تاکہ کتاب وسنت کا علم اپنی اصلی شکل اور روح کے ساتھ آنے والی نسلوں تک پہنچے، ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا کہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بدشگونی تین چیزوں میں ہے: عورت میں، گھر میں اور گھوڑے میں۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: یہ صحیح نہیں ہے۔ ابو ہریرہ نے آدھی بات سنی اور آدھی بات نہیں سنی، جب وہ پہنچے تو حضور اقدس ﷺ پہلا فقرہ کہہ چکے تھے۔ در اصل آپ نے فرمایا تھا: یہود کہتے ہیں کہ: بدشگونی تین چیزوں میں ہے: عورت میں، گھر میں اور گھوڑے میں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کا جب انتقال ہونے لگا تو انہوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہنے اور سبب یہ بیان کیا کہ: مسلمان جس لباس میں مرتا ہے اسی لباس میں اٹھایا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا: خدا ابوسعید پر رحمت نازل کرے، لباس سے مراد حضور ﷺ کے نزدیک انسان کے اعمال ہیں، ورنہ آپ ﷺ کا تو یہ صاف ارشاد ہے کہ قیامت میں لوگ برہنہ تن، برہنہ پا اور برہنہ سر اٹھیں گے۔

حضرت ابنِ عمرؓ، ابنِ عباسؓ اور بعض دیگر صحابہؓ روایت کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردے پر اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت بیان کی گئی تو انہوں نے اس کی صحت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: حضور اقدس ﷺ نے ایسا کبھی نہیں فرمایا؛ بلکہ واقعہ یہ

ہے کہ ایک دن آپ ﷺ ایک یہودیہ کے جنازے کے پاس سے گذرے، اس کے رشتہ دار اس پر گریہ وزاری اور نوحہ وماتم کر رہے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ اِدھر روتے ہیں اور اُدھر اس پر عذاب ہو رہا ہے۔ رونا عذاب کا سبب نہیں؛ بلکہ دونوں واقعے الگ الگ ہیں، یعنی یہ نوحہ اس کی موت پر کرتے ہیں اور مرنے والا اپنے گذشتہ اعمال کی سزا میں مبتلا ہے؛ کیوں کہ رونا دوسروں کا فعل ہے، جس کا عذاب یہ رونے والے خود اٹھائیں گے، مردہ اس کا ذمہ دار کیوں ہو؟ ہر شخص اپنے افعال کا جواب دہ ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: ''اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا''۔

حضرت ابنِ عمرؓ نے جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اس بیان اور استدلال کو سنا تو کوئی جواب نہ دے سکے۔

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: بیوی کا بوسہ لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، تو اس کی تردید کرتی ہوئے آپؓ نے فرمایا: حضور ﷺ بہ حالتِ صوم اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیا کرتے تھے اور پھر وضو نہیں کرتے تھے۔

اختلافی معاملات میں امت کی رہنمائی

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اصابتِ رائے، دینی معاملات میں اجتہادی بصیرت اور علمِ نبوت میں ان کا فضل وکمال صحابۂ کرامؓ اور تابعینِ عظامؒ کے نزدیک مسلّم تھا، یہی وجہ ہے کہ خلفائے اسلام، علمائے امت اور عام افرادِ ملّت باہمی اختلاف کی صورت میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ کا فیصلہ فتوے کی حیثیت اختیار کر لیتا تھا۔ اس قسم کے فتوؤں کو اگر مرتّب کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے، مجتہدینِ کرام اور اسلامی قانون کے ماہر فقہا نے ان ہی فتوؤں کی بنیاد پر انسانی زندگی

کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے شرعی احکام مستنبط اور مرتب کیے ہیں۔

خلفائے راشدین خصوصاً حضرت عمرؓ کے عہد میں ہر شخص کو فتویٰ صادر کرنے کی اجازت نہ تھی، یہ اہم ذمہ داری چند بالغ النظر اور وسیع العلم صحابۂ کرامؓ کے سپرد تھی، جن میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ عہدِ عثمانی میں ان میں سے اکثر بزرگوں کے انتقال کے بعد امت نے اس مقصدِ عظیم کے لیے حضرت ابنِ عباسؓ، ابنِ عمرؓ، ابنِ زبیرؓ، جابر بن عبداللہؓ اور ابو ہریرہؓ جیسے اساطینِ علم کی طرف رجوع کیا؛ لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد سے اپنی زندگی کے آخری ایام تک منصبِ افتا پر فائز رہیں۔ چناں چہ مدینہ کے نامور تابعی حضرت قاسمؒ اپنا مشاہدہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت ہی میں مستقل طور پر افتا کا منصب حاصل کر چکی تھیں، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے بعد بھی آخری زندگی تک وہ برابر فتویٰ دیتی رہیں۔

حضرت امیرِ معاویہؓ کا پایۂ تخت دمشق تھا؛ لیکن ضرورت پڑنے پر ان کا قاصد معلمۂ امت کے دروازے پر حاضری دیتا اور خلیفۂ وقت کی طرف سے مسائل دریافت کرتا، اور وعظ و نصیحت کا طلب گار ہوتا۔

شعر اور طب

حضرت عائشہؓ مریضوں کے معالجات میں اور اشعارِ عرب یاد رکھنے میں بھی خاص ملکہ رکھتی تھیں۔ ان کے بھانجے حضرت عروۃ بن الزبیرؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت عائشہؓ کے سامنے جب کوئی حادثہ پیش آجاتا تو اس کے متعلق ضرور کوئی شعر پڑھ دیتی تھیں۔

حضرت عروہؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کوئی قرآن کا عالم، فرائضِ اسلام اور حلال وحرام کا جاننے والا اور عرب کے واقعات اور اہلِ عرب کے نسب سے واقفیت رکھنے والا نہیں دیکھا۔

یہی عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ ساٹھ اشعار یا سو اشعار پر مشتمل قصیدہ بڑی روانی سے سنا دیا کرتی تھیں۔ جب بھی کوئی واقعہ بیان کرتیں یا بات کرتیں تو اس کی مناسبت سے شعر کہہ دیتیں، انہیں اشعار پر بڑا عبور حاصل تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عروہ بن زبیرؓ نے عرض کیا کہ: امی جان! مجھے آپ کے فقیہ ہونے پر تعجب نہیں ہے، کیوں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی ہیں، اور نہ مجھے آپ کی شعر دانی اور واقعاتِ عرب سے واقفیت پر تعجب ہے؛ کیوں کہ آپ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی ہیں، ان کی صحبت سے یہ چیزیں حاصل ہوگئیں؛ لیکن مجھے تعجب ہے کہ آپ کو طب سے کیوں کر واقفیت ہوئی؟ اس کے جواب میں آپؓ حضرت عروہؓ کے کاندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ: عروہ بیٹا! طب میں نے اس طرح سیکھا کہ آنحضرت ﷺ آخری عمر میں بیمار ہو جایا کرتے تھے اور لوگ دور دور سے آیا کرتے تھے، وہ آپ کو علاج کے طریقے اور دوائیں بتاتے تھے اور میں ان کے ذریعہ آپ کا علاج کرتی تھی۔

کلماتِ حکمت وموعظت

حضرت عائشہ صدیقہؓ بڑی صاحبِ حکمت وموعظت تھیں، بڑی پتہ کی بات ارشاد فرمایا کرتی تھیں، بعض صحابہؓ ان سے نصیحت کرنے کی درخواست کرتے تو نہایت ہی بہترین نصیحت فرمایا کرتیں۔

زیادہ کھانے کے متعلق حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ: نبیٔ کریم ﷺ کے دنیا سے

تشریف لے جانے کے بعد سب سے پہلی مصیبت امّت میں یہ پیدا ہوئی کہ لوگ پیٹ بھر کر کھانے لگے، جب پیٹ بھرتے ہیں تو بدن موٹے ہو جاتے ہیں اور دل کمزور ہو جاتے ہیں اور نفسانی خواہشیں زور پکڑ لیتی ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ: گناہوں کی کمی سے بہتر کوئی پونجی ایسی نہیں ہے جسے لے کر تم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو، جسے یہ خوشی ہو کہ عبادت میں، محنت کے ساتھ انہماک رکھنے والے سے بازی لے جاوے اسے چاہیے کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے۔

حضرت امیرِ معاویہؓ نے ایک خط حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نام ارسال کیا، جس میں اپنے لیے مختصر نصیحت کرنے کی فرمائش کی، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس کے جواب میں فرمایا: تم پر سلام ہو!

بعد سلام کے واضح ہو کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ: جو شخص لوگوں کی ناراضگی کا خیال نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو، اللہ تعالیٰ لوگوں کی شرارتوں سے اسے محفوظ فرماتے ہیں، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرنا چاہتا ہو اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہیں فرماتے؛ بلکہ اسے لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں، وہ اس کو جیسے چاہیں استعمال کریں اور جس طرح چاہیں اس کا دلیہ بنائیں، والسلام علیکم۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ: جب بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام کرتا ہے تو اس کو اچھا کہنے والے بھی برا کہنے لگتے ہیں۔

ذیل میں آپؓ کے کچھ اقوالِ زرّیں بیان کیے جاتے ہیں جن سے آپؓ کی فہم وفراست اور فکرِ آخرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

(۱) تواضع وانکساری افضل عبادت ہے۔

(۲) قیامت کے دن جس کے حساب کی جانچ پڑتال کی گئی اسے بخشا نہ جائے گا۔

(۳) جب تم میں سے کوئی اللہ سے تمنّا کرے تو کثرت کو پیشِ نظر رکھے یعنی جی بھر کر مانگے، کیوں کہ وہ اپنے رب سے مانگ رہا ہوتا ہے اور اللہ کے خزانے بڑے وسیع ہیں۔

(۴) لوگوں نے اپنے دین کا ایک بڑا حصہ یعنی تقوے کو ضائع کر دیا۔

حضرت عائشہؓ کے علم کے متعلق اقوالِ اکابر

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''فقیہۂ امّت'' کے لقب سے مشہور ہیں، فقہ، حدیث، فرائض، احکام، حلال وحرام، اخبار واشعار، طب وحکمت، غرضیکہ بہت سے علوم کی جامع اور اپنے زمانہ میں ان علوم میں سب سے آگے تھیں، ان کی فقاہت اور جامعیت اجلۂ صحابہؓ میں مسلم تھی، اور سب ہی حضرات ان کے علم وفضل، اصابتِ رائے اور تبحرِ علمی کے قائل تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ: صحابہؓ جس بات میں شک وشبہ کرتے تو حضرت عائشہؓ کی طرف رجوع کرتے اور اس کے بارے میں ان کے پاس صحیح علم پاتے تھے۔

امام زہریؒ کا بیان ہے کہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ اعلم الناس یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھتی تھیں، اور اکابر صحابہؓ ان سے علمی اور دینی باتیں دریافت کیا کرتے تھے۔

امام مسروقؒ نے کہا ہے کہ: خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ میں سے مشائخ واکابر کو دیکھا ہے کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرائض کے بارے میں سوال کرتے تھے۔

ابوسلمہ عبد الرحمٰنؒ کا قول ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی احادیث وسنن، فقہی آراء، آیات کا شانِ نزول اور فرائض کے بارے میں اگر سوالات ومعلومات کی ضرورت پڑی ہے تو میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سے زیادہ جاننے والا نہیں دیکھا۔

حضرت عطا بن ابی رباحؒ نے شہادت دی ہے کہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ افقہ الناس، احسن الناس اور عام باتوں میں اعلم الناس تھیں۔

محمود بن لبید نے بیان کیا ہے کہ: عام طور سے نبیٔ کریم ﷺ کی ازواجِ مطہراتؓ حدیثوں کو بہت زیادہ یاد رکھتی تھیں، مگر حضرت عائشہؓ اور امِ سلمہؓ اس بارے میں سب سے آگے تھیں۔ اور حضرت عائشہؓ عہدِ فاروقی وعثمانی میں فتوے دیا کرتی تھیں اور وصال تک دیتی رہیں، رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد اکابر صحابہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ ان کی خدمت میں آدمی بھیج کر ان سے احادیث وسنن کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے۔

ہشام بن عروہ کا قول ہے کہ: فقہ، طب اور شعر میں حضرت عائشہؓ سے بڑا عالم میں نے نہیں دیکھا۔

ہشام کے والد حضرت عروہ بن زبیرؓ بات بات پر اشعار پڑھنے کے عادی تھے، لوگوں نے ایک مرتبہ ازراہِ تعجب ان سے کہا کہ: آپ کو کس قدر زیادہ اشعار یاد ہیں؟ تو انہوں بتایا کہ میری اشعار کی روایت حضرت عائشہؓ کی روایت کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے، ان کے سامنے جب بھی کوئی بات ہوتی تو وہ اس کے مناسب اور حسبِ حال شعر پڑھ دیا کرتی تھیں۔

امام زہریؒ کا مقولہ ہے کہ: اگر تمام مردوں اور امہات المؤمنین کا علم جمع کیا جائے تو حضرت عائشہؓ کا علم ان میں سب سے زیادہ ہوگا۔

طبقۂ نسواں پر سیدہ عائشہؓ کے احسانات

حضرت عائشہ صدیقہؓ پوری امتِ مسلمہ کی رحیم ماں، شفیق محسنہ اور قابلِ احترام معلّمہ تھیں اور آپ نے اپنی پوری زندگی اپنی روحانی اولاد کی تعلیم وتربیت، ان کی خیرخواہی وہمدردی اور انہیں مشکاۃِ نبوت کے نور سے منوّر کرنے میں صرف کردی، اس

عمومی شفقت کے باوجود صنفِ نازک کے ساتھ آپ کی دلچسپی اور دل سوزی کی کیفیت خاص رنگ لیے ہوئے تھی، اس کی ایک وجہ تو اس طبقہ کے ساتھ آپ کی فطری مناسبت تھی، دوسرے یہ کہ سیدہؓ اس حقیقت سے بہ خوبی آگاہ تھیں کہ اسلام سے پہلے تمام انسانی معاشروں میں عورت انسانی عزّ وشرف اور بنیادی حقوقِ انسانی سے محروم رہی ہے اور صرف اسلام ہی وہ دینِ فطرت ہے جس نے اسے ذلت کی گہرائیوں سے اٹھا کر عزت کی بلندیوں سے سرفراز کیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے اسی فطری تعلق اور دینِ اسلام کے ترجمان وشارح ہونے کی حیثیت سے طبقۂ نسواں کے حقوق کی بحالی، ان کی عزتِ نفس کو بلند کرنے اور ان کی فطری مجبوریوں کے پیشِ نظر انہیں خصوصی مراعات کا مستحق قرار دینے میں جو نمایاں کردار ادا کیا ہے اس کی تفصیلات سے اسلامی قانون کی پوری تاریخ بھری پڑی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے کردار اور اپنے طرزِ عمل سے پوری دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ عورت اسلام کی عائد کردہ تمام پابندیوں کے باوجود علمی، مذہبی، اجتماعی، پند وموعظت، اصلاح وارشاد اور ملک وملّت کی بھلائی کے کام انجام دے سکتی ہے، اس طرح سیدہؓ نے اپنی ہم جنسوں کے سامنے ایک ایسا ولولہ انگیز اور ہمت افزا نمونہ پیش کیا جس سے ان میں اپنے مرتبے اور مقام کی برتری کا احساس اجاگر ہوا، اور ان میں بے پناہ قوتِ عمل بیدار ہوئی، جس کے نتیجے میں اس امت میں ایسی بے شمار ہستیاں پیدا ہوئیں کہ گو ان کا تعلق جنسِ نسوانی سے تھا؛ لیکن اخلاص وللّٰہیت، زہد واطاعت، علم وادب اور دینی علوم کی ترویج واشاعت میں انہوں نے وہ عظمت حاصل کی کہ اجلّ ائمۂ کرام بھی ان کے خرمنِ فیض سے خوشہ چینی کرنا اپنے لیے اہم سعادت تصور کرتے ہیں۔ سیدہؓ کا یہ عملی کردار اس طبقے پر احسانِ عظیم تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا دوسرا اہم احسان طبقۂ خواتین پر یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کے اور خواتین کے درمیان ایک اہم اور مضبوط واسطے کی حیثیت سے فرائض انجام دیتی رہیں، صحابیاتؓ ان کی معرفت اپنی عرض داشتیں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پہنچاتی تھیں اور سیدہ عائشہؓ امکانی حد تک ان کی حمایت کرتی تھیں جس کے نتیجے میں زبانِ رسالت مآب ﷺ سے ایسی ہدایات اور فیصلے جاری ہوئے جو قیامت تک کے لیے ان کے انسانی، اخلاقی اور معاشرتی حقوق کی ضمانت دینے والے چارٹر (Charter) کی حیثیت اختیار کر گئے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اپنے ہم جنس طبقے پر تیسرا احسان یہ ہے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی ایسے افکار وخیالات کا پوری شدت وجرأت سے دفاع کیا جس سے عورت کی ذلت وپستی کا ادنیٰ سے ادنیٰ احساس ابھرتا تھا، آپ ایسے لوگوں کا سختی سے محاسبہ کرتی تھیں جو عورت کو ایک ذلیل مخلوق تصوّر کرتے تھے۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت بیان کی کہ: اگر نمازی کی حالت میں نمازی کے سامنے سے عورت، کتا یا گدھا گذر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب اس روایت کا علم ہوا تو فرمایا: تم نے کتنا برا کیا کہ ہم عورتوں کو کتے اور گدھے کے برابر کر دیا، کیا عورت بھی ایک ناپاک جانور ہے؟ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے پاؤں پھیلائی سوتی رہتی تھی، حجرے میں جگہ نہ تھی، حضور ﷺ نماز میں مصروف ہوتے اور سجدے میں جاتے تو ہاتھ سے اشارہ کرتے، میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپ کھڑے ہوتے تو دوبارہ پاؤں پھیلا لیتی، کبھی ضرورت ہوتی تو بدن چرا کر سامنے سے نکل جاتی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا صنفِ نازک پر چوتھا اہم احسان یہ ہے کہ انہوں نے ایک فقیہہ اور مفتی کی حیثیت سے اپنی قوتِ اجتہاد واستنباط سے کام لے کر شرعی احکام کی توضیح وتشریح اس انداز میں کی جس میں اس طبقے کی فطری مجبوریوں اور ضرورتوں کو مدِّ نظر

رکھتے ہوئے اس کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولتیں اور رعایتیں مل سکیں، ان معاملات میں چوں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا استدلال کتاب وسنت پر مبنی ہوتا تھا؛ لہٰذا بعد میں اسلامی قانون کے ماہرین کا فیصلہ عام طور پر ان کے حق میں رہا اور آج بھی اکثر اسلامی ملکوں میں اُن ہی کے فتووں پر عمل ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اپنی روحانی بیٹیوں پر پانچواں اہم احسان یہ ہے کہ انہوں نے ان کی نسوانی شرم وحیا اور عزّت وعصمت کی حفاظت کے لیے دینِ متین کے بیان کردہ احکام وفرامین کی خود بھی پوری طرح پابندی کی اور انہیں بھی ان پر عمل پیرا ہونے کی سختی سے تاکید کی؛ تاکہ وہ غیر اسلامی فیشن اور رواج کے سیلاب میں بہہ کر اپنے اسلامی وقار اور جنسی تشخّص کو کھو نہ بیٹھیں۔

یہی وجہ ہے کہ باریک کپڑے سے آپؓ کو نفرت تھی۔ آپؓ کی بھتیجی حفصہ آپؓ کے پاس ایک مرتبہ باریک اوڑھنی اوڑھ کر آئیں جس سے نظر گذر جاتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے خفا ہو کر اسے کھینچ لیا اور ایک موٹی اوڑھنی لاکر اُڑھا دی۔ اور فرمایا کہ: سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے بڑی تاکید کی ہے کہ عورتیں اپنی زینت کو چھپائے رکھیں۔

اھلِ بیت اور سوکنوں کے ساتھ برتاؤ

سوکنوں کے ساتھ برتاؤ

عورت کے لیے سوکن کا ہونا نہایت تلخ اور ناگوار چیز ہے اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک دو نہیں، کل آٹھ سوکنیں تھیں، مگر حضور اقدس ﷺ کی تمام ازواجِ مطہراتؓ انوارِ نبوت سے منوّر تھیں، اس لیے ان کا آئینۂ دل ہر ایک کی طرف سے نہایت صاف وشفاف رہتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک تو کمسن تھیں، دوسرے یہ کہ تمام ازواج کے بالمقابل شوہر کی نگاہ میں نہایت محبوب تھیں، اس لیے ان کے آئینۂ دل کا اپنی تمام سوکنوں کی طرف سے ہر قسم کے زنگ اور گرد وغبار سے صاف شفاف ہونا انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اور یہ تاریخ کا وہ غیر معمولی واقعہ ہے جو قیامت تک انسانیت کے لیے مشعلِ راہ اور اپنی نظیر آپ ہے۔ اگر بہ تقاضۂ بشریت کبھی کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آ بھی گیا تو اس کی کوئی اہمیت اس لیے نہیں ہے کہ جہاں چند افراد ایک ساتھ رہتے ہوں وہاں یہ چیز ناگزیر ہوا کرتی ہے، بلکہ زندگی کی علامت سمجھی جاتی ہے، اور حقیقتِ واقعہ بھی یہی ہے کہ صفائیٔ قلب کے ساتھ دو یا چند ہم نشینوں میں کبھی کسی واقعہ کا پیش آ جانا آپس میں محبت اور تعلّقِ خاطر کی علامت ہوا کرتا ہے۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اپنی سوکنوں کے ساتھ کیا معاملہ رہا ہے اور انہوں نے ان کے فضل وکمال کا کس کس انداز میں اعتراف کیا ہے اسے یہاں بالترتیب بیان کیا جارہا ہے:

امّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ

امّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور انور ﷺ کی سب سے پہلی زوجۂ محترمہ تھیں، وہ پچیس برس تک آپ ﷺ کی زوجیت میں رہیں، ان کی موجودگی میں آپ ﷺ نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کو دیکھا نہیں تھا، کیوں کہ ان کی وفات کے بعد یہ آپ ﷺ کے نکاح میں آئی تھیں۔ خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ: حضور اقدس ﷺ کی ازواج میں سے جتنا رشک مجھے حضرت خدیجہؓ پر آتا تھا اتنا آپ کی کسی اور بیوی پر نہیں آتا تھا، حالاں کہ جب میں آپ ﷺ کے نکاح میں آئی تو وہ اس دنیا سے جاچکی

تھیں۔ان پر سب سے زیادہ رشک کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ ان کو بہ کثرت یاد فرمایا کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا تھا کہ انہیں جنّت میں موتی کے ایک محل کی خوش خبری سنا دیں۔ نیز آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بکری ذبح کرتے تو پابندی کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کے یہاں اس کا گوشت بھجوایا کرتے تھے۔

دیکھیے کہ تذکرۂ غیرت کے باوجود حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کس عالی حوصلگی کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کی قدر و منزلت اور ان کے فضل و شرف کا اعتراف کیا کہ خداوندِ قدّوس نے اپنے رسول ﷺ کی معرفت ان کو جنّت میں موتی کے ایک ایسے محل کی بشارت دی ہے جو ہر قسم کے رنج و محن سے خالی ہوگا۔اس کے علاوہ دیگر بہت سی باتیں جو حضرت خدیجہؓ سے متعلق ہیں وہ حضرت عائشہؓ ہی کی روایت سے مروی ہیں۔

امّ المؤمنین حضرت سودہؓ

حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً ایک ماہ کے فصل سے حضور ﷺ کی زوجیت میں داخل ہوئی ہیں، البتہ عقدِ نکاح کے بعد حضرت سودہؓ تو فوراً ہی آپ ﷺ کے کاشانۂ اطہر پر آ کر ساتھ رہنے لگیں، اور حضرت عائشہ صدیقہؓ عقدِ نکاح کے تقریباً ساڑھے تین برس بعد مدینہ میں اپنے والدین کے یہاں سے رخصت ہو کر آپ ﷺ کے پاس آئیں، لہٰذا حضرت سودہؓ ساڑھے تین برس تک بغیر کسی سوکن کے تنِ تنہا آپ ﷺ کی رفاقت میں رہیں، اور جب حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کے درِ دولت پر فروکش ہوئیں تو بہ حیثیت سوکن حضرت سودہؓ موجود تھیں۔ چناں چہ بہ مقتضائے فطرت دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے انقباض پیدا ہوسکتا تھا، اور دونوں ایک دوسرے کو اپنے لیے خلل انداز تصور کرسکتی تھیں؛ لیکن جو کچھ ہونا چاہیے تھا معاملہ اس کے بالکل برعکس رہا۔ حضور اقدس ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں

نو برس کا طویل زمانہ دونوں نے اس الفت ومحبت اور انس ومودّت کے ساتھ بسر کیا کہ دونوں کا آپس میں ایک دوسرے کا سوکن ہونا ہی متصوّر نہیں کیا جا سکتا، اور پھر تا حیات دونوں کا باہمی اتحاد وتعاون ایک دوسرے کے ساتھ قائم اور باقی رہا، حضرت سودہؓ عمر دراز اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کمسن تھیں، چناں چہ اپنے تجربات کی بنا پر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گھریلو معاملات میں نہایت خیر خواہی کے ساتھ مخلصانہ مشورہ دیا کرتی تھیں، اور یہ ان کے مشورہ کو عزت واحترام کے ساتھ قبول کیا کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت سودہؓ کے فضل وکمال کی حد درجہ معترف تھیں، فرماتی تھیں کہ: سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی، اعترافِ فضل وکمال کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت سودہؓ کا ہمیشہ پاس ولحاظ رکھا، اور ان کے ایثار کی صمیمِ قلب کے ساتھ قدر دان رہیں اور ان کی بزرگی کے احترام میں کبھی کوتاہی نہیں برتی۔

اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تقریباً آٹھ برس کی رفاقت کا معاملہ رہا، لیکن دونوں نے یہ پوری مدت آپس میں نہایت لطف ومحبت اور اتحاد واتفاق کے ساتھ گزاری، دونوں کے درمیان کبھی کوئی تلخی واقع نہیں ہوئی؛ بلکہ گھریلو معاملات میں دونوں ہمیشہ ہم رائے رہیں، اور دوسری ازواج کے بالمقابل ایک دوسرے کی معین ومددگار بنی رہیں، تا زندگی کوئی ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی دونوں میں بُعد پیدا ہوا ہو، اور باہمی رنجش کا کوئی واقعہ پیش آیا ہو۔

اُمّ المؤمنین حضرت امِّ سلمہؓ

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں حضرت امِ سلمہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تقریباً سات سال تک ساتھ رہا، حسن و جمال کے ساتھ، عقل و فہم اور فقہی بصیرت رکھنے کی بنا پر ایک طرح سے حضرت امِ سلمہؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ہمسر مانی جاتی تھیں، تاہم ایک جزئی واقعہ کو چھوڑ کر تا زندگی کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جس سے پتہ چلتا ہو کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ان کے درمیان باہمی رنجش وملال رہا ہو؛ بلکہ دونوں کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے، اور ایک مرتبہ تلخی کا جو جزئی واقعہ پیش آ گیا تھا، اس میں بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنی طرف سے کبھی کسی طرح کے رنج و ملال کا اظہار نہیں کیا۔

جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ حضور اقدس ﷺ کے پاس ہدایا وغیرہ خصوصیت کے ساتھ اسی دن بھیجا کرتے تھے جس دن آپ ﷺ کا قیام حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ہوتا تھا، دوسری ازواج کے لیے یہ چیز تکدّر کا باعث تھی، انہوں نے حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنا سفیر بنا کر آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بھیجا، تاکہ وہ آپ سے یہ عرض کریں کہ لوگ ہدایا وغیرہ تمام ازواج کی باری پر آپ کے یہاں بھیجا کریں، حضرت عائشہؓ کی باری والے دن کو خاص نہ کریں، تاکہ ان کی طرح دوسری ازواج کی قدر و منزلت بھی ظاہر ہو۔ حضرت امِّ سلمہؓ نے نہایت متانت کے ساتھ تمام ازواج کی طرف سے آپ کی خدمتِ اقدس میں موقع بہ موقع تین بار درخواست پیش کی، دو مرتبہ تو آپ ﷺ نے سکوت فرمایا، مگر جب تیسری مرتبہ انہوں نے درخواست پیش کی تو فرمایا: عائشہ کے بارے میں مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ، خدا کی قسم! اس کے علاوہ کسی اور کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ اس پر حضرت امِّ سلمہؓ نے فوراً معذرت چاہی اور آئندہ اس قسم کی بات

کرنے سے ہمیشہ گریز کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس پورے واقعہ کی خبر تھی؛ لیکن علم ہونے کے باوجود انہوں نے نہ تو کسی قسم کی آزردگی ظاہر کی اور نہ ہی دل میں کسی قسم کا ملال رکھا، بلکہ حسبِ سابق حضرت ام سلمہؓ سے تعلّقات کی استواری وخوشگواری کو پوری طرح باقی رکھا۔

اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ خزیمہؓ

حضرت زینب بنتِ خزیمہؓ حضور اقدس ﷺ کی زوجیت میں کل آٹھ مہینہ اور بقولِ بعض صرف تین مہینے رہی ہیں، حضرت عائشہ صدیقہؓ یا دوسری ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ ان کے کسی طرح کے کسی معاملہ کا تذکرہ کتبِ تاریخ وسیر میں مذکور نہیں ہے۔

اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحشؓ

حضرت زینب بنتِ جحشؓ دوسری بہت سی خوبیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی پھوپھی زاد بہن بھی تھیں، ظاہری حسن وجمال سے آراستہ اور نہایت خوددار تھیں؛ البتہ مزاج میں ذرا سی تیزی تھی۔ مذکورہ بالا صفات سے متصف ہونے کی بنا پر وہ اپنے آپ کو دوسری تمام ازواجِ مطہراتؓ سے زیادہ عزّت وتوقیر کا مستحق سمجھتی تھیں۔ خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ: تمام ازواجِ مطہراتؓ میں تنہا وہی میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہؓ کا معاملہ ان کے ساتھ بھی نہایت مخلصانہ، اعترافِ فضل وکمال اور مودّت ومحبت کا تھا، کتبِ احادیث میں دونوں کے درمیان تلخی کے ایک دو واقعے کے علاوہ زندگی بھر کسی ایسے واقعہ کا ذکر نہیں ملتا ہے جو دونوں کے درمیان اختلاف کا پتہ دیتا ہو۔

اور تلخی کا جو واقعہ پیش آیا ہے اس میں بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حیثیت صرف مدا

فعانہ ہے، چناں چہ مسلم شریف کی روایت میں مذکور ہے کہ پہلے تو ازواجِ مطہراتؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سفیر بنا کر آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، تا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس بھیجے جانے والے ہدایا وغیرہ کے بارے میں آپ ﷺ سے بات کریں، وہ آئیں اور بات کی؛ مگر آپ ﷺ کے جواب سے مطمئن ہو کر واپس چلی گئیں، اور پھر اصرار کے باوجود اس سلسلہ میں دوبارہ آپ ﷺ سے گفتگو کے لیے تیار نہیں ہوئیں۔ ان کے بعد حضرت زینبؓ سفیر بن کر آئیں اور نہایت جرأت کے ساتھ آپ ﷺ سے بات کی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر بھی اپنی خفگی کا اظہار کیا، حضرت عائشہ صدیقہؓ خاموشی کے ساتھ ان کی تمام باتیں سنتی رہیں، وہ اس انتظار میں تھیں کہ آپ ﷺ کی مرضی ہو تو جواب دیں، چناں چہ جب اشارتاً آپ ﷺ کی طرف سے جواب دینے کی اجازت مل گئی تو اٹھیں، اور ایسا مسکت جواب دیا کہ حضرت زینبؓ کو خاموشی کے ساتھ واپس چلے جانے میں ہی عافیت نظر آئی، وہ جب لاجواب ہو کر واپس جانے لگیں تو حضورِ اقدس ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: کیوں نہ ہو! آخر یہ ابوبکر کی بیٹی ہے۔

مذکورہ واقعہ میں دونوں کے درمیان نہایت تلخی واقع ہوئی ہے، اور یہ سلسلہ ناگوار حد تک دراز ہو گیا ہے؛ مگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی صاف دلی اور ان کے حسنِ اخلاق کو دیکھیے کہ وہ اسی ناخوشگوار واقعہ کو بیان کرتے ہوئے نہایت فراخ دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ حضرت زینبؓ کے فضل وکمال کا مسلسل اظہار واعتراف کیے جارہی ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ: پھر (یعنی حضرت فاطمہ کے بعد) زینب آئیں، اور تمام ازواجِ مطہرات میں حضورِ انور ﷺ کے سامنے انہیں کو میری ہم سَری کا دعویٰ تھا، میں نے زینب سے زیادہ دیندار، پرہیز گار، راست گفتار، صدقہ اور صلہ رحمی کرنے والی کسی عورت کو نہیں دیکھا، وہ نہایت فیّاض، سخی، مخیّر اور خداوندِ قدوس کا قرب حاصل کرنے میں کوشش کرنے والی تھیں۔

امّ المومنین حضرت جویریہؓ

حضرت جویریہؓ پیکرِ حسن و جمال تھیں، وہ جب حضور اقدس ﷺ کی زوجیت میں داخل ہوئیں تو ان کے حسن و جمال کی بنا پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ خوف لاحق ہوا کہ وہ آپ ﷺ کی نگاہ میں کہیں ان سے کم رتبہ نہ ہو جائیں؛ مگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ خوف جلد ہی ختم ہو گیا؛ کیوں کہ حضرت جویریہؓ کی وجہ سے ان کی قدر و منزلت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، اور کمی واقع ہوتی بھی کیوں؟ اس لیے کہ کسی کا حسن و جمال آپ ﷺ کے یہاں قدر و منزلت کا معیار تھا ہی نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت جویریہؓ کے درمیان کبھی کسی معاملہ میں اختلاف ہوا ہو یا آپس میں رنج و ملال کا کوئی واقعہ پیش آیا ہو اس سے کتبِ تاریخ و احادیث ساکت ہیں؛ البتہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ فراخ دلانہ اعتراف ضرور کیا ہے کہ میں نے کسی اور عورت کو نہیں دیکھا جو جویریہ سے زیادہ اپنی قوم کے حق میں بابرکت ثابت ہوئی ہو؛ کیوں کہ غزوۂ بنو المصطلق میں شریک صحابۂ کرامؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی زوجیت میں لے لیا ہے تو اپنے اپنے حصہ کے قیدیوں کو یہ کہہ کر فوراً آزاد کر دیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار ہیں ان کو باندی غلام بنا کر رکھنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔

اُمّ المؤمنین حضرت امِّ حبیبہؓ

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت امِّ حبیبہؓ کے درمیان کتبِ حدیث میں مخالفت یا رنجش وغیرہ کا کوئی واقعہ مذکور نہیں ہے؛ البتہ کتبِ تاریخ و سیر میں یہ ملتا ہے کہ حضرت امِّ حبیبہؓ کے انتقال کا وقت جب قریب آ گیا، اور قرائن وغیرہ سے ان کو اس کا یقین ہو گیا کہ اب میں اچھی نہیں ہو سکتی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو انہوں نے

اپنے پاس بلوایا، جب وہ آ گئیں تو یہ کہا کہ: سوکنوں کے مابین کچھ نہ کچھ تلخی اور رنج وملال کا واقعہ پیش آ ہی جایا کرتا ہے، اگر بہ تقاضائے بشریت کبھی ایسا ہو گیا ہو تو تم مجھے معاف کر دینا، خدا ہم دونوں کو معاف فرمائے، اس پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جواب دیا: خدا سب کچھ معاف کرے۔ اس جواب سے خوش ہو کر حضرت امِ حبیبہؓ نے کہا: اس وقت جس طرح تم نے مجھے مسرور کیا، خدا تم کو بھی ہمیشہ خوش وخرم رکھے۔

اُمّ المؤمنین حضرت صفیہؓ

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت صفیہؓ کے درمیان بھی تلخی اور رنجش کا کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جو آمنے سامنے پیش آیا ہو، حدیث وتاریخ میں ان دونوں سے متعلق جو کچھ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کی زوجیت میں داخل ہو کر جب مدینۂ منورہ پہنچیں تو متعدد وجوہ کی بنا پر جن میں ان کا نہایت حسین وجمیل ہونا بھی داخل تھا، بہت سی عورتیں ان کو دیکھنے گئیں، خفیہ طور پر حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی پہنچیں، مگر آپ ﷺ نے انہیں دیکھ لیا اور قریب آ کر پوچھا، بتاؤ! تم نے صفیہ کو کیسا پایا؟ اس پر انہوں نے کہا: یہودیہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کہو، وہ بہ صدا خلاص دامنِ اسلام سے وابستہ ہو چکی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت صفیہؓ کے پستہ قد ہونے کا تذکرہ آپ ﷺ کے سامنے بہ طورِ عیب کیا تھا اس موقع پر بھی آپ نے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ: عائشہ! تم نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ اگر سمندر میں ڈال دیں تو وہ بھی کڑوا اور بدبودار ہو جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت صفیہؓ کے درمیان پیش آنے والے مذکورہ بالا واقعات میں سے کوئی بھی واقعہ آمنے سامنے کا نہیں ہے، پھر یہ کہ جب حضور اقدس ﷺ نے ان کے عمل کی خرابی پر انہیں متنبہ فرمایا ہے، تو فوراً انہوں نے اس کے تدارک کی کوشش

کی ہے، اوراس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت صفیہؓ کی خوبیوں کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ چناں چہ انہیں کا بیان ہے کہ صفیہ کھانا بہت جلد اور نہایت عمدہ پکایا کرتی تھیں، میں نے کسی اورعورت کو ان سے عمدہ کھانا پکانے والی نہیں دیکھا۔

مذکورہ دونوں ازواج میں رشتۂ الفت ومحبّت کے نہایت استوار اور قوی ہونے کی ایک بیّن دلیل یہ بھی ہے کہ ازواجِ مطہرات کی دو جماعتیں بنی ہوئی تھیں اور حضرت صفیہؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی جماعت میں شامل تھیں۔

اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ

حضرت میمونہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے تعلقات کے بارے میں بھی کتابوں میں کچھ مذکور نہیں ہے، یہ خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دونوں کے تعلقات میں استواری اور الفت ومحبت رہی ہے۔ ’’تہذیب التہذیب‘‘ اور ’’الطبقات‘‘ میں مذکور ہے کہ جب حضرت میمونہؓ کا انتقال ہوا تو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: وہ ہم میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔

حضور اقدس ﷺ کی صاحبزادیوں کے ساتھ حضرت عائشہؓ کا برتاؤ

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنی تمام سوکنوں کے ساتھ جس لطف ومہربانی، عدل وانصاف اورعزت وتوقیر کا معاملہ کیا، اورجس اخلاص کے ساتھ ان کی نیکیوں اور خوبیوں کا اعتراف کرکے ان کو خراجِ عقیدت پیش کیا اس کا ایک نمونہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا، اب ہلکی سی جھلک اس کی بھی ملاحظہ کرتے چلئے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا برتاؤ حضور اقدس ﷺ کی صاحبزادیوں کے ساتھ جو ان کی سوتیلی اولاد تھیں کیسا رہا؟۔

حضور اقدس ﷺ کے یہاں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے راجح قول کے مطابق چھ اولاد ہوئیں، دو لڑکے اور چار لڑکیاں، دونوں لڑکے تو بچپن میں ہی راہیٔ ملکِ بقا ہو گئے، البتہ چاروں لڑکیاں جوان ہو کر اپنے گھر بار والی ہوئیں، مگر ان میں سے بھی تین آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں جنّت کو سدھار گئیں، آپ ﷺ کے وصال بالرفیق الاعلیٰ سے پہلے تک صرف حضرت فاطمہؓ باحیات رہیں، پھر چھ ماہ بعد وہ بھی آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئیں۔

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ۱ھ کے اواخر میں اپنے والدین کے یہاں سے رخصت ہو کر آپ ﷺ کے کاشانۂ اطہر پر فروکش ہوئیں، اُس وقت آپ ﷺ کی چاروں بیٹیاں باحیات تھیں، جن میں سے بڑی بیٹی حضرت زینبؓ اپنے شوہر جناب ابو العاص کے ساتھ مکۂ مکرمہ میں تھیں، اور حضرت رقیہؓ اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کے ساتھ مدینۂ منورہ میں ہی تھیں، کاشانۂ اقدس پر صرف دو بیٹیاں حضرت امِ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ موجود تھیں۔ پھر ۲ھ میں حضرت رقیہؓ کا جب انتقال ہو گیا تو آپ ﷺ نے حضرت امِ کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا، اور وہ اپنے شوہر کے گھر چلی گئیں۔ حضرت رقیہؓ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا کوئی سابقہ ہی نہیں پڑا، البتہ حضرت امِ کلثومؓ اور حضرت زینبؓ سے سات آٹھ برس تک کسی نہ کسی درجہ میں سابقہ پڑتا رہا؛ کیوں کہ اول الذکر کا انتقال ۹ھ میں اور ثانی الذکر کا ۸ھ میں ہوا ہے، مگر کتبِ حدیث و تاریخ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا مذکور نہیں ہے جس سے پتہ چلتا ہو کہ حضور اقدس ﷺ کی ان دونوں بیٹیوں اور امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے درمیان کبھی کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آیا ہو۔

آپ ﷺ کی اولاد میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اصل سابقہ حضرت فاطمہؓ سے رہا ہے، اور ان دونوں کے باہمی تعلقات میں ہمیشہ خوش گواری رہی ہے۔

حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے ذی الحجہ ۲ھ میں ہوا ہے، اس وقت بہ حیثیت ماں حضرت عائشہؓ خانۂ نبوت میں موجود تھیں، اور شادی کا سامان تیار کرنے میں آپ امّ المؤمنین حضرت سودہؓ کے ساتھ از اول تا آخر مکمل شریک رہی ہیں، اور نہایت اہتمام کے ساتھ ان کو شوہر کے گھر رخصت کیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے متعلق کتبِ احادیث میں جو کچھ مذکور ہے اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ دونوں کے درمیان باہمی الفت ومحبت اور یکجہتی کا معاملہ رہا ہے، چناں چہ حضرت فاطمہؓ کے فضل وکمال کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ: میں نے چال ڈھال، نشست وبرخاست، طور وطریق اور سیرت وعادت میں حضور ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ حضرت فاطمہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیکھا۔

وفات

وفات سے پہلے

جب سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیمار ہوئیں اور ان پر غفلت طاری ہوئی تو حضرت ابنِ عباسؓ ان کی عیادت کے لیے آئے۔ سیدہ عائشہؓ نے اس خیال سے اجازت دینے میں تأمّل کیا کہ وہ آکر ان کی تعریف کریں گے، کسی نے ان سے کہا کہ: یہ تو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں اور امتِ مسلمہ میں ذی وجاہت ہیں، انہیں تو اجازت ملنی چاہیے، سیدہ عائشہؓ نے فرمایا کہ: اجازت دے دو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اندر تشریف لائے اور پوچھا کہ: اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ سیدہ عائشہؓ نے جواب دیا: اگر مجھ میں تقویٰ ہے تو میں خیریت سے ہوں۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے کہا کہ: آپ ان شاء اللہ خیر وعافیت ہی میں رہیں گی، آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں، آپ کے علاوہ کسی کنواری لڑکی سے رسول اللہ ﷺ نے

نکاح نہیں کیا، آپ کی براءت آسمان سے اتری، آپ تو سچے پیش رَو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر کے پاس جارہی ہیں، فکر کس بات کی۔ یہ بات کہہ کر وہ چلے گئے۔ اتنے میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ تشریف لائے سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: ابنِ عباس آئے تھے، انہوں نے میری تعریف کی، میں تو یہ چاہتی ہوں کہ بھولی بسری ہوجاتی۔

وصیت اور وفات

پھر سیدہ عائشہؓ نے حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیت کی کہ مجھے دوسری ازواجِ مطہرات کے پاس ہی دفن کردینا، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روضۂ مبارک میں ایک جگہ جو ابھی باقی ہے وہاں دفن نہ کرنا؛ کیوں کہ میں یہ بات پسند نہیں کرتی کہ مجھے دوسری ازواج کے مقابلے میں کوئی برتر مقام دیا جائے۔

حضور اقدس ﷺ کے وصال بالرفیق الاعلیٰ کے وقت امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کل اٹھارہ برس کی تھیں، اور آپ ﷺ کے بعد اڑتالیس برس تک زندہ رہیں، منگل کی شب، ۱۷/ رمضان المبارک ۵۸ھ میں تقریباً سرسٹھ برس کی حیاتِ مستعار پاکر راہیٔ ملک بقا ہوئیں۔

حضرت عائشہؓ کی ایک وصیت اور ایک بشارت

انتقال کے پہلے ایک وصیت تو یہ تھی کہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ مجھے حجرہ میں دفن نہ کیا جائے، بلکہ دیگر ازواجِ مطہرات کے ساتھ بقیع کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ اور دوسری یہ کہ رات کو اگر انتقال ہو تو صبح طلوع ہونے کا انتظار نہ کیا جائے، چناں چہ وصیت کے مطابق بعد نمازِ عشا رات کا ایک معتد بہ حصہ گذر جانے کے بعد دفن کی گئیں۔

نمازِ جنازہ اور تدفین

حضرت ابوہریرہؓ اس وقت مدینۂ منورہ کے منصبِ امارت پر مروان کی طرف سے

قائم مقام امیر تھے، اس لیے انہوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی، نمازِ جنازہ کے بعد آپؓ کے بھتیجوں اور بھانجوں قاسم بن محمد بن ابوبکر، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر، عبداللہ بن عتیق، عروہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے قبر میں اتارا اور اسوۂ نبوی کا یہ پیکرِ جمیل ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگیا۔

اولاد

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کنواری حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں اور پورے نو برس تک آپ کی رفاقت میں رہیں؛ مگر آپ ﷺ سے ان کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی؛ لیکن وہ تقدیرِ الٰہی پر پورے طور سے راضی تھیں، کتبِ حدیث وتاریخ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا مذکور نہیں ہے جس سے پتہ چلتا ہو کہ اولاد نہ ہونے پر ان کو کسی طرح کا کوئی شکوہ وگلہ رہا ہو۔

سوگوار عالمِ اسلام

اُمّ المؤمنین کی وفات سے پورا عالمِ اسلام سوگوار ہوگیا، اور کیوں نہ ہوتا کہ یہ اس مادرِ مشفق کا سانحۂ ارتحال تھا جس نے اسوۂ نبوی ﷺ کا عملی نمونہ بن کر پورے عالم کی رہنمائی کا عظیم فریضہ انجام دیا تھا، اور حضور ﷺ کی تعلیمات کی نشر واشاعت میں زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کردیا تھا۔

جنازہ میں ہجوم کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ بہ وقتِ شب مدینۂ منورہ میں کبھی اس قدر اژدحام نہیں دیکھا گیا۔

اُم المؤمنین حضرت امِ سلمہؓ کا خراجِ عقیدت

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے انتقال پر جب ان کے مکان سے آہ وبکا کی آواز بلند

ہوئی تو اُمّ المؤمنین حضرت امِ سلمہؓ نے ان کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا: وہ حضور اقدس ﷺ کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: خدا ان پر رحمت نازل کرے، وہ اپنے والدِ نامدار کے علاوہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

۞۞

مآخذ و مراجع

(۱) صحیح بخاری
(۲) صحیح مسلم
(۳) سیر اعلام النبلاء
(۴) طبقات ابن سعد
(۵) صحابیات مبشرات
(۶) ازواجِ مطہرات، حیات و خدمات
(۷) فضائلِ امہات المؤمنین
(۸) سیرتِ مصطفیٰ، جلد سوم
(۹) رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں
(۱۰) نامور مسلم خواتین
(۱۱) اُمّ المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ
(۱۲) صحابیات
(۱۳) تذکارِ صحابیات
(۱۴) امتِ مسلمہ کی مائیں
(۱۵) خواتینِ اسلام کی دینی و علمی خدمات
(۱۶) امہات المؤمنین
(۱۷) عشرۂ مبشرہ
(۱۸) پندرہ جنتی صحابیات

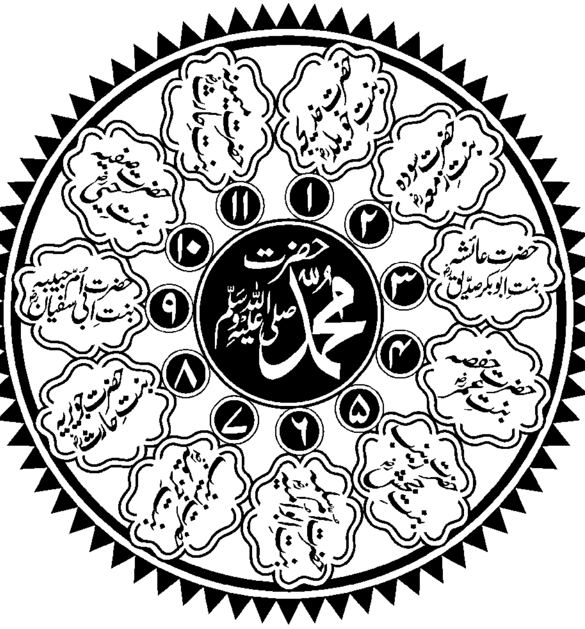

۴

اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہا

سوانحی خاکہ

نام	:	اُمّ المؤمنین سیدہ حفصہؓ۔
والد کا نام	:	عمر بن خطابؓ۔ والدہ کا نام: زینب بنتِ مظعونؓ۔
قبیلہ	:	قریش کی شاخ بنوعدی۔
ولادت	:	تعمیرِ بیت اللہ والے سال بعثتِ نبوی سے پانچ سال قبل۔
پہلا نکاح	:	نبوت کے ساتویں یا آٹھویں سال حضرت خنیس بن حذافہ سہمیؓ سے۔
دوسرا نکاح	:	۳ھ، بیس سال کی عمر میں حضور ﷺ سے۔
مقدارِ مہر	:	چار سو درہم۔
مدتِ رفاقت	:	تقریباً ساڑھے سات برس۔
اولاد	:	کوئی اولاد نہ تھی۔
ہجرت	:	مدینہ کی جانب والدِ گرامی اور شوہرِ نامدار کے ساتھ۔
حج	:	۱۰ھ میں حضور ﷺ کی معیت میں حج کی سعادت حاصل ہوئی۔
مرویات	:	آپؓ سے کل ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔
وفات	:	آپؓ کی وفات میں متعدد روایات ہیں؛ مگر راجح قول یہ ہے کہ آپؓ کا انتقال شعبان ۴۵ھ عہدِ خلافتِ معاویہؓ میں ہوا۔
نمازِ جنازہ	:	مدینۂ منورہ کے گورنر مروان بن حکم نے پڑھائی۔
مدفن	:	جنّت البقیع۔ کل عمر: ۶۳ سال۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا

لقمان عثمان احمد آبادی

جب بے نیام شمشیروں کی جھنکاریں، تیروں کی سنسناہٹ، نیزوں کی کھٹا کھٹ اور گھوڑوں کے ٹاپوں کی گونج بند ہونے لگی، اور سورج نے جو میدانِ کارزار میں موجود شہسوارانِ حق و باطل میں سے کس کے سر پر فتح و کامرانی کا سہرا باندھا جائے گا دیکھنے کے لیے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ قدرے غبار ہٹنے کے بعد مضطرب اور بے چین آنکھوں سے دیکھا کہ کافروں کی لاشوں کے انبار پڑے ہوئے ہیں، اور فدا کارانِ احمد میں سے کچھ جاں نثار جامِ شہادت نوش کر کے عالمِ بالا کو سِدھار گئے ہیں اور کچھ زخموں سے کراہ رہے ہیں کہ دور سے اس نے ایک عورت کو دوپٹہ سنبھالے اپنے خاوند کو تلاش کرتے ہوئے دیکھا، قدرے جستجو و چھان بین کے بعد خاوند کو شدید گہرے زخم میں پڑا ہوا پایا، ایسی حالت میں خاوند کو دیکھ کر اس صابرہ خاتون نے نہ تو رونا پیٹنا شروع کیا اور نہ ہی غم زدہ و پژمردہ ہوئی؛ بلکہ صبر و احتساب کے ساتھ اپنے خاوند کی جواں مردی و بہادری کو سراہنے لگیں اور سورۂ انفال کی وہ آیت جو اسی معرکۂ بدر کی مناسبت سے نازل ہوئی تھیں پڑھنے لگیں:

﴿وما جعله الله إلا بشرىٰ لكم ولتطمئن به قلوبكم وما النصر إلا من عند الله إن الله عزيز حكيم﴾

ترجمہ: اور یہ وعدہ اللہ نے کسی اور وجہ سے نہیں؛ بلکہ صرف اس لیے کیا کہ وہ خوشخبری بنے اور تا کہ تمہارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو ورنہ مدد کسی اور کے پاس سے

نہیں صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے۔ (از آسان ترجمۂ قرآن: ۳۶۸)

قربان جائیے اس بہادر عورت پر کہ ایسی سخت مصیبت میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا، اور اپنے جذبات واحساسات کو قابو میں رکھ کر اپنے رفیقِ حیات کی خدمت اور علاج ومعالجہ میں مشغول ہوگئیں، اور رہتی دنیا تک کے لیے امّت کی مؤمنات ومسلمات کو یہ پیغام دے گئیں کہ خواہ کتنی ہی بڑی مصیبت پڑے ہر وقت صبر کا دامن تھامے رکھنا چاہیے اور بڑی سے بڑی تکلیف کے وقت پل بھر کے لیے بھی عقل وحواس کھو کر غیر شرعی حرکت نہیں کرنا چاہیے۔

صبر واستقلال، عزم وحوصلہ اور پامردی وثباتِ قدمی کا اظہار کرنے والی یہ وہی مقدس خاتون ہیں جن کے متعلق سید الملائکہ نے بیان کیا: "إنها صوامة وقوامة" کہ وہ صائم النہار اور قائم اللیل ہیں۔ اور یہی وہ قاریہ، ادیبہ، کریمہ بنتِ کریم، نبیلہ بنتِ نبیل، سیدنا فاروق اعظمؓ کی نورِ چشم اور لختِ جگر ہے جن کا نامِ نامی ''حفصہ'' ہے۔ آج بھی یہ پاک زندگی کتبِ سیر وتاریخ سے لے کر امتِ مسلمہ کے قلب وجگر تک ہر جگہ جگمگا رہی ہے، ان ہی کے احوالِ زندگی ہدیۂ ناظرین ہیں:

نام وشجرۂ نسب

آپؓ کا نام حفصہ بنتِ عمرؓ تھا، آپؓ کا نسب والد کی طرف سے یہ ہے: حفصہ بنتِ عمر بن خطاب بن نُفیل بن عبد العزّٰی بن عباح بن عبد اللہ بن قرط بن رَزاح بن عدی بن کعب بن لُوی عدوی قریشی۔ اس طرح آپؓ کا سلسلۂ نسب دسویں پشت میں لوی پر پہنچ کر حضور ﷺ سے جا ملتا ہے۔

اور والدہ کی طرف سے نسب نامہ یہ ہے: زینب بنتِ مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ القرشیہ الجمحیہ۔

ولادت

سیرت وتاریخ کا ہر طالبِ علم جانتا ہے کہ جب عہدِ جاہلیت میں کعبۃ اللہ شریف کی تعمیرِ نو کے موقع سے حجرِ اسود کو لے کر قبائلِ قریش کے درمیان تنازع کھڑا ہوا تو قضائے الٰہی سے عبداللہ کے لختِ جگر آمنہ کے لال حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے آگے بڑھ کر الجھے ہوئے قضیے کی ڈور ایسی حکمت سے سلجھائی کہ دیوارِ کعبہ میں حجرِ اسود کے جڑنے کے ساتھ سب کے دل بھی جڑ گئے۔ تجدیدِ بیت اللہ کا یہ واقعہ بعثتِ نبوی سے پانچ سال قبل پیش آیا تھا، خدائے واحد کا نظام اور تقدیرِ الٰہی کا فیصلہ دیکھیے کہ جس ہستی نے لوگوں کے دلوں کو جوڑ کر گھروں کو آباد کیا قدرت نے اسی سال اسی امین وصادق کے دل کو جوڑنے کے لیے اور اس کے گھر کو بسانے کے لیے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیدا فرمایا۔

سیدہ حفصہؓ کا خاندان اور ان کے والدِ محترم

زمانۂ جاہلیت میں قریش نے شہرِ مکّہ کا نظم ونسق باقاعدہ وباضابطہ چلانے کے لیے اور باہمی انتشار وافتراق اور عداوت ورقابت کو دور کرنے کے لیے تقسیمِ کار کا اصول اپنایا ہوا تھا، جس کے تحت مختلف قبائل کے لوگوں کو مختلف امور سپرد کیے گئے تھے، من جملہ بنوعدی - جو سیدہ حفصہؓ کا خاندان ہے- انہیں سفارت کا منصبِ جلیل دیا گیا تھا، قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ سیاسی ومعاشرتی معاملہ درپیش ہوتا تو بنوعدی کے لوگ اس قبیلے والوں کے پاس بہ حیثیتِ سفیر جاتے۔ اسی طرح مناظرے کے معرکوں کی ثالثی بھی اسی قبیلے کے سپرد تھی۔ ظہورِ اسلام سے قبل سفارت وحکمیت کے عہدۂ جلیل پر اسی سیدہ نبیلہ حفصہؓ کے والدِ محترم حضرت عمر ابن الخطابؓ فائز تھے جو معاملہ فہمی، نکتہ آفرینی، حاضر جوابی اور اصابتِ رائے کی وجہ سے مکّہ میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے اور قریش کے ان

سترہ افراد میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کا مختصر تعارف

سیدنا عمرؓ واقعۂ فیل کے تیرہ سال اور جنگِ فجار کے چار سال بعد ۵۸۹ء میں پیدا ہوئے، آپؓ نسب دانی میں ماہر تھے، یہ فن آپؓ کے قبیلہ کا مخصوص امتیاز تھا، جاحظ کہتے ہیں کہ: آپؓ اور آپ کے والد اور دادا سب نسّاب تھے، شہسواری میں اس قدر مہارت تھی کہ بھاگتے گھوڑے پر کود کر اس طرح سوار ہوتے کہ بدن میں مطلق حرکت نہ ہوتی۔

زمانۂ جاہلیت میں انہیں قریش کا بہت بڑا بہادر سمجھا جاتا تھا، ابتدا میں آپؓ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے؛ لیکن رحمت للعالمین اور فخرِ سید المرسلین ﷺ کی دعا سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: کعبہ میں ہم اس وقت نماز پڑھنے کا حوصلہ کرسکے جب عمر بن خطابؓ نے اسلام قبول کیا۔ سیدہ عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ: اسلام صیغۂ راز میں رہا یہاں تک کہ سیدنا عمرؓ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

(رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں:۲۶۴)

ان ہی کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ”لو كان بعدي نبي لكان عمر“ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ آپؓ ۲۳ھ میں نمازِ فجر کے دوران مغیرہ بن شعبہ کے مجوسی غلام ابولؤلؤ فیروز کے ہاتھوں زخمی ہوکر شہید ہوئے۔ (مزید احوال کے لیے دیکھیے: عشرۂ مبشرہ: از ۲۲۵ تا ۲۸۴، ناشر: شعبۂ تقریر و تحریر، جامعہ ڈابھیل)

والدۂ محترمہ

سیدہ حفصہؓ کی والدہ کا نام: زینب بنتِ مظعون القرشیۃ الجمحیۃ تھا، آپ جلیل القدر صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ ۔جنہیں جنّت البقیع میں سب سے پہلے دفن ہونے کی

سعادت ملی-،اور سیدنا قدامہ بن مظعونؓ کی ہمشیرہ تھیں۔ نیز سیدنا عمرؓ کی زوجۂ محترمہ اور عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمٰن بن عمرؓ اور حفصہؓ کی والدۂ محترمہ تھیں، اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے خاوند اور دونوں بیٹوں کے ساتھ ہجرت کی۔

حضرت حفصہؓ کے بھائی بہن

جیسا کہ ابھی گذرا کہ حضرت حفصہؓ حضرت زینب بنتِ مظعونؓ کی لاڈلی بیٹی تھی، سیدنا عمرؓ نے حضرت زینبؓ سے زمانۂ جاہلیت میں شادی کی تھی اور ان سے دو نرینہ اولاد عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہوئی، عبدالرحمٰن کو ''عبدالرحمٰن الاکبر'' بھی کہا جاتا ہے، ان کی کنیت ''ابوعیسیٰ'' تھی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''عبداللہ بن عمر'' کے نام سے ایک دنیا جانتی ہے، یہ دونوں حضرات حضرت حفصہؓ کے حقیقی بھائی تھے۔

نیز سیدنا عمرؓ نے زمانۂ جاہلیت میں مُلَیکہ بنتِ جَرْوَل سے شادی کی تھی، جس کو آپؓ نے طلاق دے دی تھی، اس سے ایک بیٹا عبداللہ پیدا ہوا۔

مزید برآں اِم کلثوم بنتِ جَرْوَل سے شادی ہوئی اور ان سے دو بیٹے زید اصغر اور عبیداللہ پیدا ہوئے۔ واقدیؒ کا بیان ہے کہ اِم کلثوم بنتِ جرول اور ملیکہ بنتِ جرول ایک ہی خاتون ہیں، اس سے عبیداللہ اور زیدِ اصغر پیدا ہوئے۔

ان کے علاوہ اِم کلثوم بنتِ علیؓ سے شادی کی، ان سے ایک بیٹا زید الاکبر اور ایک بیٹی رقیہ پیدا ہوئی، ان کا حقِ مہر چالیس ہزار درہم مقرر کیا تھا۔ نیز جمیلہ بنتِ ثابت سے بھی نکاح ہوا، اس کا نام عاصیہ تھا، آپ ﷺ نے بدل کر جمیلہ رکھ دیا، اس سے ایک بیٹا عاصم پیدا ہوا، بعد میں آپؓ نے اس بیوی کو طلاق دے دی تھی۔

اِم حکیم بنتِ حارث سے شادی کی، یہ بیوہ تھیں، ان کا خاوند شام میں قتل کر دیا گیا تھا، ان سے ایک بیٹی فاطمہ نے جنم لیا، آپؓ نے اس بیوی کو بھی طلاق دی تھی۔

عاتکہ بنتِ زیدؓ سے شادی ہوئی تو اس سے ایک بیٹا عیاض پیدا ہوا، سیدنا عمرؓ کی شہادت کے بعد انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے سیدنا زبیر ابن العوامؓ سے نکاح کرلیا۔

آپؓ کی دو لونڈیاں تھیں: ایک کا نام فکیہہ اور دوسری کا نام لہیہ تھا، فکیہہ سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام زینب بنتِ عمر رکھا؛ لیکن لہیّہ کے بارے میں مؤرخین کے دو قول ہیں: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: وہ لونڈی تھی اور بعض کا کہنا ہے کہ آپؓ نے ان سے نکاح کرلیا تھا، ان ہی سے عبدالرحمٰن الاصغر المعروف بہ ابی شحمہ پیدا ہوئے، لہیہ کا نام ''وہیہ'' بھی بیان کیا گیا ہے۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۲۶۷)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سیدہ حفصہؓ کے دو حقیقی اور چھ علاتی بھائی تھے اور تین علاتی بہنیں تھیں جن کی فہرست یہ ہے:

حقیقی بھائی: عبدالرحمٰن الاکبر، عبداللہ۔

علاّتی بھائی: عبیداللہ، عبداللہ، زید اصغر، زید اکبر، عاصم، عیاض، عبدالرحمٰن الاصغر۔

علاّتی بہن: فاطمہ، زینب، رقیہ۔

سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دُدھیالی ونہالی رشتہ

سیدہ حفصہؓ کے ایک چچا تھے جن کا نام زید بن خطاب تھا، حضرت عمر فاروقؓ سے عمر میں بڑے اور ان کے علاّتی بھائی تھے۔ حضرت زیدؓ کی والدہ کا نام: اسماء بنتِ وہیب تھا، اور حضرت عمر فاروقؓ کی والدہ کا نام حنتمہ بنتِ ہاشم تھا، حضرت زیدؓ بھی حضرت عمرؓ کی طرح مہاجر اور بدری تھے، وہ آپ ﷺ کے ساتھ تمام جنگوں اور خاص معرکوں (بدر، احد، خندق) میں شریک رہے۔ سیدنا ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں جنگِ یمامہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔

سیدہ حفصہؓ کی دو پھوپھیاں تھیں: ایک کا نام امیمہ اور دوسری کا نام صفیہ تھا۔

امیمہ یہ حضرت عمرؓ کی سگی بہن ہے، ان کا نام: فاطمہ، کنیت: امِ جمیل اور لقب: امیمہ تھا۔ یہی وہ پھوپھی ہیں جو خود اسلام سے بہرہ ور ہوکر اپنے جواں مرد بھائی کے اسلام لانے کا سبب بنیں، ان کا عقدِ نکاح سعید بن زیدؓ سے ہوا تھا۔ اور دوسری پھوپھی کا نکاح سفیان بن عبدالاسد مخزومی سے ہوا تھا۔

آپؓ کے تین ماموں تھے: (۱) عثمان بن مظعونؓ، (۲) عبداللہ بن مظعونؓ، (۳) قدامہ بن مظعونؓ۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ کی زوجہ سیدہ خولہؓ بنتِ حکیم سیدہ حفصہؓ کی ممانی تھی اور یہی وہ عورت ہے جس نے نبیٔ کریم ﷺ سے سیدہ عائشہؓ اور سیدہ سودہؓ کے رشتہ کی بات کی تھی۔ اور معروف صحابی حضرت سعید بن زیدؓ آپؓ کی سوتیلی ماں عاتکہ بنتِ زیدؓ کے بھائی ہونے کے ناطے آپ ﷺ کے ماموں تھے، یہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، یہ سیدہ کے پھوپھا جان لگتے ہیں؛ کیوں کہ ان کی شادی آپ ﷺ کی پھوپھی سیدہ امِ جمیل سے ہوئی تھی۔

سیدہؓ کا اسلام، پہلا نکاح اور ہجرت

سیدہ موصوفہ اپنے والد حضرت عمرؓ کے ساتھ ہی ۶ نبوی کے شروع میں دس سال کی عمر میں ایمان و اسلام کی نورانی دولت سے بہرہ ور ہو چکی تھیں۔

جب سیدہؓ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو والد نے ان کا نکاح حضرت خنیس بن حذافہ سہمیؓ سے کر دیا، آپؓ سیدنا ابو بکرؓ کی تبلیغ سے متأثر ہوکر اسلام لائے تھے، یہ نکاح حضرت خنیس کی حبشہ سے واپسی پر نبوت کے ساتویں یا آٹھویں سال ہوا۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب رسولِ اکرم ﷺ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعلیم و تربیت

کے لیے دارِارقم میں فروکش ہو چکے تھے۔قریشِ مکّہ کو جب بنوسہم کے اس نوجوان کے مسلمان ہونے کی خبر پہنچی تو بڑے سیخ پا ہوئے اوران پر بھی ظلم وستم، جوروبربریت کے لامتناہی سلسلے ڈھائے جانے لگے، کفارِقریش نے اس معاملے میں ذرا بھی رقّتِ قلبی اور رحم دلی کا مظاہرہ نہ کیا۔

چناں چہ بعثتِ نبوی سے چھٹے سال جب رسول اللہ ﷺ کی جانب سے حبشہ کی طرف ہجرت کرجانے کا حکم ملا تو وہ اپنے ضمیر کی آزادی اور ایمان کی سلامتی کی خاطر نبوت کے پانچویں سال ماہِ رجب میں نبوی میں اپنے شہراوراپنے اعزّہ واقربا کو خیر باد کہہ کر اپنے دو بھائیوں: عبداللہ اور قیس کے ہمراہ ہجرت کر گئے جو تاریخ میں ’’حبشہ کی دوسری ہجرت‘‘ کے نام سے مشہور ہے؛ لیکن حبشہ میں رہ کر ان کا دل مکّہ کی گلیوں اور وادیوں میں اٹکا رہتا تھا، ہر وقت بیت اللہ کی زیارت اور رسول اللہ ﷺ کی محبت انہیں پریشان کیے دیتی تھی، آخر کار یہ حبشہ کو خیر باد کہہ کر واپس مکّہ آ گئے اور مشرکین کی طرف سے ڈھائے جانے والے ظلم وستم کو خندہ پیشانی سے سہتے رہے۔ پھر جب بارگاہِ رسالت ﷺ سے نبوت کے تیرہویں سال مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا تو وہ اپنے خسر حضرت عمرؓ کے ساتھ ہجرت کے لیے روانہ ہوئے، اوران کے ساتھ ان کی زوجہ حضرت حفصہؓ اور حضرت حفصہؓ کے تایا زید بن خطاب اور پھوپھا سعید بن زیدؓ بھی تھے، جب مدینہ کی قریشی بستی قبا پہنچے تو رفاعہ بن عبدالمنذر نے ان کا پُرتپاک استقبال کیا اورعزت واحترام کے ساتھ اپنے یہاں ٹھکانہ دیا۔اس طرح سیدہ حفصہؓ کے شوہرِ نامدار حضرت خُنیسؓ کو دو ہجرتوں کی سعادت حاصل ہوئی۔

کچھ دنوں کے بعد جب آفتابِ رسالت مدینہ کی وادیوں میں طلوع ہوا اور انصار ومہاجرین کے درمیان رشتۂ اخوت اور بھائی چارے کا نظام قائم کیا تو حضرت خُنیس بن حذافہؓ اور ابوعبس بن جبر انصاریؓ کے درمیان مواخات قائم ہوئی، دونوں دینی بھائی

جنگجو، شہسوار، جواں مرد اور بہادر سپاہی تھے۔

حضرت حفصہؓ اور حضرت خنیسؓ دونوں میاں بیوی راضی خوشی مدینۂ منورہ میں زندگی بسر کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہونے لگے؛ لیکن چوں کہ حضرت خنیسؓ جہاد کے شوقین اور شجیع و بہادر آدمی تھے؛ اس لیے ہمیشہ جہاد کی تیاری میں لگے رہتے تھے اور مشرکینِ مکّہ کے استیصال کی فکر و تدبیریں کرتے رہتے تھے۔

ہجرت کے دوسرے سال مدینۂ منورہ میں یہ خبر گردش کرنے لگی کہ کفارِ قریش نے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لیے اپنی پوری طاقت وقوت اور جمعیّت کو اکٹھا کر لیا ہے اور ابوجہل نے یہ قسم کھا رکھی ہے کہ وہ بدر پہنچ کر اونٹوں کو ذبح کر کے پارٹی شارٹی، شراب و کباب، رقص و سرور کی محفلیں جمائے گا اور مسلمانوں کی وہ حالت کرے گا کہ آئندہ کسی کو قریش کے سامنے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت و ہمت نہ ہوگی۔ جب یہ خبر حضرت خنیس بن حذافہؓ کے کانوں میں پڑی تو جذبۂ جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے شیرِ نر کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ یاد رہے کہ بنی سہم میں شرکتِ بدر کا اعزاز صرف ان ہی کے حصے میں آیا تھا، ان کے علاوہ کوئی اور ''سہمی'' بدر میں شرکت نہیں کر سکا تھا۔

معرکۂ بدر میں حضرت خنیسؓ کی شجاعت وشہادت

بدر کا مقام ہے، اِدھر پھٹے پرانے، بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس گنے چنے چند افراد ہاتھوں میں لٹھ لیے کھڑے ہیں، اُدھر آہنی زرہیں سر سے لے کر پیر تک زیب تن کیے ہوئے طاقتور نوجوانوں کا جمِ غفیر ہیں۔ اِدھر چہروں پر فکر و حزن اور غم و اندوہ چھایا ہوا ہے، اُدھر اپنی طاقت و زور، کثرتِ تعداد اور اسلحوں کی فراوانی پر فخر و مباہلہ کیا جا رہا ہے۔ اِدھر نہتّے مسلمان ہیں، جسم لاغری و کمزوری کے ایسے شکار ہیں کہ ''مستضعفینِ قوم'' میں

شمار کیا جاتا ہے اور اُدھر بھلے چنگے سانڈ جیسا ڈیل ڈول رکھنے والے ہیں جن کا شمار سردارانِ قوم میں ہوتا ہے۔ ظاہر پرست اور کوتاہ نظر رکھنے والا یہی سمجھتا تھا کہ آج مسلمانوں کا گاجر مولی کی طرح قتلِ عام ہوگا، خون کی ندیاں بہادی جائے گی، اور زمین سے خیمۂ اسلام کو اکھاڑ دیا جائے گا؛ مگر کسے معلوم تھا کہ یہ نہتے مسلمان نورِ ایمان اور فراستِ ایمانی کی بہ دولت ان مشرکوں کی کیا گت بنا کر رکھ دیں گے۔

حق و باطل کی مڈبھیڑ ہوئی، معرکے کا طنطنہ بلند ہوا، مرحلۂ مبارزت گذرا، میدانِ کارزار گرم ہوا، حضرت خنیس بن حذافہؓ جذبۂ جہاد سے سرشار تھے، مدّتیں ہوئی ان کی شمشیر برّاں پیاسی تھی، آج اس کو سیراب کرنے کا موقع ہاتھ لگا تھا، بھوکے شیر کی طرح دشمنوں پر جھپٹے، اور ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے، بہت سوں کو جہنم رسید کیا، اور بہت سوں کو کارے زخم لگائے، اسی دوران اُن کے بدن پر بھی سخت گہرے زخم آئے۔ اِدھر اسلام کے غلبے پر جنگ ختم ہوئی، قریش کے بڑے بڑے سردار واصلِ جہنم ہوئے، شہیدانِ احد پر نمازِ جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کیا گیا۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کی جانے لگی، ان ہی میں حضرت خنیس بن حذافہؓ بھی تھے۔ حضرت حفصہؓ اپنے خاوند کے زخموں کے علاج ومعالجہ میں ہمدردی وہوش مندی سے مشغول ہوگئیں، زخم انتہائی گہرے تھے، مندمل نہ ہوسکے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو یہی منظور تھا، کچھ مدت کے بعد زخموں کی تاب نہ لاکر خنیس اللہ کو پیارے ہوگئے، اور ان کا شمار ﴿بل أحياء عند ربهم يرزقون﴾ کی فہرست میں ہوگیا۔

سیدہ حفصہؓ کے لیے اعزاز

اس جنگ میں حضرت حفصہؓ کے لیے قابلِ اعزاز بات یہ تھی کہ ان کے والدِ محترم حضرت عمر ابن الخطابؓ اور عمِ محترم زید بن خطابؓ اور تین ماموں اور ایک ماموں زاد

بھائی شریکِ جہاد ہوئے تھے، یہ اعزاز تمام صحابہؓ وصحابیاتؓ میں صرف ان ہی کو حاصل تھا کہ ان کے گھرانے کے سات افراد جنگِ بدر میں شریک ہوئے تھے۔

جب آپ ﷺ کو حضرت خنیسؓ کی وفات کا علم ہوا تو آپ نے بہ نفسِ نفیس ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور حضرت حفصہؓ کے ماموں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے پہلو میں دفن کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

بیوگی کا غم اور داماد کی جستجو

اس وقت سیدہ حفصہؓ کی عمر صرف اٹھارہ برس تھی، اتنی کم عمری میں اتنا بڑا حادثہ ان کے لیے نا قابلِ برداشت تھا؛ لیکن تقدیرِ الٰہی اور قضائے خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا، کثرتِ تلاوت اور کثرتِ صیام کو اپنا وطیرۂ حیات بنا لیا اور یکسو ہو کر خدائے کریم کی عبادت میں مشغول ہو گئیں۔

حضرت حفصہؓ چوں کہ عنفوانِ شباب ہی میں بیوہ ہو گئی تھی؛ اس لیے حضرت عمرؓ اپنی لاڈلی بیٹی کے بارے میں بہت فکر مند رہتے، جب وہ اپنی بیٹی کے چہرے پر خیر و نیکی، صلاح وتقویٰ اور عفّت ومعصومیت کے آثار دیکھتے تو ساتھ ہی ساتھ ان کے چہرے پر بیوگی کی تلخ پرچھائیاں دکھائی دیتیں، جب بھی گھر آتے اور حفصہ کا غم زدہ چہرہ دیکھتے تو ان کا دل قلق و بے چینی، اضطراب اور بے کلی کا شکار ہو جاتا۔ آخر کار انھوں نے اپنی بیٹی پر منڈلاتی ہوئی غموم وہموم کی بدلیوں کو دفع کرنے کا تہیہ کر لیا، اور وہی کیا جو ایک مشفق باپ کو کرنا چاہیے تھا، اب ان کی نگاہیں اپنے ارد گرد ایک ایسے موزوں شخص کو تلاش کرنے لگیں جو حفصہؓ سے بیوگی پن کے اثر کو دور کر کے اسے اس کی خوشیاں لوٹا دیں، اور پھر وہی خوشیاں اور بہاریں دکھائیں جو انہیں حضرت خنیس بن حذافہؓ کے ساتھ میسر تھیں، یا اس سے بھی زیادہ۔

حضرت عثمانؓ کو پیش کش اوران کا جواب

حضرت عمرؓ کی مدبّرانہ نظریں سیدنا حضرت عثمانؓ پر جا کر رکیں، یہی وہ زمانہ تھا جس میں حضرت عثمانؓ کی زوجۂ محترمہ حضرت رقیہ بنتِ رسول اللہ کا انتقال ہوا تھا، اور وہ اسی صدمہ سے نڈھال تھے۔ چناں چہ حضرت عثمانؓ سے جا کر ملے، پہلے تو حضرت رقیہؓ کی وفات پر افسوس کا اظہار کیا، پھر اپنی درخواست پیش کی کہ ''اگر آپ چاہیں تو میں اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر دوں''، یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے کہا: مجھے کچھ مہلت دیجیے۔ پھر حضرت فاروقِ اعظمؓ نے چند دن گذر جانے کے بعد ان سے ملاقات کی اور اُس موضوع کو دوبارہ چھیڑ دیا جسے حضرت عثمانؓ نے کچھ مہلت مانگ کر ادھورا چھوڑ رکھا تھا، حضرت عثمانؓ فرمانے لگے کہ: ''میرا ابھی کسی سے شادی کرنے کا ارادہ نہیں ہے''، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑا دکھ ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ کو پیش کش اوران کا جواب

اس کے بعد حضرت عمرؓ کی نظرِ انتخاب سیدہ ابوبکرؓ پر جا ٹکی، (بعض کتابوں میں پہلے حضرت ابوبکرؓ سے ملنے کا ذکر ہے) ایک دن حاضرِ خدمت ہوکر عرض کرنے لگے: ''میں اپنی بیٹی تمہارے حبالۂ عقد میں دینا چاہتا ہوں'' یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے اپنی آنکھیں جھکا لیں اور اور کچھ جواب نہ دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت رنج ہوا کہ ان کی یہ درخواست اس طرح مسترد ہوگئی، حالاں کہ ان کا یہ خیال تھا کہ حضرت ابوبکرؓ رفاقت ودوستی کی خاطر میری درخواست رد نہ کریں گے؛ بلکہ وہ حفصہ جیسی شریف النسب لڑکی سے شادی کر کے میرے بوجھ کو ہلکا کر دیں گے؛ مگر ان کی طرف سے یوں اعراض وروگردانی دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت غصہ آیا۔

دربارِ رسالت میں شکایت و تشفّی بخش جواب

آخر اپنے دونوں دوستوں کے رویے کی شکایت لیے دربارِ رسالت ﷺ میں پہنچے اور از اول تا آخر اپنی پوری داستان کہہ سنائی۔ یہ سب سن کر آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: عمر! گھبراؤ نہیں! پریشان نہ ہو! حفصہ کا نکاح اس شخص سے ہوگا جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان کی شادی اس سے ہوگی جو حفصہ سے بہتر ہے۔ محبت سے معمور آواز اور امید افزا الفاظ سن کر سکون و اطمینان نصیب ہوا؛ مگر دل ہی دل میں حیران وسرگرداں رہے کہ ہوگا کیسے!۔

اُمّ المؤمنین بننے کا شرف

کچھ ہی دنوں کے بعد آپ ﷺ نے اپنی لختِ جگر نورِ نظر سیدہ امِ کلثومؓ کا عقد حضرت عثمانؓ سے کردیا، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امید کی کرنیں نظر آنے لگیں کہ اللہ کے نبی نے اپنے فرمان کے مطابق عثمان کا نکاح حفصہ سے بہتر عورت سے کردیا؛ مگر ساتھ ہی تذبذب و تردّد دوچند ہوگیا کہ اب حفصہ کو عثمان سے بہتر شوہر کون ملے گا؟ کون ایسا ہوگا جو عثمان جیسے نیک طینت پاکباز، شرم وحیا کے پیکر سے بھی زیادہ بہتر ہو؟ اِدھر صبح نمودار ہوتی، رہی شام ڈھلتی رہی، اور حضرت عمرؓ کی فکر بڑھتی رہیں، یہاں تک کہ ایک دن خود سید المرسلین ﷺ نے حضرت عمرؓ کے سامنے ان کی بیٹی سے رشتۂ ازدواج جوڑنے کی فرمائش ظاہر کی، یہ سن کر حضرت عمرؓ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہیں یہ کب پتہ تھا کہ عثمان سے بہتر شوہر یعنی سرورِ کونین ﷺ جیسی عظیم المرتبت اور رفیع المقام ہستی سے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح ہوگا، یہ بات ان کے حاشیۂ خیال تک میں نہ تھی۔ اللہ کے نبی ﷺ کی یہ بات سنتے ہی ان کے دل کے ارمان

مسرت وشادمانی کے آنسوؤں میں سمٹ گئے، ان کا غم خوشی میں تحلیل ہوگیا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے سورۂ نمل کی یہ آیتِ کریمہ تلاوت کی:

﴿هٰذا من فضل ربي، ليبلوني ءأشكر أم أكفر، ومن شكر فإنما يشكر لنفسه ومن كفر فإن ربي غني كريم﴾.

ترجمہ: یہ میرے پروردگار کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے شکر کرتا ہے اور اگر کوئی ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے نیاز ہے کریم ہے۔ (از آسان ترجمۂ قرآن: ۸۰۵)

اور یوں سیدہ حفصہؓ ۳ھ میں غزوۂ احد سے پہلے بیس سال کی عمر میں چار سو درہم حقِ مہر کے عوض نبیٔ کریم ﷺ کے حرمِ مقدس میں آ گئی، اور ''ام المؤمنین'' کے اُس اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہوئی جو طبقۂ اناث کا مرجع ہے جہاں فرشتے بھی عقیدت واحترام سے حاضر ہوتے ہیں، اور اہلِ ایمان کی نگاہیں بھی ادب سے جھک جاتی ہیں۔ حضرت سعید بن مسیّبؒ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے حق میں برابر فیصلہ فرمایا کہ: حفصہ کے لیے حضور ﷺ حضرت عثمانؓ سے بہتر تھے ہی اور حضرت عثمانؓ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی بیٹی بھی حفصہ سے بہتر تھی۔

جس وقت یہ عقد ہوا اُس وقت حضرت سودہ بنتِ زمعہؓ اور حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کے حبالۂ عقد میں موجود تھیں۔

بیٹی کو رخصت کرتے ہوئے

حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حفصہ کو ان الفاظ کے ساتھ رخصت کیا: جا! بیٹی اپنے سرتاج کے گھر، سدا خوش رہ، آباد رہ، خوشیوں کے پھولوں سے تیرا چمن آباد رہے، سدا تیرے چمن میں خوش گوار ہوائیں چلتی رہیں، ہاں! البتہ اس بات کا دھیان رکھنا کہ کبھی

عائشہ کا مقابلہ نہ کرنا، ہمیشہ اس کی دل سے قدر کرنا، اس لیے کہ وہ تیرے سرتاج کی لاڈلی اور چہیتی بیوی ہے، اور وہ تجھ سے بہتر بھی ہے، میری یہ بات ہمیشہ پلّے باندھ رکھنا۔ یہ کہہ کر اپنی لختِ جگر کو علیحدہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کا صفائی پیش کرنا

اس نکاح کے بعد جب حضرت عمرؓ کی حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات ہوئی، حضرت ابو بکرؓ نے آگے بڑھ کر سلام کیا؛ لیکن حضرت عمرؓ کی جانب سے خاطر خواہ جواب نہ ملا، حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے: عمر! مجھے پتہ ہے تم مجھ سے نالاں ہو؛ لیکن اب میں یہ معاملہ صاف کیے دیتا ہوں، بات دراصل یہ ہے کہ جب تم نے مجھے اپنی بیٹی کی پیش کی تھی اس سے ایک روز قبل آپ ﷺ نے تمہاری بیٹی سے عقد کا ارادہ ظاہر کیا تھا، جو میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان راز تھا، میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ ﷺ کا راز فاش کردوں، اگر آپ ﷺ نے اپنے ارادے کا اظہار نہ کیا ہوتا تو میں بہ خوشی اس رشتہ کو قبول کر لیتا۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر خوش ہوئے اور آپؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿هذا من فضل ربي﴾.

فوائد الحدیث

حافظ ابنِ حجرؒ ''فتح الباری'' میں مذکورہ بالا پورے واقعہ کے درجِ ذیل فوائد بیان کرتے ہیں:

(۱) انسان اپنی بیٹی کے رشتے کی کسی ایسے شخص کو پیش کش کرسکتا ہے جسے وہ نیک اور مناسب سمجھتا ہو، ایسا کرنا اس کے لیے شرعاً جائز ہے، یہ کوئی شرم کی بات نہیں۔

(۲) باپ اپنی بیوہ یا کنواری بیٹی کے رشتے کی مناسب جگہ بات کرنے کا شرعاً حق رکھتا ہے۔

(۳) اگر کوئی بڑا آدمی کسی عورت کے ساتھ شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو چھوٹے کو

وہاں رشتہ نہیں کرنا چاہیے، یہ ادب کے خلاف ہے، اگرچہ شرعاً اس کی ممانعت نہیں۔

(۴) کسی کا راز چھپانا بڑا مستحسن اقدام ہے، ہاں! صاحبِ معاملہ از خود راز کو منکشف کردے تو سننے والے کے لیے اس کا تذکرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(۵) اگر کوئی یہ قسم کھالے کہ میں کسی کا راز افشا نہیں کروں گا؛ مگر صاحبِ راز خود اپنے راز کو افشا کردے تو قسم کھانے والا اس راز کا تذکرہ کرنے پر اپنی قسم کو توڑنے والا متصوّر نہ ہوگا۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۲۷۷)

ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ

حافظ ابنِ حجرؒ نے اپنی کتاب ''الإصابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت خنیسؓ جنگِ احد میں شہید ہوئے۔ یہ غزوہ شوال ۳ھ میں ہوا۔ اگر یہ روایت درست مان لی جائے تو سیدہ کی عدّت صفر ۴ھ کے اواخر میں ختم ہوتی ہے۔ اس طرح حضور ﷺ کے ساتھ ان کا نکاح ربیع الاول ۴ھ سے پہلے ممکن نظر نہیں آتا۔ ''اصابہ'' کی اس روایت کی وجہ سے ہمارے بہت سے قابلِ احترام اور فاضل سیرت نگاروں سے سہواً کچھ ایسے تسامحات سرزد ہوگئے جن سے قاری کا ذہن الجھن میں گرفتار ہوجاتا ہے، مثلاً علامہ شبلیؒ اپنی کتاب ''الفاروق'' کے صفحہ: ۶۱ پر لکھتے ہیں: ''خنیسؓ جب غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو وہ (حفصہ) ۳ھ میں جناب رسول اللہ کے عقد میں آئیں''۔ حالاں کہ غزوۂ احد میں شہادت کے بعد یہ نکاح ۳ھ میں ناممکن ہے، جیسا کہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔

اسی طرح شاہ مصباح الدین شکیل اپنی مایۂ ناز کتاب ''سیرتِ احمد مجتبیٰ ﷺ'' کی جلد اول کے صفحہ: ۱۹۱ پر رقم طراز ہیں:

''حضرت خنیسؓ حضرت عمرؓ کے داماد تھے، بدر اور احد کے معرکوں میں شرکت کی، جنگِ احد میں کاری زخم لگا اور اس کے کچھ عرصے کے بعد انتقال کیا، اس کے چند ماہ بعد

ان کی بیوہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اُمّ المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا''۔

اسی کتاب کی دوسری جلد کے صفحہ: ۴۶۸ پر ہجرت کے تیسرے سال کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اِس سال ماہِ شعبان میں حضرت حفصہؓ ''ام المؤمنین'' بنیں''۔ پیش کردہ دونوں اقتباسات قاری کو الجھانے والے ہیں، اگر حضرت خنیسؓ کی غزوۂ احد میں شمولیت مان لی جائے جو ۳ھ کے دسویں مہینے کا واقعہ ہے، تو ان کی بیوہ کا نکاح اسی سال کے آٹھویں مہینے میں کس طرح ہوگا؟ اور نیز ابنِ سعد کی ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ بنتِ عمرؓ کے ساتھ غزوۂ احد سے قبل شعبان کے اخیر میں نکاح فرمایا تھا۔'' (طبقات اردو: ۸/۷۰)

حقیقت یہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے کہ حضرت خنیسؓ غزوۂ بدر ۲ھ میں زخمی ہوئے اور ان ہی زخموں کی وجہ سے کچھ ماہ بعد ان کا انتقال ہوا، عدّت پوری ہونے کے بعد ۳ھ کے آٹھویں مہینے میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح آپ ﷺ کے ساتھ ہوا۔ (ازواجِ مطہرات: ۲۶۰)

شادی کی وجہ

آپ ﷺ کا سیدہ حفصہؓ سے رشتۂ ازدواج استوار کرنا اس لیے تھا کہ حضرت عمرؓ اپنی جوان بیٹی کے بیوہ ہونے پر زیادہ غمگین وحزین تھے، ان کی ہر ممکن کوشش یہ تھی کہ کسی مناسب جگہ ان کا نکاح کروادے، آپ ﷺ کا منشا یہ تھا کہ جس طرح سیدہ عائشہؓ سے نکاح کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرحت وعزت بخشی اسی طرح حضرت عمرؓ کی بیٹی سے شادی کر کے انہیں بھی غموں کے سایہ سے نکال کر خوشیوں کی بارش میں لا کھڑا کردے اور یوں سید الکونین ﷺ نے اپنے دونوں قریبی جاں نثاروں کے ساتھ رشتۂ

مصاہرت قائم کر کے دونوں میں مساوات وہمسری قائم کر دی۔انسانی معاشرے میں رشتۂ مصاہرت کو بڑی عزت حاصل ہے، اس لیے آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے یہ رشتہ قائم کر کے ان دونوں کو اپنا داماد بنالیا۔خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ میں سب سے معزز یعنی ابوبکر، عمر، عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ یہ رشتہ قائم کیا، حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ ﷺ کے سسر ہوئے اور آپ ﷺ حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے۔

جب سیدہ حفصہؓ کی کاشانۂ نبوت میں آمد ہوئی تو اس وقت پہلے سے ہی سیدہ عائشہؓ اور سیدہ سودہؓ کو وہاں موجود پایا، حضرت عائشہؓ چوں کہ نوجوان اور لاڈلی تھی، نیز حضرت سودہؓ نے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تفویض کر رکھی تھی، اس لیے ان دونوں کے درمیان کوئی چشمک نہیں تھی؛ لیکن جب سیدہ حفصہؓ سوکن بن کر آئیں تو ان کو فطرتاً قدرے ناگوار گذرا، اس لیے کہ وہ بھی نوجوان، معزز اور نیک خاتون تھیں، مسلمان اور خصوصاً حضرت عمرؓ اس نکاح سے بے حد خوش تھے؛ مگر سیدہ عائشہؓ نے مضبوطی کے ساتھ صبر کا دامن تھامے رکھا اور دونوں کے درمیان کوئی ناخوش گوار واقعہ نہیں ہونے دیا۔تاہم سوکنوں میں باہمی رقابت فطری ہے، اسی فطرت کی بنیاد پر سیدہ خدیجہؓ کی وفات کے بعد یکے بعد دیگرے جتنی ازواجِ مطہراتؓ آپ ﷺ کے عقد میں آئیں وہ سب دو گروہوں میں بٹ گئیں: ایک گروہ سیدہ عائشہؓ، حفصہؓ، سودہؓ، صفیہؓ پر مشتمل تھا، اور دوسرا گروہ: حضرت امِ سلمہ، جویریہ، زینب بنتِ جحش وغیرہ پر۔بعض مواقع پر انسانی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے باہم مل کر اپنی کسی اور سوکن کے خلاف فضا بھی بنائی، ذیل کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

واقعۂ تحریم

اگر کسی کی کئی بیویاں ہوں تو ان میں سے ہر ایک یہ چاہے گی کہ وہ اپنے شوہر کی

سب سے عزیز بن کر رہے، اس کے خاوند کی توجہ ہر وقت اس کی جانب رہے اور وہ اس خصوصی توجہ کو حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے گی، اسی بنا پر ان کے درمیان تنافس والا معاملہ رہتا ہے، اور اسی تنافس کی وجہ سے کبھی کبھار شوہر کو بھی مصائب ومشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایسا ہی کچھ معاملہ آپ ﷺ کے ساتھ پیش آیا۔

امی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کو شہد اور میٹھی چیز نہایت مرغوب تھی، آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ آپ عصر کی نماز کے بعد تمام ازواج سے ملنے کے لیے تشریف لے جاتے اور ان کے احوال سے آگاہی حاصل کرتے۔ چند دنوں سے آپ ﷺ سیدہ زینب بنت جحشؓ کے یہاں دیگر ازواج کے مقابلہ میں قدرے زیادہ ٹھہرنے لگے تھے، اس سے مجھے بڑی فکر لاحق ہوئی اور بڑا غصہ بھی آیا، میں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ زینب کو ان کے قبیلہ کی کسی خاتون نے شہد بطورِ ہدیہ بھیجا ہے جس سے وہ شربت بنا کر حضور ﷺ کو پلاتی ہے اور اسی کی وجہ سے تاخیر ہو جاتی ہے۔ پھر میں نے دل میں سوچ لیا کہ: بہ خدا! میں ضرور اس کے خلاف منصوبہ گھڑوں گی، اور ایسی تدبیر کروں گی کہ حضور ﷺ زینب کے یہاں زیادہ نہ ٹھہر سکے۔ اس کے بعد میں حفصہؓ کے پاس گئی اور کہا کہ: حضور تمہارے یہاں تشریف لائے تو کہنا کہ: میرے سرتاج! آپ کے دہنِ مبارک سے مغافیر (گوند کی ایک قسم ہے، جس کا مزہ میٹھا اور اس کی بو طبعِ لطیف کے لیے بارِ خاطر ہوتی ہے) کی بو آتی ہے۔ حضور ﷺ فرمائیں گے کہ: ”میں نے تو شہد پیا ہے“، پھر تم کہنا کہ: یہ بد بو کیسی؟ لگتا ہے کہ شہد کی مکھی نے کسی مغافیر کے پھول کا رس چوس کر چھتہ بنایا ہوگا اس کا اثر شہد میں ظاہر ہوا ہوگا۔ پھر میرے یہاں آمد ہوگی، تو میں بھی ایسا ہی کہوں گی اور صفیہؓ کے گھر قدم رنجہ ہوں گے تو وہ بھی ایسا ہی کہے گی۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔

جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کے منہ سے

مغافیر کی بدبو محسوس ہو رہی ہے، کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ اس کے بعد حفصہؓ کے یہاں گئے تو اس نے بھی ایسا ہی کہا، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، میں نے تو شہد پیا ہے۔ حضرت صفیہؓ نے بھی یہی کہا کہ: آپ کے منہ سے مغافیر کی بو محسوس ہو رہی ہے۔ جب بار بار یہ بات دہرائی گئی تو آپ ﷺ کو یقین ہو چلا کہ میرے منہ سے بدبو آ رہی ہے، اور چوں کہ بدبو سے آپ ﷺ کو سخت نفرت تھی، اس پر آپ ﷺ نے ہمیشہ کے لیے شہد نہ کھانے کی قسم اٹھالی۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يـأيها النبي لم تحرم ما أحل الله لك تبتغي مرضات أزواجك والله غفور رحيم﴾ اے ہمارے پیغمبر! کیوں حرام کرتے ہوں وہ چیز جو اللہ نے آپ کے واسطے حلال کی ہے (اگر چہ مصلحتاً کسی حلال چیز سے عملاً پرہیز کرنا کوئی ممنوع نہیں جب کہ عقیدتاً انسان حلال چیز کو حلال ہی سمجھتا رہے؛ مگر پھر بھی وہ آنحضرت ﷺ کی شانِ رفیع کے مناسب نہ تھی) (اس لیے سخت لہجے کے ساتھ ارشاد ہوا) چاہتے ہیں آپ اپنی بعض ازواج کی خوشنودی وخوش خلقی (ازواج کی خوشنودی بے شک اچھی چیز ہے؛ لیکن جس حد تک اس کی ضرورت ہو، اگر کسی کی خوشنودی دوسری کے لیے دل شکنی اور رنج کا ذریعہ بنے تو یہ آپ کے مقامِ عالی کے مناسب نہیں) اور اللہ غفور رحیم ہے (وہ اس قسم کی غیر مناسب یا خلافِ اولیٰ باتوں کو درگذر فرماتا ہے اور اپنی رحمت ومہربانی سے نوازتا ہے)۔ (معارف القرآن: ۸/۱۶۶)

یہ راز کسی کو نہ بتانا

جب آپ ﷺ نے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی اس وقت صرف سیدہ حفصہؓ موجود تھیں، آپ ﷺ نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ: یہ بات کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ لیکن حضرت حفصہؓ نے یہ بات سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتادی۔ قرآن نے اسی پر تنبیہ کرتے ہوئے اپنے انداز میں یوں کہا:

﴿وإذ أسر النبي إلىٰ بعض أزواجه حديثا فلما نبأت به وأظهره الله عليه عرف بعضه وأعرض عن بعض فلما نبأها به قالت من أنبأك هٰذا قال نبأني العليم الخبير﴾

ترجمہ: جب نبی نے ایک بیوی کو راز کی بات کہی تو اس نے راز فاش کر دیا، تو اللہ نے وحی کے ذریعہ آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا، نبیٔ کریم ﷺ نے اس سے پوچھا: تو اس نے کہا کہ: آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا کہ: مجھے اللہ علیم وخبیر نے بتا دیا ہے، اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے۔

دو غیر مستند روایتیں

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین اور اربابِ سیر نے بہت سی روایتیں ذکر کی ہیں۔

ابنِ جریر وغیرہ نے افشائے راز کے سلسلہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ کے گھر میں بی بی ماریہ قبطیہ سے خلوت کی، جب ماریہ چلی گئیں تو سیدہ حفصہؓ نے آپ سے عرض کیا کہ: آپ نے جو کچھ کیا وہ میرے حق میں اچھا نہیں کیا اور یہ کہہ کر رونے لگیں، آپ ﷺ نے ان کو منانے کے لیے یہ کہہ دیا کہ: ماریہ مجھ پر حرام ہے، اور فرمایا کہ: یہ راز کسی کو نہ بتانا۔

بالآخر حضرت حفصہؓ نے یہ راز حضرت عائشہؓ کے سامنے فاش کر دیا، اسی پر سورۃ التحریم نازل ہوئی۔ لیکن یہ واقعہ کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

نیز بعض حضرات نے شہد نوش فرمانے کا واقعہ اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ کے یہاں ذکر کیا ہے جو کہ کسی راوی کا وہم ہے؛ کیوں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کی بنا پر جمہور محدثین نے حضرت زینب کے یہاں شہد نوش فرمانے کے واقعے کو راجح قرار دیا ہے۔ (امہات المؤمنین: ۲۳۵)

ایک اور نقطۂ نظر

اور بہت سے سیرت نگاروں نے صراحتاً افشائے راز کرنے والی زوجہ میں حضرت حفصہؓ کا نام لیا ہے، اور واقعۂ تحریم بھی ان ہی کے متعلق ہے؛ لیکن سیرت نگار جناب حافظ افروغ حسن صاحب اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں کہ: ''ہمارے خیال میں یہ تمام کوششیں قرآنِ پاک کے طرزِ بیان کے تقدس کے منافی ہیں، اس لیے ہم قاضی سلیمان صاحب منصور پوری کی اس فاضلانہ وحکیمانہ رائے سے پوری طرح متفق ہیں کہ جب خدائے واحد نے اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کی عزت وحرمت کا اتنا پاس ولحاظ کیا کہ نام نہیں لیا، تو ہم کون ہوتے ہیں کہ اس بارے میں جرأت سے کام لے کر نام کی تعیین کرے۔

نیز راز کا کھوج لگانا بھی کسی طرح پسندیدہ نہیں، راز کے افشا پر ہی تو تنبیہ ہو رہی ہے اس کے بعد ہمارے لیے اس طرح راز کو طشت از بام کرنا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے؟ اگر یہ راز واقعی ہمارے لیے اہم ہوتا تو اللہ رب العزت خود ہی قرآن میں اس کی وضاحت کر دیتا۔

فوائد الحدیث

فائدہ: (۱) حضور ﷺ کا حضرت زینب بنتِ جحشؓ کے یہاں شہد نوش فرما لینے پر ازواج کا یہ کہنا کہ ''اللہ کے رسول! آپ کے دہنِ معطر سے مغافیر کی بو آتی ہے''، یہ کوئی جھوٹ نہ تھا؛ کیوں کہ شہد کی مکھیاں جس قسم کے پھول یا پھل وغیرہ سے رس چوستی ہیں اس کی بو کا اثر شہد کے اندر موجود ہوا کرتا ہے۔

فائدہ: (۲) حلال کو اپنے اوپر حرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کو عقیدتاً

حلال ومباح سمجھتے ہوئے عہد کرلیا تھا کہ آئندہ اس کو استعمال نہ کروں گا۔ایسا کرنا اگر کسی مصلحتِ صحیح کی بنا پر ہوتو شرعاً جائز ہے؛ مگر حضور ﷺ کی شانِ رفیع کے مناسب نہ تھا کہ بعض ازواج کی خوشنودی کے لیے اس طرح کا اسوہ قائم کریں جو آئندہ امت کے حق میں تنگی کا موجب ہو،اس لیے حق تعالیٰ نے متنبہ فرمادیا کہ ازواج کے ساتھ بے شک خوش اخلاقی برتنے کی ضرورت ہے؛ مگراس حد تک ضرورت نہیں کہ ان کی وجہ سے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر کے تکلیف اٹھائیں۔ (امہات المؤمنین:۴۳۶)

مزاج کی تیزی

کتبِ سیر میں ہے: ایک مرتبہ جب حضرت عمرؓ نے کوئی کام انجام دیا تو بیوی نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: تم نے یہ کام کیوں انجام دیا؟ تمہیں اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا؛ بلکہ یوں کرنا چاہیے تھا۔حضرت عمرؓ غصہ میں آ کر بولے: تجھے کیا پڑی ہے کہ تو میرے کام میں دخل اندازی کرے؟ تو ہوتی کون ہے مجھے مشورہ دینے والی؟ آئندہ سے کبھی میرے کسی کام میں مداخلت نہ کرنا۔ بیوی نے کہا: عمر! بڑے تعجب کی بات ہے، تمہاری بیٹی اپنے خاوند سے تکرار کرتی پھرتی ہے جس کی وجہ سے حضور پورا پورا دن خفا رہتے ہیں،آج اگر میں نے تم سے تکرار کرلی تو اس میں حرج کیا ہے؟

یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ اپنی چادر کندھے پر ڈالے سیدھے سیدہ حفصہؓ کے گھر پہنچے، اور کہا: بیٹی! سنا ہے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے تکرار کی ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ سارا دن غضب ناک رہے؟ سیدہ حفصہؓ نے کہا: ابا جان! ہم تو حضور سے بحث وتکرار کرلیتی ہیں، حضرت عمرؓ کہنے لگے: بیٹی! ذرا احتیاط سے کام کیا کرو اور اللہ کی پکڑ سے ڈر۔ سیدہ نے کہا: عائشہ بھی تو حضور کے سامنے ہوجاتی ہے، اگر مجھ سے ایک مرتبہ تکرار ہوگئی تو اس میں حرج کیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا: بیٹی! میں نے تجھ سے پہلے بھی کہا تھا کہ تو عائشہ کا

مقابلہ نہ کر، اس کو حضور ﷺ کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے۔اس قسم کے جملے کہہ کر اس معاملہ کی روک تھام کے لیے حضرت عمرؓ سیدہ امِ سلمہؓ کے گھر روانہ ہوئے؛ کیوں کہ حضرت عمرؓ کی حضرت امِ سلمہؓ سے قرابت ورشتہ داری بھی تھی، وہ رشتہ میں حضرت عمرؓ کی خالہ لگتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے سیدہ امِ سلمہؓ سے اس معاملہ میں گفتگو کی تو حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمانے لگیں: عمر! تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ بڑا تعجب ہوتا ہے کہ تم ہر چیز میں دخل اندازی کرتے ہو! اور اب رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں بھی دخل اندازی کرنے لگے! یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنجھوڑا۔ جب حضرت عمرؓ نے وہاں بھی یہی ماحول پایا تو وہاں سے روانہ ہوکر گھر لوٹ آئے۔

طلاق ورجعت

جیسا کہ اوپر گزرا حضرت حفصہؓ اپنے والدِ گرامی کی طرح مزاج کی تند وتیز تھیں، کبھی آپ ﷺ سے تکرار بھی کرلیا کرتی تھیں، ان کی سخت مزاجی کسی وجہ سے ایک مرتبہ کی بات پر آپ ﷺ نے ان کو طلاق دے دی۔ جب یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو وہ اپنے سر پر مٹی ڈالتے ہوئے کہنے لگے: اب عمر کے پلّے رہ کیا گیا؟ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور نبیٔ کریم ﷺ سے فرمانے لگے کہ: اللہ آپ کو حکم کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب پر شفقت کرتے ہوئے حفصہؓ سے رجوع کرلیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل نے یہ کہا: ”إنها صوامة وقوامة وإنها زوجتك في الجنة“ وہ سیدہؓ روزہ دار وشب زندہ دار ہے اور جنّت میں آپ کی زوجہ ہوگی۔

جب حضرت عمرؓ اپنی بیٹی حفصہؓ کے گھر تشریف لے گئے، تو سیدہ حفصہؓ رو رہی تھیں، آپؓ نے پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟ فرمایا: حضور نے مجھے طلاق دے دی ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: رو نہیں، حضور نے میری وجہ سے رجوع فرمالیا ہے، اگر حضور نے

دوسری مرتبہ تجھے طلاق دے دی تو میں تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دی، پھر ان کے پاس ان کے دونوں ماموں عثمان بن مظعونؓ اور قدامہ بن مظعونؓ آئے، حضرت حفصہؓ نے ان سے روتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! حضور نے مجھے کسی اکتاہٹ کی وجہ سے طلاق نہیں دی۔ اتنے میں حضور ﷺ تشریف لے آئے، سیدہ نے آپ کو دیکھ کر پردہ کرلیا، اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا: جبرئیل میرے پاس آئے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ آپ حفصہؓ سے رجوع کرلیں؛ اس لیے کہ وہ بہ کثرت روزہ رکھنے والی اور تہجد گزار ہیں، اور وہ جنّت میں آپ کی زوجہ ہوں گی۔

فوائدالحدیث

مذکورہ حدیث سے کئی فوائد کا پتہ چلتا ہے:

(۱) عورت کو گھریلو زندگی میں کوئی ایسا طرزِ عمل اختیار نہیں کرنا چاہیے جس سے اس کا شوہر طلاق دینے پر مجبور ہو جائے۔

(۲) عورت کے طلاق کی وجہ سے اس کے والدین بھی غم کا شکار ہوتے ہیں۔

(۳) والد کو چاہیے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنی بیٹی کو نصیحت کرتا رہے اور شوہر کی خادمہ بنی رہے اس کی تلقین کرتا رہے۔

(۴) اس حدیث سے عنداللہ حضرت عمرؓ کے مقامِ رفیع و عالی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(۵) اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ حفصہؓ نے کثرتِ صیام و قیامِ لیل کو وطیرۂ حیات بنا رکھا تھا۔

حضور ﷺ کا اپنی ازواج سے ایک ماہ تک علیحدہ ہونا

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے اور میرے ایک انصاری پڑوسی نے یہ طے کر

رکھا تھا کہ ہم باری باری حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرے، جب میں حضور کے پاس ٹھہرتا تو اس دن جو کچھ میں نے آپ ﷺ سے سنا ہوتا شام کو انہیں بتا دیتا، اور جب وہ ٹھہرتے تو وہ سارے دن کی کارگزاری میرے گوش گذار کر دیتے۔

ایک دن ان کی باری تھی، شام کو آ کر انہوں نے مجھے خبر دی: عمر! تمہاری غیر موجودگی میں ایک بہت بڑا واقعہ رونما ہوا۔ میں نے جب یہ بات سنی تو ذہن میں یہ بات گردش کرنے لگی کہ شاید غسّان کے بادشاہ نے مدینہ پر چڑھائی کے لیے پیش قدمی کر لی ہے؛ کیوں کہ اُس زمانہ میں اکثر و بیشتر اسی نوعیت کی خبریں سننے میں آیا کرتی تھیں، اور یہ اندیشہ بھی جاگزیں ہو چکا تھا کہ کسی بھی وقت میں ہنگامی صورت پیش آ سکتی ہے، میں نے ان انصاری پڑوسی سے پوچھا: ’’کیا غسّان کا بادشاہ حملہ آور ہوا ہے‘‘؟ انہوں نے کہا: اس سے بھی زیادہ ہولناک خبر ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی ہے، اور سیدہ عائشہؓ کے اوپر والے حجرے میں سکونت اختیار کر لی ہے۔ یہ سن کر میں نے ٹھنڈی سانس لی اور حفصہ کے متعلق کہا: ”خابت وخسرت“ حفصہ نے اپنا ہی نقصان کیا اور گھاٹے میں پڑ گئی، لگتا ہے کہ یہ صورت حفصہ اور عائشہ کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

فجر کی نماز میں نے آپ ﷺ کے پیچھے ادا کی، آپ ﷺ نماز کے بعد فوراً اپنے بالا خانہ میں تشریف لے گئے، یہ دیکھ کر سارے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین غم زدہ ہو گئے، پھر میں حفصہ کے گھر گیا، وہ رو رہی تھی، میں نے پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟ کیا حضور نے طلاق دی ہے؟ اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔

دراصل قصہ یہ پیش آیا تھا کہ غزوۂ بنی قریظہ و بنی نضیر کے بعد جب ازواجِ مطہراتؓ نے دیکھا کہ لوگ آسودہ حال ہو گئے، تو چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں اور عیش و آرام کی زندگی بسر کریں، اس لیے ازواجِ مطہراتؓ نے اس بارے میں آں حضرت ﷺ

سے گفتگو کی اور بہ مقتضائے محبت وناز مزید نان ونفقہ اور زینتِ دنیا کا کچھ مطالبہ کیا اور فی الجملہ متاعِ دنیا کی خواہش کی اور اپنے نفقات میں کچھ زیادتی چاہی، حضور ﷺ کو یہ بات ناگوار گزری جس کی وجہ سے یہ قسم کھالی کہ ایک مہینہ تک گھر نہیں جاؤں گا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: پھر اس کے بعد میں حضور ﷺ کے بالاخانہ پر پہنچا تو وہاں آپ کے حبشی خادم رباح کو پہرہ دیتے ہوئے پایا، میں نے کہا: حضور سے کہو کہ: درِ رسول پر عمر حاضر ہے، آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے، اگر اجازت ہو تو عمر اندر آئے۔ غلام اندر جا کر باہر آیا، اس نے کہا: میں نے آپ کا ذکر کیا مگر حضور خاموش رہے۔ یہ جواب سن کر میں سناٹے میں آگیا، اس کے بعد بھاری قدموں کے ساتھ مسجد آیا، جہاں لوگ بیٹھے رو رہے تھے، طبیعت میں چین نہ تھا۔ پھر سے حضور ﷺ کے پاس آیا، اور خادم نے میرے لیے اجازت طلب کی؛ مگر پھر حضور ﷺ ساکت رہے۔ تیسری مرتبہ بھی یہی ماجرا پیش آیا۔ جب چوتھی مرتبہ آیا تو میں نے بہ آوازِ بلند کہا: میرے لیے حضور سے اجازت لو؛ اس لیے کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا یہی خیال ہوگا کہ میں حفصہ کے لیے آیا ہوں، بہ خدا! اگر آپ مجھے اس کی گردن اڑانے کا حکم دیں گے تو میں ضرور اس حکم کو پورا کروں گا۔ تبھی رباح نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اشارہ سے کہا: آجاؤ! حضور نے آپ کو اجازت دے دی۔

چناں چہ میں اندر داخل ہوا، دونوں جہاں کے سردار اپنے بستر پر آرام فرما تھے، بستر بھی کیسا؟ کوئی مخمل اور روئی کے گدوں سے بنایا ہوا نہیں تھا؛ بلکہ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی تھی جس پر چادر بھی نہ تھی، اور جسدِ اطہر پر اس چٹائی کے نشانات ظاہر تھے، اتنی سادگی دیکھ کر میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں، یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے کہا: عمر! کیا ہوا؟ یہ آنسو کیسے؟ میں نے کہا: حضور! یہ کیا بات ہے کہ قیصر وکسریٰ بڑے ٹھاٹھ باٹھ اور تزک واحتشام کے ساتھ زندگی بسر کرے اور آپ کے پاس بچھانے کو چادر بھی نہ ہو،

آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے لیے دنیا میں شان وشوکت اور زیب وزینت ہے اور ہمارے لیے آخرت میں جاہ وجلال ہے۔ایک روایت میں ہے کہ: آپ ﷺ نے یوں کہا: اے عمر! ان لوگوں نے اپنی مرغوبات کو اپنی دنیاوی زندگی میں ہی حاصل کرلیا ہے، اب ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

پھر میں نے پوچھا: کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! یہ سن کر میں بہت خوش ہوا، میں نے کہا: میں یہ بشارت تمام مسلمانوں کو سنادوں! آپ نے فرمایا: ہاں! اجازت ہے۔ چناں چہ میں نے وہاں سے مسرّت بھرے جذباتی انداز میں تمام لوگوں کو یہ اطلاع دی اور مدینہ میں خوشی کا ماحول بن گیا۔

جب ۲۹/ دن گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی بیویوں کو اختیار دیتے ہوئے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

﴿یٰأیھا النبي قل لأزواجك إن كنتن تردن الحیوٰة الدنیا وزینتھا فتعالین أمتعكن وأسرحكن سراحًا جمیلا، وإن كنتن تردن الله ورسوله والدار الآخرة فإن الله أعد للمحسنات منكن أجرا عظیما﴾

اس آیتِ کریمہ میں ازواجِ مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کریں، اگر دنیا کی زیب وزینت مرغوب ہے تو آپ ﷺ صاف طور پر کہہ دے کہ میرا تمہارے ساتھ نباہ نہیں ہوسکتا، میں تم کو کپڑا جوڑا دے کر جو مطلقہ کو دیا جاتا ہے خوبصورتی سے رخصت کردوں۔اور اگر تم کو دارِ آخرت اور اللہ اور اس کے رسول کی معیّت اور فقر وفاقہ کی زندگی محبوب ہے تو ایسی صورت میں تم رسول کے ساتھ رہ سکتی ہو، اور تم میں سے جو اس کے لیے تیار ہو اس کے لیے اللہ کے یہاں اجرِ عظیم تیار ہے۔

مقصود یہ تھا کہ جو عورتیں نبی کی زوجیت میں ہیں ان کا دل دنیوی زینت کی طرف توجہ والتفات سے پاک ہوجائے، نبی کا جوڑا وہی عورت ہوسکتی ہے جس کا دل دنیائے

فانی کی محبت اور رغبت سے پاک ہو، دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے، اس لیے مناسب نہیں کہ جس کے دل میں دنیا کی محبت کا جزءِ لایتجزّیٰ بھی موجود ہو وہ نبی کے گھر میں رہے، دنیا کی زینت سے محبت، اللہ اور اس کے رسول سے بُعد کا سبب ہے۔ ازواجِ مطہرات نے جو زینتِ دنیا کا کچھ مطالبہ کیا اگرچہ وہ حدِ ضرورت اور حدِ جواز میں تھا؛ لیکن نبیٔ اطہر ﷺ کے خاطرِ عاطر کے تکدر کا سبب بنا، اس لیے ازواجِ مطہراتؓ کی فہمائش کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ نبی کی بیویوں کے لیے دنیائے حلال کا تصور بھی حلال نہیں، وہ دارِ آخرت کے تصور کو آبِ طہور اور آبِ زُلال جانیں اور زینتِ دنیا کے تصور اور خیال سے اس آبِ زُلال کو مکدر نہ کریں۔ ان آیات کے نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ازواجِ مطہرات دنیا کی محبت سے بالکلیہ پاک اور مطہر ہو جائے اور فقر وفاقہ کی محبت سے ان کے دل معطر ہو جائے۔

جب آیتِ تخییر نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا اور یہ آیتیں پڑھ کر ان کو سنائی، انہوں نے بلا کسی تردّد وتأمّل کے اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کیا جس سے آپ ﷺ کا ملال جاتا رہا اور چہرہ پر بشاشت آ گئی، اور پھر یکے بعد دیگرے تمام ہی ازواجِ مطہراتؓ نے اسی پہلو کو منتخب فرمایا۔ (معارف القرآن: ۷/ ۲۴۵)

سفرِ حج

ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ نے ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کے موقع سے حضور ﷺ کی معیت میں عمرہ اور حج کی ادائیگی کا شرف حاصل کیا۔

وفات

ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ نے ایک روایت کے مطابق ۴۱ھ میں اور ابنِ سعد کے

بیان کے مطابق امیرِ معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں ۶۳/ سال کی عمر پا کر شعبان ۴۵ھ میں وفات پائی۔ مدینہ کے گلی کوچوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ ''حارسۃ القرآن'' کا انتقال ہو چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ: وفات کے وقت بھی وہ روزہ سے تھیں۔ نمازِ جنازہ مدینہ کے گورنر مروان بن حکم نے پڑھائی۔ چارپائی کو کندھا دینے والوں میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ موجود تھے، مدینہ کے قبرستانِ بقیع میں ان کے بھائیوں: حضرت عبداللہؓ اور حضرت عاصمؓ اور بھتیجوں: سالم، حمزہ اور عبداللہ نے انہیں ان کی آخری آرام گاہ میں اتارا۔

اس طرح حرمِ نبوی کی عابدہ، زاہدہ، عالمہ، ادبیہ، حارسۃ القرآن اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ کے جسدِ اطہر کو سپردِ خاک کیا گیا۔ وفات کے وقت اپنے بھائی عبداللہ کو ''غابہ'' کی جائیداد کی وصیت کی تھی، یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جب سیدنا حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تھی انہوں نے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مال اور صدقہ کی وصیت کی تھی اور جب سیدہؓ کی وفات ہوئی تو اپنے بھائی کو وہی وصیت کی جو ان کے والد نے کی تھی۔

فضائل ومناقب

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

سیدہ حفصہؓ کے فضائل کے تو کیا کہنے، جب سے پیدا ہوئی تب سے ہی برکتوں نے ان کو چاند کے ہالے کی طرح گھیر رکھا ہے: جس سال پیدا ہوئی اسی سال کعبہ کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ جس خاندان میں جنم لیا اس خاندان کی مختصر لفظوں میں تعریف بھی برائی معلوم ہوتی ہے۔ ان کے والدِ گرامی کا تعارف قابلِ محتاج نہیں۔ امی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: اگر تم اپنی مجلسوں کو پُر نور اور بارونق بنانا چاہتے ہو تو عمر بن خطابؓ کا تذکرہ کیا کرو۔ سیدہ کی والدہ حضرت زینب بنتِ مظعونؓ، جنّت البقیع میں

سب سے پہلے مدفون جلیل القدر صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ کی بہن ہے۔ سیدہؓ کے بھائی عبدالرحمٰن بن عمر کے بارے میں لسانِ رسالت ﷺ یوں گویا ہے: "نعم الرجل عبد الله" عبداللہ بہت اچھے انسان ہیں۔ ان کے چچا زید بن خطابؓ بقول حضرت عمرؓ: زید مجھ سے پہلے اسلام لایا اور مجھ سے پہلے شہید ہوگیا۔ اور نیز یہ بھی فرماتے تھے: جب بھی بادِ صبا چلتی ہے مجھے زید کی بو محسوس ہوتی ہے۔ حق و باطل کا پہلا معرکہ جو ۱۷/ رمضان ۲ھ کو بدر کے میدان میں بپا ہوا جسے قرآن نے "یوم الفرقان" کہا۔ اس میں ایک روایت کے مطابق سیدہ کے سات رشتہ دار حضور ﷺ کے ہمرکاب تھے:

(۱) والد حضرت عمرؓ (۲) شوہر حضرت خنیسؓ (۳) حضرت عثمان بن مظعونؓ (۴) قدامہ بن مظعونؓ (۵) عبداللہ بن مظعون (یہ تینوں سیدہ کے ماموں تھے) (۶) ماموں زاد بھائی سائب بن عبداللہ (۷) اور چچا حضرت زید۔

اور اس غزوۂ بدر میں دوسرا اعزاز سیدہ کی ذات اور خاندان کے لیے یہ بھی تھا کہ غزوۂ بدر میں کفر و شرک کی حمایت میں قریش کے تمام قبیلے شریک ہوئے؛ لیکن علامہ طبریؒ کے بیان کے مطابق قریش کا ایک قبیلہ ایسا تھا جس کا کوئی آدمی اس معرکہ میں شامل نہیں ہوا، وہ تھا بنوعدی یعنی سیدہ کا قبیلہ۔ یہ عظیم فضائل اور انوکھے مناقب شاید ہی کسی صحابی یا صحابیہ میں جمع ہوں۔

علم کی رسیہ

سیدہ حفصہؓ گفتگو بات چیت اور کردار میں تیز مزاج؛ مگر علمِ فقہ و فتویٰ میں ممتاز تھیں۔ سیدہ حفصہؓ نے علم و ادب کے گہوارے میں نشو و نما پائی تھیں حتی کہ قریش کی فصیح اللسان عورتوں میں آپؓ کا شمار تھا۔ وہ حصولِ علم کی دلدادہ تھی، اور تقویٰ و پرہیز گاری کے بلند مقام پر فائز تھیں، لسانِ جبرئیل سے آپ کے متقی و پرہیز گار ہونے کی شہادت یوں

ملتی ہے:"إنھا صوامة وقوامة وھي زوجتك في الجنة" وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والی اور کثرت سے قیام اللیل کرنے والی ہے اور جنّت میں بھی آپ کی بیوی ہے۔

آپؓ تحریر وکتابت کا بڑا شوق تھا، اس جذبہ کو ایک عالمہ فاضلہ حضرت شفا بنت عبد اللہ العدویہؓ نے پورا کردیا۔ ایک دن یہ صحابیہ سیدہ حفصہؓ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ حضور ﷺ تشریف لائے اور انہیں دیکھ کرارشاد فرمایا:

"علمیھا رقیة النملة کما علمتھا الکتابة"

اسے چیونٹی کا دم سکھلا دو جس طرح تم نے اسے لکھنا سکھایا ہے۔

شیخ ابن تیمیہؒ اپنی کتاب "المنتقیٰ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ: اس حدیث سے عورتوں کو علمِ کتابت سکھانے کا جواز ملتا ہے۔ اور خطابیؒ فرماتے ہیں کہ: اس میں اس بات کی دلیل ہے عورتوں کے لیے کتابت کا علم سیکھنا مکروہ نہیں۔

"رقیة النملة" کا مطلب

حدیث میں جو "رقیة النملة" کا لفظ آیا وہ وضاحت طلب ہے، ذیل میں اس کی وضاحت کے لیے علما کے اقوال ذکر کیے جاتے ہیں:

پہلا قول: "رقیة النملة" ایک پھوڑا ہے جو انسان کے پہلو میں نکلتا ہے، آپ ﷺ نے حضرت شفاؓ کو "رقیة النملة" سکھانے کا حکم دیا تا کہ جن عورتوں کو پھوڑا پھنسی ہوجائے یہ اس کو ٹھیک کردے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ: "رقیة النملة" ایک ایسا کلام ہے جس کو عرب کی عورتیں بولا کرتی تھیں، ہر سننے والا یہی سمجھتا تھا کہ اس کلام میں نفع ہے نہ کہ نقصان، یہ "رقیة النملة" عربوں کے یہاں اس بات میں مشہور تھا کہ وہ نئی نویلی دلہن سے کہا جاتا:

"العروس تحتفل وتختضب وتکتحل وکل شيء تفعل غیرَ أن

لاتعصی الرجل“

دلہن آراستہ ہوسکتی ہے، مہندی لگا سکتی ہے، سرمہ لگا سکتی ہے، سب کچھ کرسکتی ہے؛ مگر اپنے خاوند کی نافرمانی نہیں کرسکتی۔ حضور ﷺ نے سیدہ حفصہؓ سے حضرت شفاؓ کو ”رقیۃ النملۃ“ اس لیے سکھانے کو کہا کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ وتعریض تھی کہ سیدہ نے جو حضور ﷺ کا راز فاش کردیا جس کو قرآن نے ﴿وإذ أسر النبي إلىٰ بعض أزواجه حديثا﴾ سے بیان کیا جس کا تفصیلی ذکر پچھلے صفحات میں گذر چکا وہ راز فاش نہیں کرنا چاہیے تھا، اور حضور ﷺ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے تھا۔

امّت کی رہنمائی کے لیے سوال

سیدہ حفصہؓ میں معارف وحقائق کو اخذ کرنے کی صلاحیت بہت نمایاں تھی، آپ ﷺ کے فرمودات وارشادات پوری توجہ ودھیان سے سنتیں اور ان کو ذہن وقلب میں محفوظ کرلیتیں۔ اگر کسی مسئلہ میں کوئی بات کھٹکتیں تو فوراً اس کے ازالہ کے لیے حضور ﷺ سے بلاتکلف سوال کرلیتیں۔ سوالات کے ذریعہ سیدہؓ نے خوب فیض حاصل کیا چوں کہ خداوندِ قدوس نے جرأت وبے باکی کی صفت سے نواز رکھا تھا اس لیے ارشاداتِ عالی کی وضاحت طلب کرنے میں اور ابتداء سوال کرنے میں کوئی مانع بھی پیش نہیں آتا تھا، چناں چہ بہت سے مواقع پر انہوں نے اپنے سوال کے ذریعہ لسانِ رسالت ﷺ سے صادر ہونے والے احکاماتِ شریعت کی توضیح وتشریح کروائی، اس طرح ان کے واسطے سے امت کو منشائے نبوت کا علم ہوا، اور امت کو راہِ راست کی ہدایت ورہنمائی حاصل ہوئی، چندواقعات ملاحظہ فرمائیے:

ایک مرتبہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: جو اہلِ ایمان غزوۂ بدر میں اور بیعتِ رضوان میں شریک رہے وہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔ یہ ارشاد سن کر سیدہؓ نے بے ساختہ پوچھ

لیا: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ خدا تعالیٰ تو یوں فرماتے ہیں: ﴿وإن منكم إلا واردها﴾ تم میں سے ہر ایک جہنم پر آنے والا ہے۔ آپ ﷺ یہ سن کر کہنے لگے: حفصہ! آگے نہیں دیکھتی، اللہ یہ بھی تو فرماتے ہیں: ﴿ثم ننجي الذين اتقوا ونذر الظالمين فيها جثيا إلخ﴾ پھر جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا انہیں تو ہم نجات دے دیں گے الخ۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ قربانی کا جانور اپنے ساتھ لے کر گئے تھے جس کی وجہ سے افعالِ عمرہ ادا کرنے کے بعد حضور ﷺ حلال نہیں ہوئے اور جو لوگ ہدی کا جانور ساتھ نہیں لے گئے تھے عمرہ کے افعال کو ادا کر لینے کے بعد آپ ﷺ کے حکم سے انہوں نے احرام کھول دیا اور حلال ہو گئے۔ اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ نے اس پر عرض کیا: اللہ کے رسول! آخر یہ کیا معاملہ ہے کہ لوگوں نے تو احرام کھول دیا؛ مگر آپ حالتِ احرام ہی میں ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: میں نے ہدی کے جانور کو قلادہ پہنا رکھا ہے اور سر کے بالوں کو بلند کیے ہوئے ہوں؛ اس لیے میں تو اسی وقت احرام سے نکلوں گا جب حج کے ارکان سے فارغ ہو جاؤں اور جانور کو ذبح کر دوں۔

اسی طرح ایک دن کا واقعہ ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ اور انہوں نے نفلی روزہ رکھا، صبح صادق طلوع ہو جانے کے بعد ان کے پاس بطورِ ہدیہ کہیں سے کھانے کی کوئی چیز آ گئی، دونوں نے اسے کھا لیا۔ (غالباً پہلے سے فاقہ رہا ہوگا جیسا کہ عموماً رہا کرتا تھا، اب جو کھانا سامنے آ گیا تو شدتِ جوع کی وجہ سے بے قراری کی کیفیت پیدا ہو گئی؛ اس لیے روزے کی نیت کے باوجود اسے کھا لیا۔) عادتِ شریفہ کے مطابق حضور ﷺ جب ان کے پاس تشریف لائے تو پیش آمدہ مسئلہ کا حکم دریافت کرنے میں حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ پر سبقت کی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اور عائشہ نے نفلی روزہ رکھا؛ مگر کھانا سامنے آ جانے پر ہم نے افطار کر لیا تو اب ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم دونوں کسی دن اس کی قضا کر لینا۔

فہم وفراست

سیدہ حفصہؓ بڑی فہیمہ اور ذکیہ تھیں۔حضور ﷺ کی وفات کے بعد صحابہؓ مسائل کو سلجھانے کے لیے ان کی طرف رجوع فرماتے،خود آپ کے والدِ گرامی امیر المؤمنین حضرت عمرؓ آپؓ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے معمول کے مطابق رات کو گشت کے لیے نکلے،ایک گھر کے دروازہ پر عورت کی آواز سنی جو اپنے خاوند کی جدائی میں عشق ومحبت بھرے اشعار گارہی تھی اور اشعار میں اپنے جذبات کا اظہار یوں کررہی تھیں:

تطاول هٰذا الليل واسود جانبه وارّقني أن لا حبيب ألاعبه

فلولا حذار الله لا شيء مثله لزعزع من هٰذا السرير جوانبه

رات لمبی ہوگئی اور اس کی تاریکی چارسو پھیل گئی اور مجھے اس بات نے بیدار رکھا کہ میرا کوئی یار نہیں جس سے دل لگی کی باتیں کروں،اگر اُس اللہ کا خوف نہ ہوتا جس کے جیسا کوئی نہیں تو اس چارپائی کے اطراف میں ارتعاش پیدا ہوجاتا۔

جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اس عورت کو عدالت میں طلب کیا اور کہا: گذشتہ رات تم اچھے جذبات کا اظہار نہیں کررہی تھی،عورت نے کہا: آپ نے میرے خاوند کو ایک عرصے سے مجھ سے علیحدہ کررکھا ہے،میں اسے یاد کررہی تھی۔حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ اچھا طرز نہیں،اس نے کہا: ہر شادی شدہ عورت کو حق ہے کہ وہ اپنے خاوند کی محبت میں سرشار ہوکر اسے یاد کرے اور معاذ اللہ! میں نے کوئی خلافِ شرع کام نہیں کیا،آپ مجھے اس طرح ڈانٹ رہے ہیں! حضرت عمرؓ نے فرمایا: ذرا صبر سے کام لے،میں ابھی رقعہ لکھ دیتا ہوں،تیرا شوہر جلدی چھٹی لے کر تیرے پاس آجائے گا۔

پھر حضرت عمرؓ گھر تشریف لے گئے اور اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ سے استفسار کیا: بیٹی!

ایک شادی شدہ عورت اپنے خاوند سے کتنے ماہ جدا رہ سکتی ہے؟ یہ سن کر سیدہؓ نے شرم کے مارے سر جھکا لیا اور کچھ جواب نہ دیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: "إن اللہ لا یستحیي من الحق" اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتے۔ پھر حضرت حفصہؓ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: چار ماہ۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ نافذ فرمادیا کہ: کوئی بھی شادی شدہ مرد اپنی بیوی سے چار ماہ سے زیادہ جدا نہ رہے۔

سیدہؓ نے اس معاملہ میں صرف اشارہ پر اکتفا کیا، اپنے والد سے فوراً جواب عرض نہ کیا۔ یہ ازواجِ مطہراتؓ کے ادب اور ان کی حیا کی واضح دلیل ہے؛ اس لیے کہ حیا بھی ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے اور کیسے حیا نہ ہو جب کہ انہوں نے گھرانۂ نبوت میں تربیت پائی تھیں، اور چشمۂ نبوت سے سیراب ہوئی تھیں۔

اختلاف سے نفرت

اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اختلاف اور اختلاف کا باعث بننے والوں سے سخت نفرت تھی۔ خلیفۂ ثالثؓ سیدہ حضرت عثمان غنیؓ سے عہدِ خلافت میں فتنہ پرور مفسدین نے جب ست اٹھایا تو انہوں نے ان سے نفرت و بیزاری کا اظہار فرمایا اور خلیفۂ ثالث کی مظلومانہ شہادت کے بعد جب خلیفۂ رابع سیدہ حضرت علیؓ اور حضرت امیرِ معاویہؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا اور صفین کا معرکۂ کارزار گرم ہوا تو اس وقت اُمّ المؤمنین کے حقیقی بھائی مشہور صاحبِ فضل وفضیلت صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے -یہ سمجھ کر کہ یہ فتنہ کی چیز ہے- گوشہ نشینی اختیار کرلینی چاہی تو آپؓ نے ان سے فرمایا: اس معاملہ میں شرکت سے اگرچہ تمہارا کوئی فائدہ نہیں، مگر پھر بھی تم کو شریک رہنا چاہیے! اس لیے کہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا اور اس کا امکان ہے کہ تمہارا علیحدہ رہنا ان کے درمیان مزید اختلاف پیدا کردے۔

دجال سے نفرت وخوف کی وجہ

دجال سے نہایت متنفراور خائف رہا کرتی تھیں، اور یہ نفرت وخوف اسی بنا پر تھا کہ دجال انتہائی فتنہ پرور اور پورے عالم میں اختلاف وانتشار کا باعث ہوگا، اور اس کے خروج وظہور سے دنیا کا امن وامان غارت ہوجائے گا، اور دنیا فتنوں کی آماجگاہ بن جائے گی۔ حضور ﷺ نے دجال سے متعلق جو علامات بتائی تھیں وہ کافی حد تک ابنِ صیاد نامی ایک شخص کے اندر موجود تھیں جو مدینۂ منورہ یا اس کے قریب کسی گاؤں کا رہنے والا تھا، اس ابنِ صیاد سے ایک دن حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مدینۂ منورہ کے ایک راستہ پر ملاقات ہوگئی تو انہوں نے اسے خوب سخت سست کہا! اور مسندِ احمد کی روایت میں ہے کہ اس قدر مارا کہ ان کی لاٹھی ٹوٹ گئی، اس پر ابنِ صیاد غصہ کی وجہ سے اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہوگیا۔ اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ بہت برہم ہوئیں اور بھائی کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے! آخر تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ کیا تم کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''دجال کے خروج کا سبب اس کا غصہ ہوگا''۔

حارسۃ القرآن

سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک عظیم احسان قیامت تک ہر مسلمان کی گردن پر قرض ہے، جب بھی ہم لوگ قرآن کی آیتیں پڑھتے ہیں تو سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فضل وکمال یاد آتا ہے، وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے گھر میں قرآن کو محفوظ کر رکھا تھا۔ حضور ﷺ کے زمانے میں جب وقفہ وقفہ سے قرآن نازل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسے اپنے قلب میں محفوظ کر لیتے۔ اہلِ عرب کے یہاں کسی بات کو محفوظ کرنے کے

لیے ان کی ذکاوت وذہانت ہی کافی تھی، باوجودان کی ذہانت وفطانت کے اللہ کے نبی نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں اس امر کا بھی انتظام فرما دیا تھا کہ وحی کے ذریعہ جو کلامِ الٰہی نازل ہوتو اس کو لکھ کر محفوظ کرلیا جاتا۔ یہ اہم خدمت دوسرے اصحاب کے علاوہ سیدہ حفصہؓ کے بھی سپرد تھی، سیدہ لکھنا جانتی تھیں؛ اس لیے حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق نازل شدہ آیات کو لکھ کر اپنے پاس موجود قرآنی نسخے میں درج کرلیتیں۔

رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرمالینے کے بعد جب عہدِ صدیقی میں مانعینِ زکوٰۃ اور مرتدّین کے خلاف جنگ میں بہت سے حفاظِ قرآن شہید ہوگئے تو حضرت عمرؓ نے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں امتِ مسلمہ اہلِ کتاب کی طرح کتابِ الٰہی کی نعمت سے محروم نہ ہوجائے، چناں چہ خلیفۂ رسول حضرت ابوبکرؓ سے کہہ کر اس امر کا اہتمام کروایا کہ قرآن مجید مکمل کتابی صورت میں مدوّن ہوجائے۔اس کام کے لیے تمام کتابت شدہ قرآنی اجزا جو مختلف صحابۂ کرامؓ کے پاس موجود تھے جمع کیے گئے، ان نسخوں اوراجزا میں سب سے اہم نسخہ جو سب سے زیادہ مفید وکارآمد ثابت ہوا وہ اُمّ المؤمنین سیدہ حفصہؓ کے پاس تھا، خلیفۂ رسول نے اسے آپؓ سے لے کر اہلِ علم صحابہؓ کی ایک جماعت کے سپرد کردیا، جنہوں نے تمام قرآنی اجزا کو ایک مکمل مصحف کی صورت میں مدوّن کردیا، بعد میں یہی مکمل ومستند نسخہ تاریخ میں ''مصحفِ صدیقی'' کے نام سے مشہور ہوا۔

عثمانی دور میں عجمیوں کی ایک بڑی تعداد کے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے جب قرآنِ پاک کی کتابت، املا، تلفّظ اور تلاوت میں اختلاف کی صورتیں سامنے آئیں تو خلیفۂ وقت نے سیدہ حفصہؓ کے پاس موجود نسخۂ قرآن کی نقل کرواکر اپنی مہر کے ساتھ مملکت کے مختلف شہروں میں بھیجا؛ تاکہ پوری امت قرآن کے املا اور تلفّظ کے معاملہ میں ہر قسم کے اختلاف وانتشار سے پوری طرح محفوظ ومامون ہوجائے۔اس طرح کلام اللہ کی ترتیب وتدوین اوراس کی حفاظت کے سلسلہ میں اُمّ المؤمنین سیدہ حفصہؓ کا تاریخی کردار رہا۔

حافظہ وقاریہ

آپؓ قرآنِ کریم کی حافظہ بھی تھیں، اور حضور اقدس ﷺ کے طرز پر قرآنِ کریم کے پڑھنے کی صلاحیت رکھتی تھیں، چناں چہ حضرت نافع کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے حضور ﷺ کی قراءت اور طرز کے بارے میں حضرت حفصہؓ سے سوال کیا تو فرمایا کہ: تم لوگ آپ ﷺ کے طرز پر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے، عرض کیا گیا کہ: بتا تو دیجیے! اس پر آپؓ نے سورۂ فاتحہ کو ترسیل کے ساتھ پڑھ کر دکھایا اور بتایا: راوی کا بیان ہے کہ ﴿الحمد لله رب العالمين﴾ پر وقف کیا، پھر ﴿الرحمن الرحيم﴾ پر، پھر ﴿مالك يوم الدين﴾ پر، اسی طرح پوری سورہ پڑھ کر سنائی۔

سیدہؓ کی فصاحت وبلاغت

حضرت حفصہؓ نے علم وادب کے گہوارے میں نشو ونما پائی تھی، قریش کی فصیح اللسان عورتوں میں آپؓ کا شمار ہوتا تھا، جب آپؓ محوِ گفتگو ہوتیں تو دہنِ معطر سے پھول جھڑتے، ہر لفظ معنوں کا مخزن، ہر کلمہ حقائق سے لبریز، دلکش انداز، بلیغ اسلوب اور شستہ زبان کا ملکہ ودیعت کر دیا گیا تھا۔ جب سیدنا عمرؓ شہادت سے پہلے زخمی ہوکر بستر پر لیٹے ہوئے موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھے، اس نازک ترین موقع پر سیدہؓ نے جو کلمات ادیبانہ انداز میں ادا کیے تھے اسے ہم مشتے نمونہ ازخروارے پیش کرتے ہیں:

”يَا أَبَتَاه! مَا يَحْزُنُكَ وِفَادَتُكَ عَلٰى رَبّ رَحِيم وَلَاتَبِعَةُ لِأَحد عِنْدَكَ، وَمعِيَ لَكَ بَشَارَة لا أُذِيع السِّرّ مَرَّتَيْنِ، وَنِعْمَ الشَّفِيْعُ لَكَ العَدْل، لَمْ تَخَفْ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ خَشْيَةَ عِيْشَتِكَ وَعَفَافَ نِهمَتِكَ وَأَخْذُكَ بِاكْظَامِ المُشْرِكِيْنَ وَالمُفسِدِيْنَ فِي الأَرْضِ“.

اے میرے ابا جان! مہربان پروردگار کی خدمت میں حاضری پر غم نہ کھایئے گا، کسی کا آپ پر کوئی بوجھ نہیں، اور میرے پاس آپ کے لیے ایک بشارت ہے جو ایک راز ہے اور میں اسے دوبارہ بیان نہ کروں گی، انصاف پرور ہستی آپ کی سفارشی بنے گی، آپ کی یہ پُر مشقت زندگی، پاکیزہ حاجت، آپ کا مشرکین اور زمین میں فساد پھیلانے والوں کو گرفتار کرنا اللہ پر مخفی نہیں ہے۔

اور ان کی وفات پر سیدہ نے خطبہ دیا تھا وہ بھی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ایک شاہکار تھا، فرماتی ہیں:

”اَلْحَمْدُ لِلهِ الَّذِيُ لانَظِيُرَ لَهُ وَالفَرْدُ الَّذِيُ لا شَرِيُكَ لَهُ، أَمَّا بَعْدُ! فَكُلّ العَجَب مِنْ قَوُم زَيَّنَ الشَّيُطَانُ أَفُعَالَهُمُ ونَصبَ حبَائِلَه لِخَتُلِهِمُ حتّٰى هَمَّ عَدُوٌّ اللهِ بِإِحُيَاء البِدُعَةِ وَنَبُشِ الفِطُنَةِ وَتَجُدِيُدِ الجَوُرِ بَعُدَ دُرُوُسِهِ وَإِظُهَارِهِ بَعُدَ دُثُوُرِهِ وَإِرَاقَةِ الدِّمَاءِ وَإِبَاحَة الحمىٰ وَانُتِهَاكِ مَحَارِمِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ بَعُدَ تَحُصِيُنِهَا فَأَضُرٰى وَهَاجَ وَتَوَغَّرَ وَثَارَ غَضَبًا لِلهِ وَنصره لِدِيُن اللهِ فَأَخُسَأَ الشَّيُطَانَ وَكَفَّ إِرَادَتَه وَأَصُعَرَ خَدَّهُ لسبقه إِلىٰ مُشَايَعَتِهِ أَوُلَى النَّاسِ بِخِلَافَةِ رَسُوُل اللهِ ﷺ المَاضِيُ عَلىٰ سننه المُقُتَدىٰ بِدِيُنه المَقُتَصَّ لِأَثَرِه فَلَمُ يَزَلُ سِرَاجُهُ زَاهِدًا وَضَوُءُهُ لَامِعًا وَنُوُرُهُ سَاطِعًا لَهُ مِنَ الأَفُعَال الغَرَرِ وَمِنَ التَّقَدُّمِ فِيُ طَاعَةِ اللهِ إِلىٰ أَنُ قَبَضَهُ اللهُ إِلَيُهِ قاليا لِمَا خَرَجَ مِنُهُ“۔

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کی کوئی نظیر نہیں، جو منفرد ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، حمد و ثنا کے بعد! اس قوم پر بہت تعجب ہے جس کے لیے شیطان نے ان کے کام مزین کر رکھے ہیں، ان کا شکار کرنے کے لیے پھندے اور جال لگا رکھے ہیں، اس رب کے دشمن نے بدعت کو زندہ کرنے کا ارادہ کیا، فتنے کو ابھارنے، ظلم مٹنے کے بعد پھر اسے ایجاد کرنے، ظلم و ستم کے خاتمے کے بعد اسے از سرِ نو جلا بخشنے، خون بہانے،

ممنوع کو جائز سمجھنے، اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کرنے، اور محرماتِ الٰہی کے تحفظ کے بعد پھر ان کو پامال کرنے کا ارادہ کیا، تو اس کے مقابلے میں اللہ کا یہ بندہ جوش میں غضب ناک ہو کر اٹھ کھڑا ہوا، دینِ الٰہی کی حدود کے لیے مستعد ہو گیا، شیطان کو رسوا کر دیا، اس کے ارادے کو خاک میں ملا دیا، اس کا رخ موڑ دیا؛ کیوں کہ اب وہ اس خلیفۂ اول کی الوداعی کے بعد مسندِ خلافت کو سنبھال رہا تھا، سننِ پیغمبر ﷺ پر گامزن، ان کے دین کی اقتدا میں اور ان ہی کے نقشِ قدم پر چل رہا تھا، ان کا چراغ جلتا رہا، روشنی ہر سو پھیلتی رہی، اور نورانی کرنیں جگمگاتی رہیں، ان کے افعال روشن سنہرا چہرے لیے ہوتے تھے اور وہ اطاعتِ ربّانیہ میں پیش قدمی ہی کرتا رہا تا آں کہ داعیٔ اجل کے ذریعہ باری تعالیٰ نے ان کو دارِ فانی سے بلا لیا اور وہ فوت ہونے والا بھی جس دنیا کو الوداع کہہ رہا تھا اس سے بے زار ہی تھا۔

مرویات

ازواجِ مطہرات کی زندگی کا ایک اہم مشن یہ تھا کہ حضورِ اکرم ﷺ سے علوم و معارف اور عقائد و مسائل اخذ کر کے امت تک پہنچائیں، اس مشن میں بھی سیدہ حفصہؓ نہایت کامیاب و بامراد رہیں، آپؓ سے کل ساٹھ احادیث مروی ہیں جن میں سے پانچ صحیح بخاری میں موجود ہیں۔

شاگردان

ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کا دامنِ مراد جسمانی اولاد سے اگرچہ خالی رہا، مگر معنوی اور روحانی اولادوں اور یادگاروں سے قیامت تک پُر رہے گا، جن حضراتِ اصحابِ علم و فضل نے بہ راہِ راست ان کے کسبِ فیض کیا ان کی تعداد کثیر ہے، مشہور تلامذہ اور

مخصوص مستفیدین کے اسما مندرجۂ ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ اُمّ المؤمنین کے حقیقی بھائی تھے، حضرت حمزہ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے، صفیہ بنتِ ابوعبید، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بیوی، حارثہ بن وہیب، مطلب بن ابی وداعہ، امِ مبشر انصاریہ، عبدالرحمٰن بن صفوان بن امیہ، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام وغیرہم۔

یہ تمام حضرات آسمانِ علم وفضل کے تابندہ ستارے ہیں۔

سیدہ حفصہؓ اور دیگر امہات المؤمنین

پہلے گذر چکا کہ جب سیدہ حفصہؓ کا عقد ہوا تو اس وقت حرمِ نبوی میں سیدہ عائشہؓ اور سیدہ سودہؓ تھیں، حضرت عائشہؓ وحفصہؓ کے درمیان نوجوان ہونے اور دونوں کے والد حضور کے عزیز ہونے کی وجہ سے ہلکی سی چپقلش رہی؛ لیکن خاندان کے اعتبار سے دونوں قریش سے ہونے کی وجہ سے اکثر باہم مل کر رہا کرتی تھیں۔ازواجِ مطہرات اور امہات المؤمنین سے ایسی باتیں سرزد ہونا ایک فطری چیز ہے، اسے گناہ نہ سمجھنا چاہیے؛ کیوں کہ جب ایک شوہر کی کئی بیویاں ہوں تو ان میں کی ہر ایک اپنے شوہر کی سب سے زیادہ محبوب بننے کی متمنّی ہوتی ہیں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ امی عائشہؓ خود بیان فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، میں آپ ﷺ کے لیے کھانا تیار کرنے لگی، اور حفصہ بھی آپ ﷺ کے لیے کھانا تیار کرنے لگی، حفصہ مجھ سے سبقت لے گئی، میں نے اپنی خادمہ سے کہا: جاکر حفصہ کا پیالہ الٹ دے۔حفصہ حضور کے سامنے پیالہ رکھنے کے قریب تھی کہ اس نے پیالہ الٹ دیا، کھانا زمین پر پھیل گیا، حضور ﷺ نے منتشر کھانا جمع کر کے تناول فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: تمہاری ماں کو غیرت آ گئی۔ پھر میں نے سرکار ﷺ کے

حکم سے اپنا پیالہ دیا تو حضور ﷺ نے اس پیالے میں کچھ کھانا رکھ کر حفصہ کے گھر بھیج دیا اور کہا: اپنے پیالے کے بدلے یہ پیالہ لے لو اور جو کچھ ہے اس میں سے کھاؤ۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ سیدہ حفصہؓ اور سیدہ عائشہؓ کے درمیان پیش آیا، حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب کسی غزوے میں تشریف لے جاتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے اور جس کا نام نکل آتا اسی کو ہمراہ لے جاتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہؓ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے ہمراہ لیا اور محوِ سفر ہوئے، آپ ﷺ کی سواری کے ساتھ ساتھ امی عائشہؓ کی سواری ہوتی، اور رات کے وقت آپ سیدہ عائشہؓ سے گفتگو فرماتے رہتے۔ یہ دیکھ کر سیدہ حفصہؓ اندر ہی اندر کڑھنے لگی، انہوں نے موقع پا کر حضرت عائشہؓ سے کہا: آج سے تم میری سواری پر سوار ہونا اور میں تمہاری سواری پر سوار ہوں گی؛ تاکہ مختلف مناظر سامنے آئے۔ سیدہ عائشہؓ اس کے لیے راضی ہوگئیں، جب حضور ﷺ اپنی سواری پر تشریف لائے تو ہودج میں سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پایا، چناں چہ آپ ﷺ ان ہی سے گفتگو کرنے لگے، اور سیدہ عائشہؓ پورے راستے حضور ﷺ کو ساتھ نہ پا کر سخت برہم ہوئیں یہاں تک کہ پڑاؤ کے موقع سے غصہ کے مارے اپنے پیر اِذخر نامی گھاس میں رکھ کر کہنے لگیں: خداوند! مجھ پر کسی سانپ یا بچھو کو مسلط کردے جو مجھے ڈس جائے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ: حضور ﷺ گھر تشریف لائے، دیکھا کہ صفیہؓ رو رہی ہے، رونے کی وجہ پوچھی: تو حضرت صفیہؓ نے کہا: حفصہ مجھے یہودی کی بیٹی کہتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: حفصہ! خدا سے ڈر! پھر حضرت صفیہؓ کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: ”تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارے چچا پیغمبر ہے اور تم پیغمبر کے نکاح میں ہو، حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم پر کس بات میں فخر کرسکتی ہے؟

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے حضرت صفیہؓ سے کہا کہ:

''ہم رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں، ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی، حضرت صفیہؓ کو ناگوار گذرا، انہوں نے حضور ﷺ سے اس کی شکایت کی، تو آپ نے فرمایا: تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ: تم مجھ سے زیادہ کیوں کر معزز ہو سکتی ہو؟ میرے شوہر محمد ﷺ، میرے والد ہارون علیہ السلام اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

حضرت حفصہؓ کا تمام ازواجِ مطہرات کے درمیان بڑا مقام تھا، امی عائشہؓ ان کے متعلق فرماتی ہیں کہ: وہی حضور کی ازواج میں سے میرے مقابل ہوجایا کرتی تھیں۔ آپؓ کے فضل وکمال کے لیے سیدہ عائشہؓ کا یہ تاریخی جملہ کافی ہے جو انہوں نے آپؓ کی شانِ عالی میں کہا تھا: ''إنها ابنة أبيها'' وہ تو اپنے باپ کی بیٹی ہے۔

خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رُلایا

جب شام اور عراق مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گئے اور فتوحات کا دائرہ وسیع ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کو اپنی پرانی روش سے ہٹ کر نیا طرز اختیار کرنا چاہیے، اور پیوند لگے ہوئے کپڑوں کو ترک کر کے عمدہ لباس زیب تن کرنا چاہیے؛ لیکن یہ بات ان تک کون پہنچائے؟ چناں چہ صحابہؓ نے اس کام کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو موزوں پایا۔

دیگر صحابہؓ کے اصرار پر یہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس گئیں، سیدہ عائشہؓ فرمانے لگیں: امیر المؤمنین! قیصر وکسریٰ آپ کے ہاتھوں فتح ہو چکے ہیں، آپ کی سلطنت چہار دانگِ عالم میں پھیل چکی ہے، اب آپ کو پرانے کپڑوں کو ترک کر کے عمدہ پوشاک پہننی چاہیے اور اپنے ہمراہ خادم بھی رکھنا چاہیے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا رزق کشادہ کر دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کا رنگ بدل گیا، کہنے لگے: تمہیں کس نے میرے

پاس بھیجا؟ مجھے ان کے نام بتاؤ، میں اپنے کوڑے سے ان کی خبر لوں گا! یہ سن کر دونوں چپکی رہ گئیں، پھر حضرت عمرؓ اپنی بیٹی سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے: حفصہ! کیا تو بھول گئی، میرے حبیب کے پاس صرف ایک جوڑا پہننے کو تھا وہ خود دھوتے اور سکھا کر پہن لیتے۔ تجھے یاد ہے نا! بلال اذان دے کر گھر تشریف لائے اور کہا کہ: اے اللہ کے رسول! نماز کا وقت ہو چکا ہے، آپ جلد تشریف لایئے، میرے نبی نے کہا تھا: بلال! ذرا ٹھہرو! میرے کپڑے گیلے ہیں، انہیں سوکھ جانے دو۔ بیٹی! تو بھول گئی! میرے حبیب کے گھر میں مہینے میں صرف ایک مرتبہ گوشت پکتا تھا۔ کیا تجھے میرے نبی کی تنگیٔ عیش یاد نہیں! کیا تیرے سامنے میرے نبی کی زندگی اوجھل ہو چکی ہے کہ تو مجھے عمدہ پوشاک اور لذیذ کھانے پر ابھار رہی ہے۔ خدا کی قسم! جب تک مجھ سے ہو سکے گا میں حضور اور ابو بکر نے جس تنگی و عسرت کے ساتھ زندگی گذاری ہے ان میں اپنے آپ کو شریک کرتا رہوں گا؛ تا کہ میں بھی مرنے کے بعد جس طرح وہ خوشحالی کے ساتھ زندگی گذار رہے ہیں اس میں شریک ہو جاؤں۔ (صور من سیر الصحابیات: ۱۱۶، نساء مبشرات بالجنۃ: ۳۳۵)

اخلاق

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اخلاقی پایہ نہایت بلند تھا، تازندگی صائم النہار اور قائم اللیل رہیں، جب رات کو تاریکی چھا جاتی اور دنیا اپنے بستروں پر میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہی ہوتی اس وقت یہ نماز کی نیت باندھ کر اپنے معبودِ حقیقی کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہتیں۔ ابنِ سعد کی روایت کے مطابق انتقال کے وقت بھی وہ روزہ سے تھیں۔

خلاصۂ کلام

یہ تھے سیدہ حفصہؓ کے احوالِ زندگی، جس کے ہر ہر موڑ پر امت کے لیے رہنما

خطوط موجود ہیں، ضرورت ہے اس بات کی کہ ان کو اپنا اسوہ ونمونہ بنا کر ان کی سی زندگی گذاری جائے اوران کے نقوشِ قدم پر چل کر منزل تک پہنچا جائے۔

مراجع ومصادر

(۱) آسان ترجمۂ قرآن
(۲) معارف القرآن
(۳) امہات المؤمنین
(۴) نساء مبشرات بالجنۃ
(۵) سیر الصحابیات
(۶) ام المؤمنین حفصہ بنتِ عمرؓ
(۷) ازواجِ مطہرات وصحابیات انسائیکلوپیڈیا
(۸) طبقات ابنِ سعد
(۹) رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں
(۱۰) عشرۂ مبشرہ
(۱۱) ازواجِ مطہرات
(۱۲) استمتع بحیاتک
(۱۳) صورمن سیر الصحابیات
(۱۴) تذکارِ صحابیات
(۱۵) سیرت امہات المؤمنین
(۱۶)(۴) امتِ مسلمہ کی مائیں
(۱۷) صحابیات مبشرات
(۱۸) نساء حول الرسول ﷺ
(۱۹) صحابیات
(۱۰) خواتینِ اسلام کی دینی وعلمی خدمات

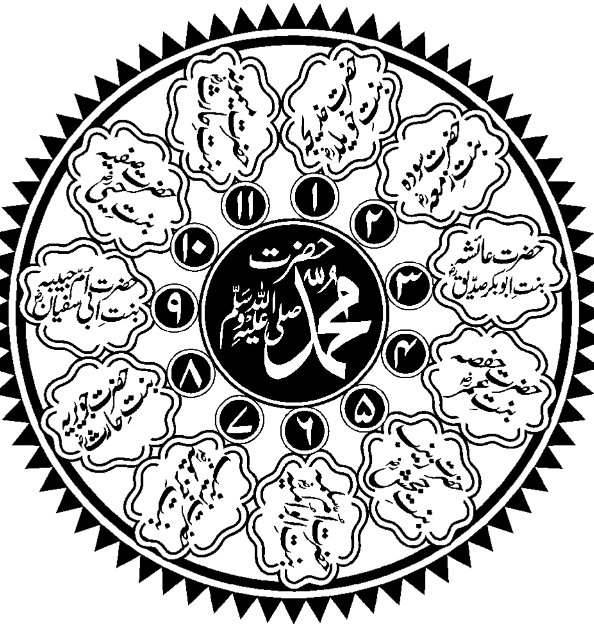

۵

اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا

سوانحی خاکہ

نام : زینب بنتِ جحشؓ۔

کنیت : اُمّ الحکم۔ لقب: اُمّ المساکین۔

قبیلہ : قریش کا قبیلہ ''بنواسد بن خزیمہ''۔

ولادت : ۵۹۰ھ، ہجرت سے تقریباً تیس سال پہلے مکۂ مکرمہ میں۔

قبولِ اسلام : اپنے بھائی عبداللہ بن جحش اور اپنے خاندان سمیت دارِ ارقم کی تربیت گاہ بننے سے قبل ہی مشرف بہ اسلام ہوچکی تھیں۔

ہجرت : اپنے خاندان کے ساتھ مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

نکاحِ اول : حضرت زید بن حارثہؓ سے ۴ھ میں ہوا۔

نکاحِ ثانی : ذی قعدہ ۵ھ میں آسمان پر نبیٔ کریم ﷺ سے ہوا۔

کل مدتِ رفاقت: تقریباً ساڑھے پانچ برس۔

حج : ۱۰ھ میں حضور ﷺ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل ہوئی۔

مرویات : گیارہ احادیث، جن میں سے دو صحیحین میں مذکور ہیں۔

سنِ وفات : عہدِ فاروقی میں ۲۰ھ مطابق: ۶۴۱ء مدینۂ منورہ میں۔

نمازِ جنازہ : حضرت عمرؓ نے پڑھائی۔

مدفن : جنت البقیع۔

کل عمر : ۵۳ر سال۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا

امان اللہ معین اشرف امریلی

خاندانِ قریش کی ایک قابلِ رشک خاتون جس نے ہادئ اکرم ﷺ کی صدائے حق، پردۂ سماعت سے ٹکراتے ہی بادِ مخالف کی پروا کیے بغیر جان ودل سے اسلام قبول کرکے ’’السابقون الاولون‘‘ کے مقدس گروہ میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا، خاندانی شرافت ونجابت کے ساتھ اسلامی اخلاق وکردار نے ان کی سیرت میں چار چاند لگا دیے، جنہیں لسانِ رسالت ﷺ سے دنیا ہی میں جنّت کی بشارت ملی، جن کے متعلق اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ رطب اللسان ہیں کہ: ’’اللہ ان پر رحم کرے، واقعی انہوں نے دنیا میں ایسا بلند وبالا مقام ومرتبہ پایا جسے کوئی اور نہ پاسکا، خود اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح اپنے نبی سے کیا، اوران کے لیے قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں۔ دریا دلی، فیّاضی، جود وسخا میں یدِ طولیٰ رکھنے والی، نیک خو، عبادت گذار، شب زندہ دار، متقی وپرہیزگار، راہِ خدا میں بے دریغ اپنا مال خرچ کرنے والی، خوفِ خدا کی خوگر، تواضع وانکساری کی پیکر، جن کی وفات پر مدینے کے غربا میں کہرام مچ گیا، اوروہ دھاڑیں مار مارکررونے لگے، آپ جانتے ہیں یہ کون ہیں؟ نہیں، تو جان لیجیے:

یہ ہادئ عالم ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنتِ عبدالمطلب کی دخترِ نیک اختر، حسن وجمال، شرم وحیا، عفّت وعصمت اور غیرت وحمیت کی پیکر، اسلامی اخلاق وکردار کا اعلیٰ نمونہ ’’ام المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا‘‘ کی ذاتِ بابرکت ہے۔

تو آیئے! اس خاتونِ جنّت کے حالاتِ زندگی کی عطر بیز کلیوں سے نورِ ایمان حاصل کرتے ہوئے اپنی دنیا وآخرت سنوارنے کا سامان مہیا کریں۔

نام ونسب

نام: زینب، لقب: اُمّ المساکین، کنیت: اُمّ الحکم، بجائے کنیت کے اپنے نام سے ہی مشہور ہوئیں۔

قریش کے خاندانِ بنو اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتی تھیں، والد کا نام جحش اور والدہ کا نام امیمہ بنتِ عبدالمطلب تھا، جو رشتہ میں آپ ﷺ کی سگی پھوپھی ہوتی ہیں۔

والد کی طرف سے سیدہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنت جحشؓ بن رِیاب بن یَعْمُر بن صَبِرَہ بن مرّہ بن کثیر بن غنم بن دوران بن اسد بن خزیمہ۔ اور والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنتِ امیمہ بنتِ عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قُصی۔

اس طرح باپ کی طرف سے ان کا تعلق ''قبیلۂ بنی اسد'' سے اور ماں کی طرف سے ''قبیلۂ بنی ہاشم'' سے تھا۔

سیدہ کا اصل نام اور اس کی تبدیلی

حضرت زینبؓ کا اصل نام ''برّہ'' تھا، حرمِ نبوت میں آنے کے بعد آپ ﷺ نے بدل کر ''زینب'' کر دیا۔ (بخاری شریف:۶۱۹۲)

مسلم شریف میں ہے: سیدہ اِم سلمہؓ کی بیٹی زینب کہتی ہیں کہ: میرا پہلا نام ''برّہ'' تھا، رسول اللہ ﷺ نے میرا نام زینب رکھا، مزید آگے فرماتی ہیں کہ: جب سیدہ زینب بنتِ جحشؓ رسول اللہ کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئی تو ان کا نام بھی ''برّہ'' تھا، رسول اللہ ﷺ نے بدل کر ان کا نام بھی زینب رکھ دیا اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا: ”لاتزكوا أنفسكم فإن الله هو أعلم بالبرَّة منكن والفاجرة“، تم خود اپنے آپ کو پاک باز نہ کہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ تم میں سے کون نیک اور کون بد ہے۔ (مسلم:۲۱۴۲)

علامہ ابن الاثیر الجزریؒ نے بھی زینب بنتِ ابی سلمہؓ کے طریق سے اسی طرح کی روایت بیان فرمائی ہے۔

حلیہ

حضرت زینب بنتِ جحشؓ قدرے پست قامت؛ لیکن خوبصورت اور موزوں اندام تھیں، حسن و جمال، عقل و دانش اور فہم و فراست کے اعتبار سے قریشی خواتین میں قابلِ رشک مقام پر فائز تھیں، خود کہا کرتی تھیں: "أنا سيدة أبناء عبد شمس". (میں عبدِ شمس کی اولاد کی سردار ہوں)۔

سیدہ کا خاندان

سیدہ زینبؓ کے والد ''جحش بن ریاب'' دولتِ اسلام سے بہرہ ور نہ ہوسکے اور آپ کی والدہ ''امیمہ بنتِ عبدالمطلب'' کے اسلام میں اختلاف ہے، سوائے ابنِ سعد کے کسی اور نے ان کے لیے اسلام ثابت نہیں کیا۔ محمد بن اسحاق امیمہ کے اسلام کے منکر ہیں۔

سیدہ کے تین بھائی تھے: عبداللہ، ابواحمد، عبیداللہ۔ اور دو بہنیں تھیں: حبیبہ اور حمنہ، جن کا مختصر تعارف درجِ ذیل ہے:

عبداللہ بن جحش

حضرت عبداللہ قدیم الاسلام صحابی ہیں، حضور ﷺ کے دارِ ارقم میں فروکش ہونے سے پہلے ہی دامنِ اسلام سے وابستہ ہو کر آپ ﷺ کی غلامی میں داخل ہو چکے تھے، جب کہ مسلمان گنتی کے چند تھے، نیز ان کا شمار ذوالہجرتین اور اصحابِ بدریین میں ہوتا ہے، بڑے شجاع و بہادر اور بڑے جاں باز تھے، اسلامی تاریخ میں انھوں نے بڑی عظمت حاصل کی۔ حضور ﷺ نے ان کو ۲ھ میں سریۂ نخلہ کی امارت سے سرفراز فرمایا تھا، جن کی وجہ سے تاریخِ اسلام میں سب سے پہلے انہیں ''امیر المؤمنین'' کے لقب سے

پکارا گیا۔انھوں نے غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی اور ۳ھ میں غزوۂ احد کے موقع پر اخنس بن شریق کے ہاتھوں شہادت کی نعمت سے نوازے گئے، جنگ کے بعد دشمنوں نے ان کا مثلہ کردیا تھا جس کے سبب "المجدع في الله" (راہِ خدا میں مثلہ کیا ہوا) کے لقب سے مشہور ہوئے، اور اپنے ماموں سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے ساتھ دفن کیے گئے۔

حضرت عبداللہ بن جحش اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ خزیمہؓ کے سابق شوہر تھے۔

(تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: بیس جنتی صحابہ از: ص: ۲۶۵ تا ص: ۲۹۲، ناشر: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل)

ابواحمد بن جحش

یہ بھی قدیم الاسلام ہیں، اپنے بھائی عبداللہ کی طرح دارِارقم کے تربیت گاہ بننے سے پہلے ہی دامنِ اسلام سے وابستہ ہوچکے تھے، ابواحمد نابینا تھے، ان کا شمار شعرائے صحابہ میں ہوتا ہے، بڑے قادرالکلام شاعر تھے، ان کا اصل نام "عبد بن جحش" تھا اور ابواحمد ان کی کنیت تھی، ان کا نکاح ابوسفیان بن حرب کی بیٹی فرعہ بنت ابی سفیان سے ہوا تھا۔

عبیداللہ بن جحش

عبیداللہ بن جحش اسلام سے وابستہ بھی ہوا اور اپنی اہلیہ سیدہ امِ حبیبہ بنتِ ابی سفیانؓ کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت بھی کی؛ لیکن سمندر کے کنارے رہ کر بھی پیاسا رہا، چشمۂ آبِ حیات کے قریب پہنچ کر بھی تشنہ لب رہا، گوہرِ مراد حاصل ہونے کے بعد بھی اپنے مقصدِ زندگی کو نہ پاسکا، چناں چہ حبشہ پہنچنے کے بعد اس نے مذہبِ عیسائیت اختیار کرلی، اور ضلالت وگمراہی کی لق ودق وادیوں میں بھٹکتا رہا، تاآں کہ موت کے پنجہ نے اس کو آدبوچا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو بڑا املال ہوا، پھر آپ ﷺ نے ان کی بیوی "حضرت ام حبیبہ بنتِ ابی سفیان" کو پیغامِ نکاح بھیجا، جوانہوں نے بہ خوشی قبول کرلیا، اور نجاشی شاہِ حبشہ نے غائبانہ طور پر ان کا نکاح حضور ﷺ سے کرادیا۔

حبیبہ بنتِ جحش

یہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح قدیم الاسلام صحابیہ ہیں، ابتدائی دور میں ہی حلقہ بہ گوشِ اسلام ہوئیں، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک تھیں۔

حمنہ بنتِ جحش

یہ بھی دورِاول میں مشرف بہ اسلام ہونے والی صحابیات میں سے ہیں، ان کا نکاح مبلّغِ اسلام حضرت مصعب بن عمیرؓ سے ہوا جو جنگِ احد میں دولتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ پھر ان کے بعد حضرت طلحہ بن عبیداللہ بن عثمانؓ کے رشتۂ زوجیت میں آئیں، جن سے محمد السجاد اور عمران پیدا ہوئے۔ سجاد حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔

دیگر صحابہؓ سے رشتہ داری

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سیدنا مصعب بن عمیرؓ، سیدہ زینب بنت جحشؓ کے بہنوئی تھے۔

سیدہ زینبؓ کی بہن حمنہ بنت جحشؓ کی سیدنا مصعبؓ کے بعد طلحہ بن عبیداللہ سے شادی ہوئی، اس طرح وہ بھی سیدہ زینبؓ کے بہنوئی ہوئے۔

ام المؤمنین سیدہ امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ کے حبالۂ عقد میں آنے سے قبل سیدہ زینب بنتِ جحشؓ کے بھائی عبیداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں یعنی سیدہ امِ حبیبہؓ سیدہ زینبؓ کی بھابھی تھیں، بعدازاں وہ نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آ گئیں۔

ام المؤمنین سیدہ زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آنے سے قبل سیدہ زینب بنتِ جحشؓ کے بھائی عبداللہ بن جحشؓ کے نکاح میں تھیں یعنی دو ازواجِ مطہرات قبل ازیں سیدہ زینب بنتِ جحشؓ کی بھابھیاں تھیں۔

سیدنا عباسؓ اور سیدنا حمزہؓ آپؓ کے ماموں تھے۔

سیدہ صفیہ بنتِ عبدالمطلبؓ آپؓ کی خالہ تھیں، اُمّ المؤمنین سیدہ امِ سلمہ آپؓ کی خالہ زاد بہن تھیں۔

سیدنا علی، سیدنا جعفرِ طیار اور سیدنا عقیل اور سیدہ امِ ہانی رضی اللہ عنہم سیدہ زینب بنتِ جحشؓ کے ماموں زاد بھائی بہن تھے۔ حضرت زینبؓ کے خاندان کی یہ ساری تفاصیل اس لیے قارئین کی نذر کی گئیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ آپ کس قدر معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔

ولادت و پیدائش

ام المؤمنین حضرت زینبؓ کی پیدائش خاندانِ بنی اسد میں ہجرتِ نبوی سے تقریباً تیس سال پہلے ۵۹۰ء میں سرزمینِ مکۂ مکرمہ میں ہوئی اور وہیں پَروان چڑھی۔

قبولِ اسلام

جب ہادیٔ اعظم ﷺ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا اور اس کی صدائے بازگشت جحش کے فرزند عبداللہ کے کانوں سے ٹکرائی تو عبداللہ نے اس کو دل و جان کی گہرائی سے قبول کرلیا، اور رحمتِ دو عالم ﷺ کے دستِ بابرکت پر بیعت کر کے ''السابقون الاولون'' کے مقدس گروہ میں شامل ہوگئے، اور اتنا ہی نہیں؛ بلکہ عبداللہ کی دعوت وتبلیغ سے متاثر ہوکر ان کا پورا گھرانہ کفارِ مکّہ کی ایذارسانی کی پروا کیے بغیر دلوں میں جاں گزیں ہوجانے والی اسلامی صداقت وحقانیت اور اس کے گنجِ گراں مایہ سے بہرہ ور ہوگیا، جن میں حضرت زینبؓ پیش پیش رہیں۔

ہجرت

جب مکۂ معظّمہ میں نبیٔ کریم ﷺ کی دعوتِ اسلام کے اثرات پھیلنے لگے تو سردارانِ قریش غیظ وغضب سے آگ بگولا ہوگئے، نوآموزانِ اسلام کو طرح طرح کی

اذیتوں سے دوچار کرنے لگے، کسی کو آگ کے دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا، کسی کو تپتی ہوئی ریت پر برہنہ گھسیٹا گیا، کسی کے جسم کو اونٹوں سے باندھ کر انہیں مخالف سمت دوڑا کر چیر پھاڑ دیا گیا، غرضیکہ کوئی ایسی اذیت ناک تدبیر نہ تھی جو دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کو تڑپانے کے لیے اور اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے اختیار نہ کی ہو، اسلام سے منحرف کرنے کے لیے نت نئے طریقے آزمائے گئے، اور اس طرح مسلمانوں کا مکۂ مکرمہ میں جینا دوبھر کر دیا گیا، اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے آقا ﷺ نے وحیٔ الٰہی کے مطابق جاں نثاروں کو مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم فرما دیا۔

چناں چہ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سنہ ۱۳ نبوی میں بنو جحش کا خاندان بھی حضرت عبداللہؓ کی قیادت میں سوئے مدینہ رواں دواں ہوا، جس میں ابو احمد بن جحش، محمد بن عبد اللہ بن جحش، اُمّ المؤمنین زینب بنتِ جحش، مبلغِ اسلام حضرت مصعب بن عمیر کی اہلیہ حمنہ بنت جحش اور عبدالرحمٰن بن عوف کی زوجہ حبیبہ بنتِ جحش شامل تھیں۔ یہ قافلہ مدینہ پہنچ کر حضرت عاصم بن ثابت بن افلح انصاریؓ کے یہاں بہ حیثیتِ مہمان فروکش ہو گیا۔ پھر بعد میں حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور حضرت عاصمؓ کے مابین رشتۂ مواخات قائم کر دیا۔ حضرت زینبؓ رشتے کی قرابت کی بنا پر حضور ﷺ کی کفالت اور سرپرستی میں بھی رہی ہیں۔

صاحبِ ''اسد الغابہ'' کے بیان کے مطابق حضرت زینبؓ اگر اپنے بھائی حضرت عبداللہؓ کے ساتھ حبشہ کی ہجرت میں شریک رہی ہیں، تو پھر انہیں بھی دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہے، اس لیے کہ حضرت عبداللہؓ حبشہ سے مکّہ واپس آئے ہیں اور پھر مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی ہے۔

سیدہ زینب کا حضرت زیدؓ سے نکاح

۴ھ میں نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت زینبؓ کا نکاح اپنے آزاد کردہ اور منہ بولے

بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا، اور اس کے لیے ان کے پاس پیغام بھی بھیجا، جس پر اہلِ خاندان اور سیدہ زینبؓ نے بہ چند وجوہ یہ کہہ کر انکار کر دیا: ''یا رسول اللہ! میں زید کو اپنے لیے پسند نہیں کرتی؛ کیوں کہ نسب کے لحاظ سے میں اس سے بہتر ہوں''۔

سیدنا زید بن حارثہؓ

حضرت زید بن حارثہؓ ملکِ یمن کے ایک معزز قبیلہ ''بنو قضاعہ'' (بنو کلب) کے چشم و چراغ تھے، والدہ کی طرف سے ان کا تعلق ''بنو معن'' سے تھا جو عرب کے مشہور قبیلہ ''بنی طے'' کی ایک شاخ ہے، مگر ان پر غلامی کا بدنما داغ لگ چکا تھا، جس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں ان کی والدہ ''سُعدیٰ'' انہیں ساتھ لے کر اپنے میکے جا رہی تھیں کہ راستہ میں ''بنی قین بن جَسر'' کے ڈاکوؤں نے قافلے پر چھاپہ مارا، مال و متاع کے ساتھ سعدیٰ کے لختِ جگر ''زید'' کو بھی چھین لیا، اور غلام بنا کر مکّہ کے قریبی بازار ''سوقِ عُکاظ'' میں لے گئے۔ وہاں اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے دوسرے غلاموں کے ساتھ انہیں بھی چار سو درہم میں خرید لیا اور مکّہ آ کر ننھے زید کو اپنی پھوپھی کی نذر کر دیا۔ جب حضور ﷺ کا حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہوا اور آپ ﷺ نے زید کو ان کے یہاں دیکھا تو اس پندرہ سالہ نوجوان لڑکے کے اطوار و خصائل اور طور و طریق کو دیکھ کر حضرت خدیجہؓ سے مانگ لیا۔

ادھر حضرت زیدؓ کے والد حارثہ کا اپنے لختِ جگر کے فراق میں بُرا حال تھا، ان کی تلاش میں سرگرداں اور پریشان رہتے تھے، یہاں تک کہ ان کو یہ خبر ملی کہ ان کا لختِ جگر سرزمینِ مکّہ میں ہے، تو فرطِ مسرّت سے ان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ حارثہ اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شراحیل کو ہمراہ لے کر مکّہ کی طرف چل کھڑے ہوئے اور منزل پر منزل مارتے حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں جا پہنچے، اور بہ صد منّت و لجاجت عرض کی کہ: آپ جتنا زرِ فدیہ لینا چاہیں لے لیں؛ مگر ہمارے فرزند کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: زید کو میری طرف سے اختیار ہے، اگر وہ بہ خوشی تمہارے ساتھ جانا چاہے تو بلاعوض و بدون زرِ فدیہ کے جاسکتا ہے۔ یہ سن کر دونوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، پھر آپ ﷺ نے زید کو بلا کر یہ اختیار دیا کہ چاہو تو تم میرے ساتھ رہو یا چاہو تو اپنے والد کے ساتھ چلے جاؤ۔

ادھر آتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ جاتا ہے

حضرت زید کو سرورِ کونین ﷺ کی غلامی میں جو لطف و کرم، شفقت و محبت اور پیار ملا تھا اس پر ہزاروں آزادیاں بھی نثار تھیں، جھٹ سے بولے: میں ایسا نہیں جو حضور پر کسی اور کو ترجیح دوں، میں آپ کے درِ اقدس کو چھوڑ کر کہیں اور جانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

لاکھ آزادیاں اک تیری غلامی پہ نثار

زید کی اس مخلصانہ وفا شعاری نے ان کے باپ اور چچا کو سراپا حیرت بنا ڈالا، تعجب سے بولے: افسوس! تم آزادی، ماں باپ اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو؟ زید نے کہا: ہاں! مجھے اِس ذات میں کچھ ایسے محاسن نظر آئے ہیں جس کے سبب میں ان پر کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

زید نے اپنی غیر متزلزل وفا شعاری سے آقائے دو جہاں ﷺ کے دل میں دبی ہوئی محبت کی چنگاری کو مشتعل کردیا، چناں چہ حضور ﷺ فوراً ان کا ہاتھ پکڑ کر حرمِ کعبہ میں تشریف لے گئے اور مقامِ حجر کے پاس زید کا ہاتھ تھام کر اعلان فرمایا: زید آج سے میرا بیٹا ہے، میں اس کا وارث ہوں گا اور وہ میرا وارث ہوگا۔ اس اعلان کے بعد زید ''زید بن محمدؐ'' کے نام سے زبان زدِ خاص و عام ہوگئے، ادھر زید کے باپ اور چچا، زید کو لطف و کرم کی شاداب بہاروں میں خوش و خرّم دیکھ کر خوشی خوشی اپنے وطن واپس چلے گئے۔

یہ واقعہ حضور ﷺ کے اعلانِ نبوت سے قبل پیش آیا تھا۔ پھر جب حضرت زیدؓ نکاح کی عمر کو پہنچے تو حضور ﷺ نے ان کا نکاح اپنی باندی ''برکہ'' کے ساتھ کرادیا، جن کی کنیت

"امِ ایمن" ہے، انہوں نے حضور ﷺ کی بچپن میں پرورش کی تھیں، ابتدائی دور میں ہی دامنِ اسلام سے وابستہ ہوچکی تھیں، حضور ﷺ ان کی بڑی قدرومنزلت فرماتے تھے، حضرت زیدؓ کے صاحبزادے اور جلیل القدر صحابی حضرت اسامہ بن زید کی والدہ ماجدہ یہی امِ ایمن ہیں۔ (تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں: بیس جنتی صحابہ، از: ص: ۳۵۱ تا ص: ۳۹۰، ناشر: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل)

حضرت امِ ایمنؓ حضرت زید کے نکاح میں تھیں کہ آں حضرت ﷺ نے ان کا دوسرا نکاح سیدہ زینب بنتِ جحشؓ سے کرانا چاہا اور اس کے لیے سیدہ کے پاس پیغامِ نکاح بھجوایا، جس پر انہوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

سیدہ زینبؓ کے زید سے نکاح کو ناپسند کرنے کا سبب

سیدہ اور ان کے خاندان والوں کا موقف یہ تھا کہ ایک اونچے خاندان کی شریف زادی کا نکاح ایک آزادشدہ غلام کے ساتھ کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے۔

کیوں کہ عرب بالخصوص قبیلۂ قریش کی ایک معزز خاتون کسی غلام کے حبالۂ عقد میں ہو یہ ان کے لیے نہایت عار کی بات سمجھی جاتی تھی؛ مگر چوں کہ اس کی بنیاد جہالت وضلالت پر تھی، جس کی بیخ کنی ضروری تھی، اور ضروری کیوں نہ ہو! جب کہ حضور ﷺ کی بعثت ہی لوگوں کو کفر وشرک کی ضلالت وگمراہی اور جہالت کی تاریک ترین گھاٹیوں سے نکال کر صراطِ مستقیم کی شاہراہ پر گامزن کرنا اور علم کی روشنی سے روشناس کرانا تھا، اور اس حقیقت کو آشکارا کرنا تھا کہ خاندانی اور نسبی شرافت کا ہدایت سے کوئی تعلق نہیں؛ بلکہ یہ نری جہالت وگمراہی ہے کہ خاندان اور نسبی تعلّق کو بڑائی اور شرافت کا معیار قرار دیا جائے، اسلام میں تو عظمت وشرافت کا معیار صرف اور صرف تقویٰ ہے، ارشادِ خداوندی ہے: ﴿إن أكرمكم عند الله أتقاكم﴾ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے مکرم وہ ہیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضور ﷺ نے زمانۂ جاہلیت کی اونچ نیچ کی رسم اور غلط رواج کو عملاً ختم کرنے کے لیے سیدہ زینبؓ کے یہاں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رشتہ بھیجا، مگر زمانۂ دراز سے چلی آرہی اونچ نیچ کی رسمِ بد دلوں میں اس قدر پیوست ہو چکی تھی کہ سیدہ زینب اور ان کے گھر والوں نے رشتہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر خداوندِ قدوس نے ان کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضللا مبينا﴾ (الاحزاب: ۳۶) ترجمہ: اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مؤمن مرد کے لیے یہ گنجائش ہے نہ کسی عورت کے لیے کہ ان کے اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔ (آسان ترجمۂ قرآن از مفتی تقی عثمانی)

حضرت زیدؓ سے نکاح، مہر اور خانہ آبادی

پھر کیا تھا: اس ارشادِ خداوندی کو سنتے ہی سیدہ زینب اور ان کے اہلِ خانہ نے اطاعت کے لیے سرِ تسلیم خم کر دیا، چناں چہ حضور ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سیدہ زینبؓ سے نکاح کر دیا، اور مہر میں دس دینار، ساٹھ درہم، ایک بار برداری کا جانور، چار زنانہ کپڑے، پچاس مد غلّہ اور تیس صاع کھجور متعین ہوا، جسے خود حضور ﷺ نے اپنی جیبِ خاص سے ادا فرمایا۔ اس سے پہلے حضرت زیدؓ خاندانِ نبوت کے ایک فرد کی حیثیت سے آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، اب حضور ﷺ نے انہیں علاحدہ مکان میں بسایا اور خانہ داری کے لیے ضروری اسباب بھی مہیا فرمائے۔

جمہور مفسرین نے آیتِ مذکورہ کا شانِ نزول حضرت زینب بنتِ جحشؓ کے واقعہ ہی کو قرار دیا ہے جب کہ بعض مفسرین نے اور واقعے بھی ذکر کیے ہیں، ممکن ہے کہ متعدد واقعے پیش آئے ہوں، اور ان سب کے بارے میں آیت کا نزول ہوا ہو۔ اور یہ بھی

ممکن ہے کہ آیتِ کریمہ کا نزول اصلاً حضرت زینبؓ کے بارے میں ہی ہوا ہو اور پھر اسی جیسا واقعہ پیش آنے پر انکار کرنے والوں کے سامنے آیت کو پیش کرکے ان کے انکار کی غلطی کو واضح کیا گیا ہو، واللہ اعلم۔

حضرت زیدؓ کا سیدہ زینبؓ کو طلاق دینا

حضرت زینبؓ تقریباً ایک سال تک حضرت زیدؓ کے نکاح میں رہیں؛ لیکن خاندانی ونسبی عدمِ توازن اور طبائع کی ناموافقت کے سبب میاں بیوی میں نباہ نہ ہوسکا، میاں بیوی کے مابین جس قسم کی موانست وموافقت ہونی چاہیے وہ مفقود رہی، جس کی اصل وجہ یہ تھی کہ سیدہ زینبؓ کے مزاج میں حِدّت وتیزی تھی، جسے حضرت زیدؓ برداشت نہ کرسکے، اس کی وجہ سے گھریلو ماحول میں دن بہ دن تلخیاں بڑھتی ہی جارہی تھیں، جو عزت ووقار اور سکون واطمینان ہر خاوند اپنی رفیقۂ حیات سے چاہتا ہے وہ حضرت زیدؓ کو گھر میں میسر نہ تھی، اس صورتِ حال سے دل برداشتہ ہوکر حضرت زیدؓ نے بارہا دربارِ نبوت میں حضرت زینبؓ کی تنگ مزاجی وترش روئی کی شکایت کی، یہاں تک کہ ان کو طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا، اس پر حضور ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور صبر وتحمل اور بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین فرمائی اور فرمایا: ﴿امسك عليك زوجك واتق الله﴾ ترجمہ: اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر تک نہ چل سکا، آخرکار میاں بیوی کی شکررنجیاں رنگ لاکر رہیں۔ کوئی تلقین، کوئی نصیحت اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، اور کوئی چیز ان کے دل کو جوڑ نہ سکی، بالآخر حضرت زیدؓ نے شادی کے ایک سال بعد ۵ھ میں حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔

متبنّٰی کی حقیقت اور حضور ﷺ کا سیدہ زینبؓ سے ارادۂ نکاح

طلاق کے اس واقعہ نے اللہ کے نبی کو سخت رنجیدہ کیا؛ کیوں کہ آپ ﷺ نے ہی

زور دے کر یہ رشتہ کروایا تھا، اور دوسری طرف سیدہ زینبؓ کے خاندان والوں کو بھی غم واضطراب سے دوچار ہونا پڑا۔ جن دنوں حضرت زیدؓ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا سوچ رہے تھے ان ہی دنوں عالمِ بالا سے حضور ﷺ کو اشارہ مل رہا تھا کہ اس طلاق کے بعد آپ کو حضرت زینبؓ سے نکاح کرنا ہوگا؛ تاکہ تبنّیت (گود لینے) کی قدیم جاہلانہ رسم پر ایسی کاری ضرب لگے جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ اس غیر حقیقت پسندانہ رواج کے زہریلے اور شر انگیز اثرات سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔ سیدہ زینبؓ اور ان کے خاندان کے افراد جو اس وقت غم واضطراب سے دوچار تھے ان کی دلجوئی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ آپ ﷺ خود آگے بڑھ کر حضرت زینبؓ کو اپنے حرم میں داخل فرما لیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو رازدارانہ انداز میں بتا بھی دیا تھا کہ زینبؓ آپ کی بیوی بنے گی؛ لیکن زمانۂ جاہلیت میں منہ بولے بیٹے کی حیثیت حقیقی بیٹے کی طرح ہی سمجھی جاتی تھی، وہ وراثت بھی پاتا تھا اور اس کی بیوی منہ بولے باپ پر حرام سمجھی جاتی تھی اور ابھی تک اسلام میں اس رسمِ بد کی تردید میں کوئی حکمِ صریح نہیں آیا تھا، اس لیے آپ ﷺ اس سلسلے میں قدم اٹھاتے ہوئے جھجک رہے تھے کہ کہیں یہود ومنافقین اور مشرکین طعنہ زنی اور فتنہ انگیزی نہ کردیں، چنانچہ باری تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کی اس ذہنی کشمکش اور تردّد کو ختم کرنے کے لیے صراحتاً یہ حکم نازل فرمایا:

﴿وإذ تقول للذي أنعم الله عليه وأنعمت عليه أمسك عليك زوجك واتق الله وتخفي في نفسك ما الله مبديه وتخشى الناس والله أحق أن تخشاه، فلما قضى زيد منها وطرا زوجنٰكها لكي لايكون على المؤمنين حرج في أزواج أدعيائهم إذا قضوا منهن وطرا وكان أمر الله مفعولا﴾.

ترجمہ: اور اے پیغمبر! یاد کرو جب تم اس شخص سے جس پر اللہ نے بھی احسان کیا تھا، اور تم نے بھی احسان کیا تھا یہ کہہ رہے تھے کہ: اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو،

اور اللہ سے ڈرو۔ اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھول دینے والا تھا، اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے، حالاں کہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زید نے اپنی بیوی سے تعلق ختم کرلیا تو ہم نے اس سے تمہارا نکاح کرادیا، تاکہ مسلمانوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح کرنے) میں اس وقت کوئی تنگی نہ رہے، جب انہوں نے اپنی بیویوں سے تعلق ختم کرلیا ہو، اور اللہ نے جو حکم دیا تھا اس پر عمل ہو کر ہی رہنا تھا۔ (سورۂ احزاب: ۳۷، آسان ترجمۂ قرآن)

حضرت زینبؓ حرمِ نبوی میں

چناں چہ جب سیدہ زینبؓ عدت گزار چکی تو آپ ﷺ نے انہیں اپنی طرف سے پیغامِ نکاح بھیجنے کا ارادہ کیا اور یہ خدمت حضرت زیدؓ ہی کے سپرد فرمائی۔ یاد رہے کہ اُس وقت تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ صحیح مسلم اور مسندِ امام احمد میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینبؓ کی عدت پوری ہوگئی تو نبی کریم ﷺ نے زید بن حارثہؓ کے ذریعہ اپنے لیے نکاح کا پیغام بھیجا، وہ تعمیلِ حکم کے لیے حضرت زینبؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ خود حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ: جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ زینب آٹا گوندھ رہی ہیں۔

طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: جب میں نے انہیں دیکھا تو ان کی ذات کے متعلق میرے دل میں احترام کے جذبات موجزن ہوگئے؛ کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ حضور ﷺ ان سے نکاح کرنے والے ہیں۔ احترام وعقیدت کے ان ہی جذبات کے تحت میں انہیں نظر بھر کر نہ دیکھ سکا، میں اپنی ایڑیوں کے بل مڑ گیا اور ان کی طرف پیٹھ کرکے نہایت ادب سے کہا: زینب! تمھیں بشارت ہو کہ رسول اللہ ﷺ تمہارا ذکر فرماتے ہیں اور نکاح کا پیغام دیتے ہیں۔ یہ سن کر وہ بولیں: میں اُس وقت تک کچھ نہ کہوں گی جب تک استخارے کے ذریعے اپنے رب سے مشورہ نہ کرلوں۔ یہ

کہہ کر وہ مصلّے پر کھڑی ہو گئیں اور نماز پڑھنے لگیں۔

وہ ابھی حالتِ نماز ہی میں تھی کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کر دی اور رسولِ اقدس ﷺ کو پیغام دے دیا کہ ہم نے تمہاری شادی زینب کے ساتھ آسمانوں پر کر دی ہے۔

علما نے اس پر یہ نکتہ لکھا ہے کہ: حضورِ انور ﷺ کے پیغامِ نکاح کے سلسلے میں کسی انسان سے مشورہ کرنے کے بجائے چوں کہ انہوں نے بہ راہِ راست اللہ تعالیٰ سے مشورہ طلب کیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ اعزاز بخشا کہ اپنی ولایتِ خاصہ سے آسمان پر ملائکہ کی موجودگی میں ان کا نکاح سرکارِ دو عالم ﷺ سے کر دیا۔

حضرت زیدؓ سے پیغام بھجوانے کا فائدہ

حضرت زیدؓ کے ذریعے پیغام بھجوانے میں دوسری بہت سی حکمتوں کے ساتھ اس بات کی تعلیم دینا بھی مقصود تھا کہ طلاق کو آپس کی دشمنی کا سبب نہیں بننے دینا چاہیے، کیوں کہ جس طرح آپس میں نکاح سے پہلے ایمانی اور اسلامی تعلق موجود تھا، اسی طرح طلاق کے بعد بھی وہ موجود ہے، اور ہر مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کے ادب واحترام کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، نیز اس میں حضرت زیدؓ کی عظمت کا بھی بیان ہے کہ وہ آپ ﷺ کے نزدیک نہایت باعظمت اور قابلِ اعتماد تھے۔

بشارت پر سیدہ زینبؓ کا اظہارِ تشکر

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: جب سیدہ زینبؓ کو مذکورہ بالا آیت کے نزول کی اطلاع ہوئی تو وہ جذباتِ تشکّر وامتنان سے سرشار ہو کر اپنے مولائے حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئیں۔

حضرت یحییٰ بن حبان کہتے ہیں کہ: یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ کی خادمہ سلمیٰ دوڑتی ہوئی سیدہ زینبؓ کے پاس آئی اور یہ بشارت کہہ سنائی، اس پر سیدہ نے خوش ہو کر

بہ طورِ انعام اسے اپنے بازو بند عنایت کردیے۔

حضرت زینبؓ کے حقیقی بھتیجے محمد بن عبداللہ بن جحش اپنی پھوپھی کا بیان نقل فرماتے ہیں کہ: جب نکاح کی بشارت لے کر قاصد میرے پاس آیا تو میں نے دو ماہ کے روزوں کی نذر مانی جو میں نے ان ایام میں رکھے جب حضور ﷺ سفر میں ہوتے اور میں گھر پر ہی مقیم ہوتی۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ سیدہ کا نکاح حضور ﷺ سے ان کے بھائی ابواحمد نے کیا تھا۔ ممکن ہے کہ بعد میں زمینی سطح پر بہ طورِ اعلانیہ یہ بھی ہوا ہو، مگر اصل بات یہی ہے کہ یہ نکاح آسمان پر ہوا ہے اور خداوندِ قدوس نے کیا، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں گذر چکا۔

نیز حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ جب وحی کا نزول ہو چکا تو آپ مسکراتے ہوئے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کون ہے جو جا کر زینب کو بشارت سنائے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وإذ تقول للذي أنعم الله عليه وأنعمت عليه أمسك عليك زوجك واتق الله إلخ﴾.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: جب حضور ﷺ یہ آیتیں تلاوت فرما چکے تو مجھ کو یہ خیال آیا کہ زینب میں جمال تو تھا ہی اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں گی کہ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا۔ چناں چہ نزولِ آیت کے بعد آسمان پر نکاح ہوجانے کے باعث حضور ﷺ بلا اذن حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے۔

ایک غلط روایت کی تردید

حضرت زینبؓ کے نکاح کا شانِ ورود محققین کے نزدیک اسی طرح ہے جس طرح ما قبل میں مذکور ہے؛ لیکن طبقات ابنِ سعد میں محمد بن یحییٰ بن حبّان کی روایت ہے کہ زید بن حارثہ کو زید بن محمد بھی کہا جاتا تھا، نبیٔ کریم ﷺ کو ان سے اتنی محبت تھی کہ جب یہ ذرا

سی دیر کے لیے نظروں سے اوجھل ہو جاتے تو آپ فرماتے کہ: زید کہاں ہے؟ اور ان کو تلاش کرنا شروع کر دیتے، پس اسی طرح ایک مرتبہ ان کو تلاش کرتے ہوئے ان کے گھر تشریف لے گئے؛ لیکن ان کو نہ پایا، البتہ ان کی زوجہ زینب بنت جحشؓ آپ ﷺ کو دیکھ کر گھریلو کپڑوں میں آپ کے استقبال کے لیے کھڑی ہوگئی۔ لیکن آپ ﷺ نے ان سے اعراض کیا، انہوں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! وہ یہاں نہیں ہے؛ لیکن میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ اندر تشریف لائیں، مگر آپ ﷺ نے انکار فرمادیا۔

اصل میں جب حضرت زینبؓ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ دروازے پر ہیں تو وہ بغیر کپڑے تبدیل کیے گھریلو لباس میں ہی یعنی کام کاج کے لباس میں تیزی کے ساتھ سامنے آ گئیں، اس وقت وہ آپ ﷺ کو اچھی معلوم ہوئیں، اس لیے حضور ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا اور آہستہ سے کچھ کلمات پڑھے جو سمجھ میں نہیں آ رہے تھے، اگر زور سے پڑھتے تو سمجھ میں آ جاتے؛ لیکن کچھ کلمات سن لیے گئے کہ آپ کچھ پڑھ رہے تھے:

"سبحان الله العظيم، سبحان مصرف القلوب".

جب حضرت زیدؓ اپنے گھر آئے تو ان کی اہلیہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ یہاں تشریف لائے تھے، حضرت زیدؓ نے پوچھا کہ: کیا انہیں اندر نہیں بٹھایا؟ سیدہؓ نے کہا: میں نے درخواست کی تھی؛ لیکن آپ نے انکار فرما دیا، حضرت زیدؓ نے پوچھا کہ: کیا رسول اللہ ﷺ سے تم نے کچھ سنا؟ اہلیہ نے کہا: پشت پھیرتے وقت کچھ پڑھا تھا؛ لیکن میں سمجھ نہ سکی، البتہ یہ کلمات میں نے سنے:

"سبحان الله العظيم، سبحان مصرف القلوب".

اس کے بعد حضرت زیدؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: یارسول اللہ! مجھے خبر ملی ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لائے تھے؛ لیکن آپ اندر کیوں نہیں آئے؟ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، شاید زینب آپ کو

اچھی لگی ہے، پس میں ان کو اپنے سے جدا کر دوں گا؛ لیکن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اپنی اہلیہ کو اپنے پاس ہی روک کر رکھو؛ لیکن اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی اہلیہ کی طرف کوئی رغبت نہ رہی، اس کے بعد جب بھی زید کہتے کہ: میں ان کو جدا کر دوں گا، آپ ﷺ یہی ارشاد فرماتے کہ: نہیں؛ بلکہ اپنی اہلیہ کو روک کر رکھو۔

مذکورہ بالا روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ اپنی کتاب ''سیرتِ مصطفیٰ'' میں لکھتے ہیں کہ: یہ قصہ منافقین کا کذب وافترا ہے، اہلِ ایمان کو اس پر ہرگز ہرگز یقین نہ کرنا چاہیے۔ یہ قصہ ملاحدہ اور زنادقہ کے مفتریات اور مخترعات میں سے ہے، جس کی نہ کوئی سند ہے اور نہ کوئی اصل، جمہور مفسّرین نے اس قصہ کا موضوع، کذب اور افترا ہونا بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں کہ یہ قصہ بالکل بے اصل و بے سند ہے، خلافِ عقل بھی ہے؛ اس لیے کہ زینبؓ آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں، لڑکپن سے آپ کے سامنے رہیں اور بارہا آپ نے ان کو دیکھا تھا، آپ سے کوئی پردہ نہ تھا اور نہ پردہ کا حکم اب تک نازل ہوا تھا، حضرت زینبؓ شادی کے بعد بھی آپ سے پردہ نہیں کرتی تھیں اور آپ کے سامنے آتی تھیں تو کیا آں حضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ کو زیدؓ سے نکاح کے بعد ہی پہلی بار دیکھا تھا اور اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، اگر آپ کو ان کا حسن و جمال پسند تھا تو پہلے ہی زید سے کیوں نکاح کرنے دیا، جس پر خود زینبؓ اور ان کے ورثا اور اولیا بہ مشکل راضی ہوئے، آپ نے خود ہی کیوں نہ ان سے نکاح کر لیا جب کہ ان کے اعزہ واقارب آپ ﷺ سے نکاح کو بڑی خوشی کے ساتھ منظور کرتے، معلوم ہوا کہ یہ واقعہ عقلاً ونقلاً ہر دو اعتبار سے بے اصل ہے۔

شاندار ولیمہ

سیدہ زینبؓ کا نکاح خود خداوندِ قدوس نے اپنی ولایتِ خاص سے کیا اور اس کے متعلق اپنی سب سے مقدس کتاب قرآنِ پاک میں آیات نازل فرمائیں، پھر یہ کہ اس

نکاح کے ذریعہ دسیوں رسومِ جاہلیت کا ابطال ہوا، اور متعدد مسائل کی وضاحت ہوئی، اس لیے اس نکاح کی اپنی خصوصی شان ہوئی، لہٰذا آپ ﷺ نے اس کی خصوصی شان کا اظہار اس طرح فرمایا کہ: دعوتِ ولیمہ کے لیے غایت درجہ اہتمام کیا، جس کا بیان امام بخاری ومسلم نے اپنی صحیحین میں حضرت انسؓ کے حوالے سے کیا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت زینبؓ کی شادی پر ایسا شاندار ولیمہ کیا کہ ہم نے کسی دوسری زوجہ کی شادی پر نہ دیکھا، حضرت انسؓ کے شاگرد ثابت نے پوچھا: اس ولیمہ میں کیا پیش کیا گیا تھا؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: نبیٔ کریم ﷺ نے اس ولیمہ میں ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت اور روٹی پیش کی تھی، کھانا اس کثرت سے میسّر تھا کہ لوگ باقی چھوڑ کر چلے گئے۔

اس ولیمہ کے متعلق علاّمہ ابنِ سعد نے ''طبقات'' میں حضرت انسؓ کی تفصیلی روایت نقل کی ہے: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: میری والدہ امِّ سلیم نے کچھ کھجوریں، گھی اور پنیر لیا اور سب چیزوں کو پتھر کی ایک ہانڈی میں ڈال کر مالیدہ تیار کر کے ایک تھالی میں بھر دیا، ان کے خیال میں وہ آپ ﷺ اور آپ کی دُلہن کے لیے کافی تھا۔ میں اسے لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے رکھ دو، اور ابوبکر، عمر، عثمان وعلی اور دوسرے چند لوگوں کو بلا لاؤ۔ مجھے حیرت ہوئی کہ کھانا تو تھوڑا سا ہے اور حضور نے اتنے سارے آدمیوں کو دعوت دے دی ہے! میں تعمیلِ حکم کی خاطر سب کو جا کر بلا لایا، پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ: دیکھو! اگر مسجد میں کوئی موجود ہو تو اسے بھی بلا لاؤ، چناں چہ میں مسجد میں گیا، سب نمازیوں اور سونے والوں کو لے آیا، یہاں تک کہ گھر لوگوں سے بھر گیا، حضور ﷺ نے پوچھا: مسجد میں کوئی باقی تو نہیں رہا؟ میں نے عرض کیا: نہیں، اس کے بعد فرمایا کہ: جو راستے میں ہو اسے بھی لے آؤ، چناں چہ میں راہ چلتوں کو بھی لے آیا، اب حجرہ کھچا کھچ بھر گیا۔

اس کے بعد آپ نے مالیدہ کا برتن اٹھالانے کو کہا: میں نے اسے آپ کے سامنے رکھ دیا، آپ نے اس پر اپنی تین انگلیاں رکھیں، اسے دبایا، کلامِ پاک میں سے کچھ پڑھا اور لوگوں سے کہا: بسم اللہ پڑھ کے کھاؤ، میں نے مالیدہ کو دیکھا کہ وہ چشمہ کے پانی کی طرح ابل رہا تھا۔ گھر اور حجرے میں موجود تمام لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھایا؛ لیکن برتن اتنا ہی بھرا ہوا تھا جتنا میں لے کر آیا تھا، اس کے بعد مالیدہ کا یہ برتن میں نے امّ المؤمنین کے سامنے رکھ دیا۔ اور یہ حیرت انگیز واقعہ اپنی ماں کو سنانے کے لیے گھر چلا گیا، وہ سن کر بولیں: بیٹا! تعجب نہ کرو، اگر حضور مدینے کے تمام لوگوں کو بھی کھلانا چاہتے تو ان کے لیے بھی یہ کھانا کافی ہو جاتا۔

کسی نے حضرت انسؓ سے پوچھا: تمہارے خیال میں کھانے والوں کی تعداد کتنی تھی؟ تو حضرت انسؓ نے فرمایا: مجھے اکہتر آدمیوں کا تو یقین ہے اور بہترویں آدمی کا شبہ ہے۔ دوسری روایت میں تین سو افراد کا بھی ذکر ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب لوگ آ گئے تو آپ کا حجرۂ مبارک اور چبوترہ سب جگہیں لوگوں سے بھر گئیں، حضور ﷺ نے فرمایا: دس دس افراد کا حلقہ بنالیں، اور ہر آدمی اپنے آگے سے کھانا کھائے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: سب نے خوب سیر ہو کر کھایا، ترتیب وار دس دس آدمی آتے اور کھا کر چلے جاتے، سلسلہ اسی طرح چلتا رہا حتی کہ سب نے کھانا کھالیا، پھر حضور ﷺ نے فرمایا: اے انس! یہ کھانا اٹھالو۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ: معلوم نہیں جب میں نے کھانا رکھا تھا اس وقت زیادہ تھا یا جب اٹھایا اس وقت زیادہ تھا۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہر شادی کے موقع پر ولیمے کی دعوت کا اہتمام کیا، لیکن یہ اہتمام اس وقت کے حالات کے مطابق تھا، اُس وقت اقتصادی حالات بہتر تھے، اسی لیے ولیمے کے موقع پر بکری ذبح کی گئی۔

منافقوں کا اعتراض اور اس کا جواب

حضور ﷺ کے ساتھ سیدہ زینبؓ کی یہ شادی ہوئی کہ آپ ﷺ کے خلاف طعنہ زنی اور زہریلے پروپیگنڈے کا ایک طوفان امنڈ پڑا، اعتراضات کی بوچھاریں شروع ہوگئیں اور جگہ جگہ بد باطن منافقین نے یہ ہوائیاں اڑانی شروع کردی کہ دیکھو! ہمیں تو منع کیا جاتا ہے کہ اپنے بیٹوں کی مطلّقہ بیویوں سے نکاح نہ کرو اور خود اپنے بیٹے زید کی مطلّقہ بیوی سے نکاح کرلیا۔ چوں کہ حضور ﷺ نے سیدہ زینبؓ سے یہ نکاح اپنی پسند اور اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا؛ بلکہ یہ نکاح خدائے عز وجل نے اپنی مثبت اور وسیع ہمہ گیر حکمت کے تحت کیا تھا، اس لیے اس پر وارد ہونے والے تمام اعتراضات کے مدلل اور مسکت جوابات دینے کا کام بھی اس نے اپنے ذمے لیا، اور یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ اس سلسلے میں جو پیرایہ اختیار کیا گیا وہ اپنی جامعیت و مانعیت، اپنے ایجاز واختصار اور اپنی فصاحت وبلاغت میں اعجاز کی تمام بلندیوں سے بھی ماورا ہے، اور یہی اس کے کلامِ الٰہی ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

چناں چہ ان بد باطنوں کے جواب میں سلسلۂ وحی پھر سے حرکت میں آیا، عرشِ بریں سے آیتیں لے کر جبرئیلؑ زمین پر اترے اور خداوندِ قدوس کا دوٹوک جواب سنایا جس سے مشرکین کی بولتی بند ہوگئی،

﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شيء عليما﴾.

مسلمانو! محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں؛ لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں، اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے۔ (سورۂ احزاب: ۴۰، آسان ترجمۂ قرآن)

نکاح کے فوائد

ام المؤمنین حضرت زینبؓ کے اس نکاح پر اگر غور وفکر کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس نکاح کے نتیجے میں دور رس اخلاقی اور معاشرتی اصلاحات عمل میں آئیں، جن کی برکت سے بلکتی اور سسکتی انسانیت کو حسنِ سلوک اور فلاح وسلامتی کی ضمانت حاصل ہوئی، چناں چہ ان کی ذاتِ بابرکت جن انقلابی اور تاریخ ساز اصلاحات کی موجب بنی وہ کچھ اس طرح ہیں:

انسانی مساوات کا عملی پیغام

عہدِ جاہلیت میں عرب معاشرہ ہی نہیں؛ بلکہ ہر ملک کی سوسائٹی آزاد شدہ غلام کو ایک آزاد شخص کے برابر قانونی اور معاشرتی مقام ومرتبہ دینے کے لیے تیار نہ تھی، ایک آزاد شدہ غلام اپنی بے پناہ ذہنی، اخلاقی اور جسمانی صلاحیتوں کے باوجود اُس انسانی اور معاشرتی عزّ وشرف سے محروم تھا جو ایک آزاد انسان کے لیے مخصوص تھا۔ رسولِ خدا ﷺ نے سیدہ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ کے ساتھ کر کے اس غیر انسانی اور غیر اخلاقی جاہلانہ تصور کا قلع قمع کر دیا۔ اسی انسانی مساوات کا نتیجہ تھا کہ بعد کے ادوار میں ان ہی آزاد کردہ غلاموں نے علم وعمل کی خاموش فضاؤں سے لے کر معرکۂ کارزار کے ہنگاموں تک قائدانہ کردار ادا کیا، جس کے نقوش آج تک تاریخ کے سینے پر ثبت ہیں۔

تبنّیت کی غیر فطری رسم کی تنسیخ

کسی گود لیے ہوئے بچے کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا کر اسے حقیقی بیٹے کا درجہ دینے کی رسم دنیا کے ہر ملک اور ہر معاشرے میں موجود تھی، اس غیر فطری رسم کی کوکھ سے بے شمار

معاشرتی روگ اور بے پناہ اخلاقی مفاسد جنم لے رہے تھے، جس کے نتیجے میں ناانصافیوں، حق تلفیوں، بے راہ رویوں اور بے اعتدالیوں کا ہر سو دور دورہ تھا؛ لیکن یہ رسم اتنی قدیم اور اس کا تقدّس دل ودماغ میں اتنا راسخ اور پختہ ہو چکا تھا کہ اس کے خلاف آواز اٹھانا اور اسے ختم کرنے کے لیے عملی اقدامات کرنا کسی مصلح کے بس کی بات نہ تھی؛ لیکن حضور ﷺ نے سیدہ زینبؓ سے نکاح کر کے اس قدیم تصوّر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور اس طرح انسانیت کو ظلم و بے انصافی کے دلدل سے نکال کر اس کے لیے حق وانصاف کی راہیں کشادہ کر دیں۔

نزولِ حجاب

حضرت زینبؓ ہی کی دعوتِ ولیمہ کے موقع پر پردہ کا حکم بھی نازل ہوا، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: پردے کا حکم کب اور کیوں نازل ہوا اس کا علم سب سے زیادہ مجھے حاصل ہے: حضور ﷺ نے جب حضرت زینبؓ سے نکاح کے بعد ان کے ہمراہ رات گزاری اور پھر بہ وقتِ صبح ولیمہ کی دعوت کی، جس میں آپ ﷺ نے بہت سے اصحاب کو مدعو کیا، اور مکان کے ایک گوشے میں حضرت زینبؓ بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کا منہ دیوار کی طرف تھا، چناں چہ جو لوگ مدعو کیے گئے تھے وہ آئے اور کھانا کھانے کے بعد واپس چلے گئے؛ لیکن چند آدمی (جن کی تعداد غالباً تین تھی) باتوں میں مشغول رہے اور کافی دیر تک اسی مشغلہ میں لگے رہے، آپ ﷺ کی چاہت تھی کہ یہ لوگ بھی چلے جائیں؛ لیکن فطری حیا کی وجہ سے صراحتاً ان سے کچھ نہ کہہ سکے، البتہ ان کو متنبّہ کرنے کے لیے آپ نے یہ عمل کیا کہ بہ ذاتِ خود وہاں سے اٹھ کر باہر چلے گئے، چناں چہ میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ ہولیا۔ آپ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے کی چوکھٹ تک گئے، پھر یہ سمجھ کر واپس ہوگئے کہ وہ لوگ چلے گئے

ہوں گے، میں بھی آپ کے ساتھ واپس ہو گیا۔ مگر جب حجرے کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ لوگ ابھی تک بیٹھے باتیں کر رہے ہیں تو آپ پھر واپس ہو گئے، حالیکہ میں بھی آپ کے ساتھ تھا، یہاں تک کہ پھر حضرت عائشہؓ کے حجرے کی چوکھٹ تک گئے اور یہ خیال فرما کر پھر واپس آئے کہ اب کی بار وہ چلے گئے ہوں گے، میں اُس وقت بھی آپ کے ہمراہ تھا، اب کی بار واقعتاً وہ لوگ چلے گئے تھے، اس کے بعد آپ ﷺ حجرے میں داخل ہوئے اور میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا۔

بخاری شریف کی روایت میں یہ تفصیل بھی مذکور ہے کہ: جب تمام لوگ کھا کر چلے گئے اور تین آدمی بیٹھے رہ گئے تو آپ اٹھے اور حضرت عائشہؓ کے حجرے کے پاس جا کر ان کو سلام کیا، انہوں نے جواب دیا اور پوچھا کہ: آپ نے اپنے نئے اہل کو کیسا پایا؟ اور ساتھ ہی دعائے برکت دیتے ہوئے کہا: "بارك الله لك" پھر یکے بعد دیگرے تمام ازواج کے حجرے کے پاس جا کر انہیں سلام کیا، اور ہر ایک نے سلام کے جواب کے ساتھ نئی زوجہ کے متعلق برکت کی دعا دی۔

اس کے بعد واپس حضور ﷺ اپنے حجرے کے طرف لوٹے؛ لیکن اب بھی وہ لوگ گھر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، مگر نبیٔ کریم ﷺ نہایت شرمیلے مزاج کے تھے، اس لیے صراحتاً کہہ نہ سکے اور چلتے ہوئے حضرت عائشہؓ کے حجرے کی طرف چلے گئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: مجھے یاد نہیں کہ میں نے حضور کو اطلاع دی یا کسی اور نے کہ وہ لوگ چلے گئے، چناں چہ حضور ﷺ واپس لوٹے؛ یہاں تک کہ جب اپنا ایک پیر دروازے کی چوکھٹ پر رکھا تب ہی آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ گرا دیا اور آیتِ حجاب کا نزول ہوا۔

مسلم شریف میں ہے کہ جب وہ لوگ چلے گئے اور آپ اندر داخل ہوئے تو میں بھی آپ کے ساتھ اندر داخل ہونے لگا؛ مگر آپ نے میرے اور ان کے درمیان پردہ ڈال

دیا، اس لیے کہ اسی وقت پردہ کا حکم نازل ہوا تھا، چناں چہ نازل شدہ آیتِ کریمہ یہ تھی:

﴿يٰأيها الذين اٰمنوا لاتدخلوا بيوت النبي إلّا أن يؤذن لكم إلىٰ طعام غير ناظرين إنٰه ولٰكن إذا دعيتم فادخلوا فإذا طعمتم فانتشروا ولا مستأنسين لحديث إن ذٰلكم كان يؤذي النبي فيستحيي منكم والله لايستحيي من الحق وإذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب ذٰلكم أطهر لقلوبكم وقلوبهن وما كان لكم أن تؤذوا رسول الله ولا أن تنكحوا أزواجه من بعده أبدا إن ذٰلكم كان عند الله عظيما﴾.

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بلا اجازت) داخل نہ ہو، الّا یہ کہ تمہیں کھانے پر آنے کی اجازت دے دی جائے، وہ بھی اس طرح کہ تم اس کھانے کی تیاری کے انتظار میں نہ بیٹھے رہو؛ لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے تو جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو اپنی اپنی راہ لو، اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، اور وہ تم سے (کہتے ہوئے) شرماتے ہیں، اور اللہ حق بات میں کسی سے نہیں شرماتا، اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ طریقہ تمہارے دلوں کو بھی اور ان کے دلوں کو بھی زیادہ پاکیزہ رکھنے کا ذریعہ ہوگا، اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیوی سے کبھی بھی نکاح کرو، یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔

(سورۂ احزاب: ۵۳، آسان ترجمۂ قرآن)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: سب سے پہلے یہ آیت میں نے سنی اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ: پھر حضور ﷺ نے باہر تشریف لا کر بہ آوازِ بلند لوگوں کو یہ آیت پڑھ سنائی۔

دو قسم کی روایتوں میں تطبیق

بخاری کی متعدد روایات سے جس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کا حکم امّ المؤمنین

حضرت زینب بنتِ جحشؓ کے ولیمہ کے موقع پر نازل ہوا ہے، اسی طرح بخاری شریف ہی کی دیگر روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ حکمِ حجاب امّ المؤمنین حضرت سودہ بنتِ زمعہؓ کے بشری ضرورت کے لیے جانے اور سیدنا عمرؓ کی جانب سے ان کو ٹوکنے کے سلسلہ میں نازل ہوا ہے؛ لیکن دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ جس زمانہ میں آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا ہو اسی زمانہ میں حضرت سودہؓ والا واقعہ بھی پیش آیا ہو، اور مذکورہ دونوں اسباب کے جمع ہو جانے پر آیتِ حجاب کا نزول ہوا ہو۔ (واللہ اعلم)

آیتِ حجاب اور اس سے ثابت شدہ ہدایات وفوائد

(۱) کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونے کے شرعی آداب کو ملحوظِ خاطر رکھنا ہر مؤمن کے لیے ضروری ہے، تاکہ اس کی بے راہ روی سے اہلِ خانہ کو کوئی اذیت نہ اٹھانی پڑے، اسی وجہ سے باری تعالیٰ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ: کوئی شخص کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہو۔

(۲) اجنبی عورت کی طرف دیکھنا اور اس سے گفتگو کرنا خطرے سے خالی نہیں؛ لہٰذا اگر کسی کو خاتونِ خانہ سے کوئی بات کرنی ہو یا اس سے کوئی چیز مانگنی ہو تو وہ پردے کے پیچھے سے مانگے۔

(۳) اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امہات المؤمنین بھی شرعی طور پر پردہ کرنے کی پابند تھیں۔

(۴) رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ''امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن'' میں سے کسی کے ساتھ کسی امتی کا نکاح کرنا شرعاً حرام ہے۔

(۵) دعوت میں کھانے سے فارغ ہو جانے کے بعد باتوں میں لگ جانا اور وہیں مجلس

جما لینا سخت معیوب قرار دیا گیا، کیوں کہ یہ صورتِ حال گھر والوں کے لیے سخت اذیت ناک اور نا قابلِ برداشت حد تک تکلیف دہ ہے۔

باری تعالیٰ نے سیدہ زینبؓ کے ولیمے کے موقع پر جو ہدایات اور فوائد نازل فرمائے وہ چادر اور چار دیواری کے تقدس کی حفاظت کے مکمل طور پر ضامن ہیں، جس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُمّ المؤمنین سیدہ زینبؓ کی ذات اور ان کی یہ شادی عالمِ انسانی کے لیے خیر و برکت کا مجموعہ اور رحمت کا موجب ثابت ہوئی۔

ع یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

خانۂ نبوی میں سیدہ زینبؓ اور دیگر ازواجِ مطہراتؓ کا احساسِ غیرت

حضرت زینب بنتِ جحشؓ ذی قعدہ ۵ھ میں حضور ﷺ کے رشتۂ زوجیت سے منسلک ہوئیں، اور تقریباً ساڑھے پانچ برس تک حضور ﷺ کی رفاقت کا انہیں موقع ملا، وہ جب اُمّ المؤمنین بن کر آپ ﷺ کے کاشانۂ نبوت پر فروکش ہوئیں تو اُس وقت ان کی چار سوکنیں (حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ اور سیدہ امِ سلمہؓ) موجود تھیں، اور تقریباً دو سال کے عرصے میں مزید چار کا اضافہ ہوا، اس طرح سوکنوں کی کل تعداد آٹھ ہوگئی۔

سوکنوں کے درمیان کسی نہ کسی درجہ کا تناؤ اور بُعد کا ہونا ایک فطری امر ہے، ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ آرائی ان کی جبلّت میں ہوتی ہے، جس کا پتہ مندرجۂ ذیل واقعہ سے چلتا ہے کہ دو ازواجِ مطہرات کے مابین نہایت ہی تلخی کا معاملہ پیش آیا جو بدمزگی کی حد تک پہنچ گیا تھا، مگر دونوں کا آئینۂ دل اور اس کی شفافیت دیکھیے کہ دونوں ایک دوسرے کے فضل و کمال کا اقرار و اظہار اور اعتراف کرنے سے چنداں گریز نہیں کرتیں، اس قدر صفائی قلب، صاف گوئی، حسنِ نیت اور پاک باطنی نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

سیدہ زینبؓ اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں دو گرہوں میں منقسم تھیں، ایک گروہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ، حفصہ بنتِ عمر، سودہ اور صفیہ رضی اللہ عنہن تھیں، جب کہ دوسرے گروہ میں سیدہ امِ سلمہ، زینب بنتِ جحش، جویریہ، امِ حبیبہ اور میمونہ رضی اللہ عنہن تھیں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ازواجِ مطہراتؓ نے صحابۂ کرامؓ کی طرف سے صرف سیدہ عائشہؓ ہی کی باری کے دن ہدایا وتحائف آنے پر تعجب کا اظہار کیا اور بہ طورِ اعتراض حضور ﷺ سے کہا کہ: صحابہ سے کہیں کہ ہماری باری میں بھی تحائف بھیجا کریں، رسول اللہ ﷺ کو یہ مطالبہ ناگوار گذرا؛ مگر خاموش رہے۔ ازواجِ مطہراتؓ نے سیدہ زینبؓ سے کہا: تم ہی ہمارے حق میں رسول اللہ سے بات کرو۔ چناں چہ حضرت زینب حضور ﷺ کی خدمت میں گئی اور حضور ﷺ سے عرض کیا کہ: آپ کی ازواج نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ وہ آپ سے ابوقحافہ کے فرزند کی بیٹی کے بارے میں عدل وانصاف کا تقاضا کرتی ہیں، جب وہ باتیں کرتی ہوئی آگے بڑھیں تو دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی وہیں موجود ہیں، پھر تو کیا تھا، سیدہ زینبؓ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خوب سنائی اور دیر تک سخت وسست کہتی رہیں، حضور ﷺ دیکھ رہے تھے کہ حضرت عائشہؓ اس کا کیا جواب دیتی ہے۔ جب حضرت عائشہؓ نے دیکھا کہ حضرت زینبؓ کچھ زیادہ ہی تلخ انداز اپنا رہی ہیں تو انھوں نے بھی منشائے نبوت دیکھ کر ترکی بہ ترکی جواب دینا شروع کر دیا، سیدہ عائشہؓ کے تیور دیکھ کر حضرت زینبؓ نے چپّی سادھ لیں اور وہاں سے نکلنے میں عافیت سمجھیں، رسول اللہ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: عائشہ آخر ابوبکر کی بیٹی ہے!

یہی واقعہ حضرت عائشہؓ کی زبانی مسلم شریف میں قدرے تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ کی ازواج نے آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قاصد بنا کر بھیجا، انہوں نے آ کر آپ ﷺ سے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی، اس وقت آپ ﷺ میرے ساتھ میری چادر میں لیٹے ہوئے تھے، آپ ﷺ کے اجازت دینے پر وہ اندر داخل ہوئیں اور عرض کیا کہ: اللہ کے رسول! آپ کی ازواج نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ وہ بنتِ ابی قحافہ (حضرت عائشہؓ) کے بارے میں آپ ﷺ سے عدل کی طالب ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ: میں خاموش رہی؛ مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پیاری بیٹی! کیا تم اسے محبوب نہ رکھو گی جسے میں محبوب رکھتا ہوں، حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا: ضرور محبوب رکھوں گی، آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر اسے محبوب رکھ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ: حضور ﷺ سے مذکورہ بات سننے کے بعد وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں، اور جو کچھ انہوں نے حضور ﷺ سے اور آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا ازواج سے جا کر کہہ دیا۔ اس پر ازواج نے ان سے عرض کیا کہ: تم نے مکمل ترجمانی نہیں کی، دوبارہ جاؤ اور عرض کرو کہ آپ ﷺ کی ازواج بنتِ ابی قحافہ کے بارے میں آپ سے عدل کی طالب ہیں، اس پر حضرت فاطمہؓ نے ان کو جواب دیا: قسم بہ خدا! میں اس بارے میں کبھی آپ ﷺ سے کوئی گفتگو نہیں کروں گی۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے جب دوبارہ حاضرِ خدمت ہو کر گفتگو کرنے سے انکار کر دیا تو ازواج نے زینب بنتِ جحشؓ کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا، اور سچ بات یہ ہے کہ قدر و منزلت میں وہی میرے ساتھ ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں، اور میں نے زینب سے زیادہ دیندار، اللہ سے ڈرنے والی، بات کی سچی، صلہ رحمی کرنے والی، اور خود سے کام کر کے صدقہ کرنے والی اور اللہ کا قرب حاصل کرنے والی کوئی اور عورت

نہیں دیکھی؛ البتہ ان کے مزاج میں ذرا تیزی تھی؛ مگر بہت جلد نرم بھی پڑ جایا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ: وہ آئیں اور حضور ﷺ سے اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ اب بھی میرے ساتھ چادر میں اسی طرح لیٹے ہوئے تھے جس طرح کہ سیدہ فاطمہ کے آنے پر لیٹے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، اندر داخل ہونے کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ: آپ کی ازواج نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ وہ آپ سے ابوقحافہ کے فرزند کی بیٹی کے بارے میں عدل کی طالب ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: پھر وہ مجھ پر برس پڑی اور دیر تک سخت سست کہتی رہیں، میں حضور ﷺ کی طرف سے اجازت کی منتظر رہی کہ اجازت ہو تو جواب دوں، جب آپ کے طرزِ عمل سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ میرا جواب دینا آپ کے لیے بارِ خاطر نہ ہوگا، تو میں نے بھی جواب دینا شروع کردیا اور ایسا مسکت جواب دیا کہ ان کو خاموشی کے ساتھ واپس چلے جانے میں ہی عافیت نظر آئی، جب وہ واپس جانے لگیں تو آپ ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے کہا: کیوں نہ ہو آخر ابوبکر ہی کی بیٹی ہے۔

واقعۂ افک میں جب منافقین نے حضور ﷺ کی چہیتی بیوی اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ صدیقہؓ کے دامنِ عفت وعصمت کو تار تار کرنے کے لیے نازیبا الزام تراشی کی، اور مزید اپنی خباثت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے اس کثرت سے پھیلایا کہ شاعرِ اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت مسطح بن اثاثہؓ جیسے مخلص مسلمان بھی اس پروپیگنڈے کے شکار ہوگئے، اور سیدہ زینبؓ کی سگی بہن بھی حضرت حمنہ بنتِ جحشؓ بھی کچھ اپنی سادہ لوحی اور کچھ بہن کی محبت میں ان کا مقام ومرتبہ بلند کرنے کے خیال میں منافقین کی سازش سے متاثر ہوکر ان کی ہم نوا بن گئی تھیں، مگر واقعہ کی تحقیق کرتے ہوئے جب حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ پر لگائے الزام کے متعلق سیدہ زینبؓ سے پوچھا تو انہوں نے بے ساختہ یہ جواب دیا:

”يا رسول الله! احمى سمعي وبصري، والله ما علمتُ عليها إلا خيرا“

اے اللہ کے رسول! میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں، بہ خدا! میں عائشہ کے متعلق خیر و بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔

حالاں کہ یہ موقع تھا کہ کچھ گول مول اور مبہم بات کے ذریعہ حضرت عائشہؓ کے مقام و مرتبہ کو گھٹانے کی کوشش کرتیں، جیسا کہ عام طور پر سوکنوں میں ہوتا ہے، مگر آئینۂ دل کی صفائی اور کمالِ ورع و تقویٰ نے اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ کم از کم سکوت ہی اختیار کرلیں، بلکہ حصر اور قسم کے ساتھ خیر و بھلائی اور پاک دامنی کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔

حضرت زینبؓ اور حضرت صفیہؓ

ام المؤمنین حضرت زینبؓ کا معاملہ حضرت صفیہؓ کے ساتھ صرف اس قدر ہے کہ ایک سفر میں سیدہ زینبؓ، سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کے ساتھ تھیں، درمیانِ سفر حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہوگیا اور سواری کے قابل نہ رہا، حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زائد اونٹ موجود تھا، آں حضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: صفیہ کا اونٹ بیماری کے سبب سواری کے لائق نہیں رہا، تم ان کو سواری کے لیے ایک اونٹ دے دو تو بہتر ہے۔ اس پر سیدہ زینبؓ نے جواب دیتے ہوئے کہا: میں اس یہودیہ کو اونٹ سواری کے لیے دوں گی؟ ان کے اس نامناسب جملہ کی بنا پر- جو ان کی بلندیٔ شان سے فروتر تھا- بہ طورِ سزا حضور ﷺ ان کے یہاں دو یا تین مہینہ تک تشریف نہیں لے گئے۔

یہاں یہ بات قابلِ توجہ رہے کہ سیدہ زینبؓ کا یہ جملہ کسی کدورت اور ناچاقی کے باعث نہیں تھا؛ کیوں کہ اس ایک واقعہ کے علاوہ تادمِ حیات دونوں کے درمیان کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جو ایک دوسرے کے لیے باعثِ تکلیف ہو، اور یہاں اس

بات کا قوی امکان ہے کہ سیدہ کا وہ جملہ اس ناز کی بنا پر ہو جو انہیں حضور ﷺ کی بارگاہ میں خصوصی امتیازات کی بنا پر حاصل تھا۔

آیتِ تحریم

سورۂ تحریم کی پہلی آیتِ کریمہ میں باری تعالیٰ نے دینِ اسلام کا ایک نہایت ہی اہم اور بنیادی ضابطہ بیان کیا ہے جس میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ حلال وحرام، جائز وناجائز کے حدود مقرر کرنے کا کُلّی اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، عام انسان تو درکنار خود رسولِ کبریا ﷺ بھی اپنی طرف سے کوئی تغیّر وتبدّل نہیں کرسکتے، نبی بہ حیثیتِ نبی اگر کسی چیز کو حلال وحرام قرار دے سکتا ہے تو صرف اس صورت میں جب کہ باری تعالیٰ کی طرف سے اس کا اشارہ ملا ہو۔

اس اہم ضابطہ کے نزول کا سبب بھی سیدہ زینبؓ کی ذاتِ بابرکت ہی بنی، جیسا کہ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے جو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں موجود ہے، سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کا روزانہ کا معمول تھا کہ بعد نمازِ عصر تمام بیویوں کے پاس تشریف لے جاتے، کچھ دیر بیٹھ کر حال احوال دریافت فرماتے، اور ہر ایک کے پاس برابر وقت گزارتے۔ میں نے محسوس کیا کہ چند دنوں سے آپ ﷺ زینب بنتِ جحشؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھنے لگے ہیں، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کے ہاں کہیں سے شہد آیا ہوا ہے اور حضور ﷺ کو شیرینی بہت پسند تھی، اس لیے آپ ان کے ہاں شہد نوش فرماتے ہیں۔ مجھے رشک ہوا، چناں چہ میں نے سودہ، حفصہ، صفیہ سے مل کر یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی حضورؐ تشریف لائیں وہ آپ سے یہ کہے کہ: آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ چوں کہ حضور ﷺ بہت زیادہ نفاست پسند تھے اور بدبو سے آپ بہت زیادہ احتراز کرتے تھے،

میں نے یہ تدبیر حضور ﷺ کو زینب کے یہاں زیادہ دیر ٹھہرنے سے روکنے کے لیے اختیار کی تھی، چناں چہ سب ازواج نے آپ سے یہی کہا کہ: آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے، شاید آپ نے اسے کھایا ہے (''مغافیر'' ایک پھول کا نام ہے، اس میں کچھ بو ہوتی ہے، اگر شہد کی مکھی اس سے شہد حاصل کرلے تو اس کے اندر اس کا اثر آجاتا ہے) جب متعدد بیویوں نے آپ سے یہی بات کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے زینب کے ہاں شہد پیا تھا، بہ خدا! آئندہ سے کبھی بھی میں شہد نہیں پیوں گا۔

اس طرح میری یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی؛ لیکن پھر ہی یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

﴿يأيها النبي لم تحرم ما أحل الله لك، تبتغي مرضات أزواجك والله غفور رحيم﴾. (تحريم: ۱)

ترجمہ: اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے تم اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اسے حرام کیوں کرتے ہو؟ اور اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

سیدہ عائشہؓ کی یہ روایت ان کی بے مثال دیانت وامانت اور ان کی بے لوث راست گوئی اور صدق بیانی کا عظیم شاہکار ہے، اللہ اور اس کے رسول کے خاطر اپنی روحانی اولاد تک معلومات بہم پہنچانے کے سلسلہ میں اپنے فطری اور بشری تقاضوں کو صاف صاف بیان کردینے سے بھی دریغ نہیں کیا جس میں بہ ظاہر ان کی ذاتی سبکی کا پہلو نظر آتا تھا، ان کے اسی بے پناہ ایثار واخلاص نے انہیں ''صدیقہ'' کے جلیل القدر منصب پر فائز کیا اور وہ امتِ مسلمہ کے اعتماد کا مرکز ومحور قرار پائیں۔

غزوۂ طائف میں حضور ﷺ کی رفاقت اور سفرِ حج

غزوۂ طائف کے لیے حضور ﷺ تشریف لے گئے تو سیدہ امِ سلمہ اور سیدہ زینب

بنتِ جحشؓ آپ کے ساتھ تھیں، اللہ کے رسول ﷺ دونوں کے لیے الگ الگ خیمے کا بند وبست بھی کیا تھا، جس میں آپ ﷺ دورانِ محاصرہ نماز بھی ادا فرماتے تھے۔اوراسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر بھی دوسری ازواج کی طرح سیدہ زینبؓ آپ کے ہمراہ رہیں۔

فضائل ومناقب

نبیٔ کریم ﷺ کے نزدیک سیدہ زینبؓ کا بڑا مقام ومرتبہ تھا، زہد وعبادت، سخاوت وفیّاضی، ورع وتقویٰ، صدقہ وخیرات اور خدا اوراس کے رسول کی اطاعت کرنا، ان کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ سیدہ زینبؓ ازواجِ مطہرات سے بہ طورِ فخر کہا کرتی تھی کہ: تم سب کا نکاح تمہارے اولیا نے کیا، جب کہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں پر کیا۔ یہ حقیقت میں فخر نہیں تھا؛ بلکہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر تھا، فرطِ مسرت اور منعم کی محبت انہیں اس عظیم الشان نعمت کے اظہار پر آمادہ کرتی تھی، یہی وجہ ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ بھی اس کو سنتے تھے اور سکوت فرماتے تھے۔

امام شعبیؒ کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ سیدہ زینبؓ رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتی تھیں کہ: یارسول اللہ! میں تین وجہ سے اپنے آپ پر ناز کرتی ہوں:

(۱) میرے اور آپ کے جدِ امجد ایک ہی ہیں یعنی عبدالمطلب۔

(۲) میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ آسمان پر کیا۔

(۳) اور جبرئیلِ امین سفیر بنے۔

حضرت زینبؓ دیگر ازواج کی نظر میں

چناں چہ حضرت عائشہ صدیقہؓ رطب اللسان ہیں کہ: تمام ازواجِ مطہراتؓ میں صرف زینب بنتِ جحشؓ ہی تھی جو حضور کی قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے میرے

مقابلے میں آتی تھی۔ بہ خدا! میں نے زینب سے بڑھ کر دیندار، پرہیزگار، سچائی کی خوگر، حق گو، صلہ رحمی کرنے والی، صدقہ وخیرات کرنے والی کوئی دوسری خاتون نہیں دیکھی۔ جو مال راہِ خدا میں صدقہ کرتی اس کو کمانے میں بہت زیادہ محنت کرتی تھیں، ان کی کوشش یہ ہوتی کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے، بس ان کی طبیعت میں قدرے حدّت اور تیزی تھی اور انہیں بہت جلد غصہ آ جاتا تھا۔

ایک اور موقع سے فرماتی ہیں کہ: زینب نے ایسا اونچا مقام ومرتبہ پایا جسے کوئی اور نہ پاسکا، وہ یہ کہ خود باری تعالیٰ نے ان کا نکاح اپنے نبی سے کیا، اور ان کی وجہ سے قرآن کی کئی آیتیں نازل ہوئیں۔

حضرت امِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ: زینب رسول اللہ ﷺ کو بہت زیادہ پسند تھی، آپ کثرت سے ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے، وہ ایک نیک صالح، روزے دار، تہجد گذار خاتون تھیں، اپنا تمام مال صدقہ کر دیا کرتی تھی۔

خصوصیات

ام المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحشؓ بعض ایسی خصوصیات کی حامل تھیں جن میں دیگر امہات المؤمنینؓ میں سے کوئی بھی ان کی شریک وسہیم نہیں، ذیل میں ان خصوصیات کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کی حقیقی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھی۔

(۲) ان کا شمار ''السابقون الاولون'' کے مقدس گروہ میں بھی ہوتا ہے اور مہاجرینِ مدینہ میں بھی۔

(۳) حضور ﷺ نے ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ سے کروا کرامت کو

یہ عملی پیغام دیا کہ شرافت و بزرگی کا معیار حسب و نسب نہیں؛ بلکہ صلاح و تقویٰ اور دینداری ہے۔

(۴) زمانۂ جاہلیت سے چلی آرہی ''رسمِ تبنّی'' کی بیخ کنی اسی نکاح سے ہوئی۔

(۵) اس سے بڑھ کر اور کیا خصوصیت ہوسکتی ہے کہ خود باری تعالیٰ نے آسمانوں پر ان کا نکاح کیا اور قرآنِ کریم میں ان کی وجہ سے کئی آیتیں نازل فرمائیں۔

(۶) نہایت ہی شاندار ولیمہ کیا گیا جس میں بکری کا گوشت اور روٹی اور امِ سلیمؓ کا بھیجا ہوا مالیدہ تھا، بہ کثرت لوگوں نے شکم سیر ہوکر کھایا، اور یہی دعوتِ ولیمہ امت کے لیے چادر اور چار دیواری کے تقدّس کے تحفّظ کا ذریعہ بنی اور اللہ تعالیٰ نے آیتِ حجاب کو نازل فرمایا۔

(۷) سیدہ زینبؓ وہ خوش نصیب خاتون ہیں جن کے متعلق حضور ﷺ نے اپنی زبانِ رسالت سے "اسرعكن لحاقا بي أطولكن يدا". کہہ کر جہاں اعلیٰ درجہ کی سخاوت و فیاضی کی طرف اشارہ کیا وہیں اس بات کی بھی بشارت دی کہ میرے بعد میری ازواج میں وہی سب سے پہلے جنّت میں مجھ سے آکر ملے گی۔

اطاعت وفرماں برداری

زہد و تقویٰ و خیرات کے ساتھ ساتھ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت میں بھی اپنی مثال آپ تھیں، چناں چہ حجۃ الوداع کے موقع پر دیگر ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ اُمّ المؤمنین حضرت زینبؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں، حج کے بعد جب مکۂ مکرمہ سے واپسی کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے ازواجِ مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "هذه ثم لزوم الحصر" یہ سفرِ حج ہے، اس کے بعد تم گھر کی چہار دیواری کو لازم پکڑے رکھنا۔ حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ نے اس فرمانِ نبی پر اس شدت کے ساتھ عمل کیا

کہ حضور ﷺ کے اس دارِ فانی سے کوچ کر جانے کے بعد کبھی حج وعمرہ کے لیے بھی مدینۂ منورہ سے باہر نہیں نکلیں، اور فرمایا کرتیں: "واللہ ما تحر کنا بعدہ دابة" قسم بہ خدا! آپ ﷺ کے بعد تو ہم کسی جانور پر سوار بھی نہ ہوں گے، جب کہ دیگر ازواجِ مطہراتؓ سفرِ حج کے لیے جاتی رہیں اور صحابہؓ میں سے کسی نے بھی ان پر کوئی نکیر نہیں کی، حالاں کہ آپ ﷺ کے مذکورہ فرمان سے آئندہ حج کرنے سے روکنا مقصود نہیں تھا؛ بلکہ کسی اور کام کے لیے نکلنے سے روکنا مقصود تھا، مگر اطاعت کا یہ حال تھا کہ ظاہری الفاظ کی بھی پوری عمر رعایت کی اور سرِ موانحراف کرنا گوارا نہ کیا۔

زینب بنتِ ابی سلمہ کہتی ہیں کہ: میں سیدہ زینب بنت جحشؓ کے بھائی کی وفات کے وقت ان کے پاس گئی، سیدہ نے خوشبو منگوائی اور اسے لگایا، اور فرمایا: بہ خدا! مجھے خوشبو کی چنداں ضرورت نہیں اور نہ ہی اتنا شوق ہے، میں نے حضور ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا: "لایحل لإمرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد فوق ثلاث ليال إلا علىٰ زوج أربعة وعشرا" کسی ایسی عورت کے لیے جائز نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے اپنے خاوند کے کہ اس کا سوگ چار ماہ دس دن تک کرے۔ (بخاری: ۵۳۳۵، مسلم: ۱۴۸۷)

عبادت وریاضت

عبادت کا خاص ذوق تھا، نہایت ہی خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کیا کرتی تھیں، اپنے گھر کے گوشے میں ایک چھوٹی سی مسجد بنا رکھی تھی، جس میں وہ اکثر اوقات عبادات میں مصروف رہتیں، کبھی کبھار حضور ﷺ بھی اس میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔

عبادت وریاضت کا یہ حال تھا کہ بسا اوقات طویل شب بیداری کے باعث اونگھ آتی تو اس کو دفع کرنے کے لیے مختلف تدبیریں کرتیں۔ چناں چہ حضرت انسؓ روایت

کرتے ہیں کہ: ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ گھر میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ستونوں کے درمیان ایک رسّی بندھی ہوئی ہے، آپ ﷺ نے پوچھا: یہ رسّی کیسی ہے؟ تو بتایا گیا کہ: یہ رسّی زینب کی ہے، انہیں جب اونگھ آنے لگتی ہے تو وہ رسی اپنے بالوں میں باندھ لیتی ہے؛ تاکہ زمین پر گرنے سے محفوظ رہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا کرنا مناسب نہیں، اسے کھول دو، تم میں سے ہر کوئی اس حالت میں نماز پڑھے جب کہ وہ چاق وچوبند ہو، اور جب اونگھ آنے لگے تو بہتر ہے کہ وہ سوجائے۔

حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ مالِ فیٔ مہاجرین کے درمیان تقسیم فرمارہے تھے کہ درمیان میں حضرت زینبؓ بول پڑیں، اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں جھڑک دیا تو حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: اے عمر! تم انہیں کچھ نہ کہو، یہ "أوّاہ" ہیں۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! "أواہ" کسے کہتے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے بتایا: خشوع وخضوع اختیار کرنے والی عورت کو، اور بہ طورِ استدلال یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿إن إبراهيم لحليم أواه منيب﴾.

سیدہ کا فقہی مقام ومرتبہ

حضرت زینبؓ کا فقہی مقام ومرتبہ اور ذہانت وبصیرت کا درجہ بہت بڑھا ہوا تھا، آپ حضور ﷺ سے بھی دینی باتوں کے سلسلے میں دریافت فرماتی رہتی تھیں، ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

سیدہ زینب بنتِ جحشؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں:

"أن النبي ﷺ دخل عليها فزعا يقول: لا إله إلا الله، ويل للعرب من شر قد اقترب فتح اليوم من ردم يأجوج وماجوج مثل هذه وحلق بأصبعه الإبهام والتي تليها فقالت: زينب بنت جحشؓ فقلتُ يا رسول الله! انهلك

وفينا الصالحون؟ قال: نعم! إذا كثر الخبث".

ترجمہ: نبیٔ کریم ﷺ گھبرائے ہوئے سیدہ زینبؓ کے پاس تشریف لائے، آپ یہ فرما رہے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، عرب اُس شر سے برباد ہو گئے جو قریب آ گیا، اور آپ نے اپنے انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کا دائرہ بناتے ہوئے فرمایا کہ: یاجوج ماجوج غالب آ گئے، سیدہ زینبؓ نے کہا کہ: میں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! کیا ہمیں ہلاک کر دیا جائے گا جب کہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! یہ اس وقت ہو گا جب خباثت پھیل جائے گی۔ (بخاری: ۳۵۹۸، مسلم: ۲۸۸۰)

علامہ نوویؒ مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جب لوگوں میں فسق و فجور کی کثرت ہو جائے گی تو انہیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا، اگرچہ ان میں کچھ نیک لوگ بھی ہوں گے؛ لیکن وہ سب بھی تباہی کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔

مرویات اور تلامذہ

کتبِ احادیث میں اُمّ المؤمنین زینب بنتِ جحشؓ سے گیارہ احادیث مروی ہیں ان میں سے دو حدیثیں امام بخاری و مسلم نے روایت کی ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں ''زینب بنتِ ابی سلمہ، امِ حبیبہ بنتِ ابی سفیان، قاسم بن محمد بن ابی بکر، کلثوم بن المصطلق الخزاعی، محمد بن عبداللہ بن جحش'' کا شمار ہوتا ہے۔

سخاوت وفیّاضی

حضرت زینب بنتِ جحشؓ نہایت فیّاض، فراخ دست، متوکّل علی اللہ اور قانع تھیں، یتامیٰ اور مساکین کی سرپرست اور فقرا کی پشت پناہ تھیں۔ ابنِ سعد سے مروی ہے:

"ما تركت زينب بنت جحش درهما ولا دينارا، كانت تصدق لكل ما قدرت عليه وكانت مأوى المساكين"

زینب بنتِ جحش نے نہ درہم چھوڑا نہ دینار، وہ جو کچھ پاتی تھیں سب صدقہ اور خیرات کردیتی تھیں، وہ مساکین کی پناہ گاہ تھیں۔اسی وجہ سے ''ام المساکین'' لقب پایا تھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

''وكانت زينب صناع اليدين، فكانت تبدغ وتخرز وتتصدق به في سبيل الله''.

اپنے ہاتھوں سے چمڑے کو دباغت دیتیں اوراس کی آمدنی سے راہِ خدا میں صدقہ کرتی تھیں۔

سخاوت وفیّاضی میں انہیں یدِطولیٰ حاصل تھا، یہی وجہ ہے کہ جب ازواجِ مطہرت نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ: ہم میں سے کون سب سے پہلے آپ سے ملاقات کرے گی؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے۔ پس انہوں نے آپس میں اپنے ہاتھ ناپنے شروع کردیے؛ لیکن جب حضرت زینبؓ کا انتقال ہواتو ازواجِ مطہراتؓ نے جان لیا کہ ہاتھوں کی لمبائی سے مراد صدقہ وخیرات کی کثرت ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عائشہؓ صدیقہ کا بیان ہے کہ (جب آپ ﷺ کا وصال ہوگیا) توازواج نے بانس لے کرآپس میں ایک دوسرے کاہاتھ ناپنا شروع کیا، اس میں حضرت سودہؓ کا ہاتھ سب سے لمبا نکلا، مگر جب سب سے پہلے حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تب یہ بات سمجھ میں آئی کہ ''طولِ ید'' سے آپ کی مراد ''سب سے زیادہ صدقہ کرنے والی'' تھی، اور زینب اس معنیٰ کے اعتبار سے سب میں ''طویل الید'' اس لیے تھیں کہ وہ اپنے ہاتھ کے عمل سے کمایا کرتی تھیں اوراسے صدقہ کردیا کرتی تھیں۔

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں ازواجِ مطہراتؓ کے سالانہ

وظیفے متعین کرر کھے تھے، چناں چہ اُمّ المؤمنین زینب بنتِ جحشؓ کا وظیفہ بارہ ہزار درہم تھا، مگر انہوں نے اپنی حیات میں صرف ایک ہی مرتبہ قبول فرمایا اور قبول فرمانے کے بعد یہ دعا کی:

”اللهم لايدركني هذا المال من قابل فإنه فتنة“.

(اے اللہ! آئندہ سال یہ مال میرے پاس نہ آئے، اس لیے کہ یہ فتنہ ہے)

آپ کی دعا قبول ہوئی اور اگلے سال وظیفے کی رقم آنے سے پہلے ہی آپ انتقال فرما گئیں۔

حضرت برزہ بنتِ رافع سے مروی ہے کہ جب وظائف مقرر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے سیدہ زینب بنتِ جحشؓ کو ان کے حصہ کا وظیفہ بھیجا، جب وہ ان کے پاس پہنچا تو فرمانے لگیں کہ: اللہ تعالیٰ عمر کی مغفرت فرمائے، میری دوسری بہنیں اس کی زیادہ مستحق ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا: یہ سب آپ کے لیے ہیں، یہ سن کر سیدہ نے کہا: سبحان اللہ! پھر اسے کپڑے سے ڈھانک دیا، پھر فرمایا کہ: اسے کپڑا ڈھکے ڈھکے ہی خرچ کرو اور اس کے اندر ہاتھ ڈال کر مٹھی بھر بھر کے فلاں، فلاں کو دے آؤ۔ ان میں سے بعض ان کے عزیز تھے اور بعض یتیم، یہاں تک کہ کپڑے کے نیچے تھوڑے سے درہم باقی رہ گئے تو برزہ نے کہا کہ: اے اُمّ المؤمنین! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے، بہ خدا! ہمارا بھی تو اس میں کچھ حق ہے، سیدہ نے کہا: کپڑے کے نیچے جو کچھ بچا ہے وہ سب تم لے لو، برزہ کہتی ہیں: میں نے اسے شمار کیا تو پچاس درہم نکلے۔

دوسری روایت میں ہے کہ: حضرت عمرؓ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو بہ ذاتِ خود مکان پر تشریف لائے، سلام کہلوانے کے بعد فرمایا: کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نے تمام مال صدقہ کردیا، اس کے بعد ایک ہزار مزید بھیج دیے تاکہ اسے اپنی ضروریات میں صَرف کریں؛ مگر انہوں نے اسے بھی فوراً تقسیم کر کے ختم کر دیا۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ: جب ان کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقرا، یتامیٰ ومساکین میں کہرام مچ گیا اور وہ گھبرا اٹھے، قالت عائشة: "لقد ذهبت حميدة، منعيدة مفزع اليتامىٰ والأرامل".

وفات

حضور ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے ۲۰ھ مطابق ۶۴۱ء میں مدینۂ منورہ میں سیدہ زینبؓ کی وفات ہوئی جس کی پیشین گوئی حضور ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں یہ کہہ کر دی تھی:

"اسرعكن لحوقا أطولكن يدا"

تم میں سے سب سے پہلے مجھ سے وہ آ کر ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا)

چناں چہ عہدِ فاروقی میں ترپین سال کی عمر گذار کر اس دنیائے فانی سے دارِ خلد کی طرف کوچ کر گئیں۔

وصیت

سیدہ زینبؓ نے وفات سے قبل خود اپنا کفن تیار کر لیا تھا۔ جب قرائن سے ان کو یہ احساس ہوا کہ اب پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا ہے تو اس وقت یہ وصیت فرمائی کہ میں نے اپنا کفن خود تیار کر رکھا ہے اور امید ہے کہ حضرت عمرؓ بھی کفن کا کپڑا بھیجیں گے، دونوں میں سے ایک صدقہ کر دینا۔ سبحان اللہ! کس قدر صاحبِ عزیمت اور بلند مقام خاتون تھیں کہ جس عمل کو حیاتِ مستعار کا خصوصی وظیفہ بنایا تھا اس سے مرتے دم تک غافل نہ ہوئیں، پھر کون کہہ سکتا ہے کہ "ام المساکین" کا لقب مبنی پر مبالغہ ہے۔

چناں چہ ان کی وصیت کے مطابق ان کو حضرت عمرؓ کے بھیجے ہوئے کپڑوں میں

کفن دیا گیا اوران کے تیار کردہ کفن کو ان کی بہن حمنہ نے صدقہ کر دیا۔

قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ: جب زینب کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا: میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے، غالباً عمر بھی میرے لیے کفن بھیجیں گے، ایک کفن کام میں لے آنا اور دوسرا صدقہ کر دینا، چناں چہ حضرت عمرؓ نے وفات کے بعد پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کے لیے بھیجے، حضرت عمرؓ ہی کے بھیجے ہوئے کفن میں ان کو کفنایا گیا اور وہ کفن جو خود حضرت زینبؓ نے تیار کر رکھا تھا ان کی بہن حمنہ نے صدقہ کر دیا۔

عمرہ بنتِ عبدالرحمٰن بیان کرتی ہیں کہ: امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے بیت المال سے کپڑے کے پانچ تھان بھیجے کہ ان میں سے جو پسند ہو لے لیا جائے، چناں چہ اُمّ المؤمنین کو ان ہی تھانوں میں سے ایک کپڑے میں کفنایا گیا، اور ان کی بہن حضرت حمنہؓ نے سیدہ زینبؓ کا رکھا ہوا کفن صدقے کے طور پر دے دیا۔

نیز سیدہ زینبؓ نے یہ بھی وصیت فرمائی تھی کہ: میری میت رسول اللہ ﷺ کے تابوت میں رکھ کر قبرستان لے جائی جائے، چناں چہ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔ اس سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس تابوت پر قبر تک پہنچایا جا چکا تھا، یہ پہلی خاتون تھیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد تابوتِ نبوی پر اٹھائی گئیں۔ سیدہ زینبؓ کی یہ خواہش اللہ کے رسول ﷺ ساتھ والہانہ اور عاشقانہ لگاؤ اور تعلق کا نتیجہ تھی۔

تجہیز و تکفین

ام المؤمنین حضرت زینبؓ کی تجہیز و تکفین کی تیاری میں خصوصی اہتمام کیا گیا، چناں چہ دوسری عورتوں کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ امہات المؤمنین بھی غسل و کفن میں شریک رہیں۔ جنازہ کو قبرستان لے جانے کے لیے بھی خصوصی اہتمام کیا گیا کہ پردہ والی مسہری اس طرح بنائی گئی کہ تخت کے چاروں کونوں پر لکڑی نصب کی گئی اور اس

پر چادر ڈال کر مکمل پردہ کر دیا گیا، اسے حضرت اسما بنت عمیس نے تیار کیا تھا، جسے وہ ملکِ حبشہ میں دیکھ کر آئی تھیں۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اسے بے انتہا پسند فرمایا اور حضرت زینبؓ کے غایت درجہ پردہ کا اہتمام کرنے کے سبب جو اعلان کروایا تھا کہ امّ المؤمنین کے جنازہ میں صرف وہی لوگ شرکت کریں جو ان کے محارم میں سے ہیں، اس کو منسوخ فرما کر یہ اعلان کر دیا کہ اپنی ''ماں'' کے جنازہ میں تمام مؤمنین شریک ہوں۔ نیز حضرت عمرؓ کے پردے کے اس اہتمام کی وجہ شاید یہ بھی رہی ہو کہ پردے کے احکام اور اس کی آیتیں آپ ہی کے سبب نازل ہوئیں جس کا ذکر ماقبل میں گذر چکا۔

ام المؤمنین کا جنازہ اٹھانے اور کندھا دینے والوں میں ان کے روحانی بیٹوں کا ایک جمِّ غفیر تھا، امیر المؤمنین حضرت عمرؓ جنازہ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، سیدہ زینبؓ کے بھائی ابو احمد بن جحش بھی جنازہ اٹھائے لیے جا رہے تھے، وہ اُس وقت نابینا ہو چکے تھے، زار و قطار رو رہے تھے، اس پر حضرت عمرؓ نے بہ آوازِ بلند فرمایا: ابو احمد! جنازے سے ہٹ جاؤ، ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے رش کی وجہ سے تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے۔

اس پر ابو احمد نے جواب دیا: امیر المؤمنین! یہ وہ شخصیت ہیں جن کی بہ دولت ہمیں ہر قسم کی خیر و برکت نصیب ہوئی، ان کے ان احسانات کے سامنے اِس وقت کی ہر سختی اور تنگی ہیچ ہے، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اچھا، چمٹے رہو۔

نمازِ جنازہ اور تدفین

حضرت عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اُس دن گرمی بہت شدید تھی، جس کی وجہ سے جہاں قبر کھودی جا رہی تھی وہاں حضرت عمرؓ نے خیمہ لگوا دیا تھا، کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا خیمہ تھا جو بقیع میں قبر پر لگایا گیا۔

جب جنازہ قبرستان لایا گیا تو حضرت عمرؓ نے قبر میں اترنے کا ارادہ کیا؛ مگر امہات

المؤمنین سے دریافت کروایا کہ کیا میں نعش کو قبر میں اتار سکتا ہوں؟ تو وہاں سے جواب ملا کہ: نہیں، قبر میں صرف وہی لوگ نعش کو اتار سکتے ہیں جو زمانۂ حیات میں ان کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور جن سے شرعاً کوئی پردہ نہ تھا، چناں چہ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ: جب جنازہ قریب لایا گیا تو حمد وثنا کے بعد مجمعِ عام سے خطاب کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا: جب اُمّ المؤمنین سیدہ زینبؓ بیمار ہوئیں تو میں نے امہات المؤمنین سے پوچھوایا کہ ان کی تیمارداری کون کرے گا؟ انہوں نے کہا: ہم کریں گی، میرے خیال میں انہوں نے تیمارداری کا حق ادا کر دیا۔ ان کے انتقال پر پھر میں نے دریافت کروایا کہ انہیں غسل کون دے گا؟ تو جواب میں کہلوایا کہ: یہ فریضہ ہم ہی انجام دیں گی۔ اس کے بعد میں نے معلوم کروایا کہ انہیں قبر میں کون اتارے گا؟ جواب میں آیا: وہی لوگ اتاریں گے جن کا ان کی زندگی میں ان کے پاس آنا جانا جائز تھا۔ میرے خیال میں ان کی یہ رائے بالکل مناسب اور درست ہے۔

چناں چہ اسامہ بن زید، سیدہ کے بھانجے محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن ابو احمد بن جحش، محمد بن عبداللہ بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا، اسامہ بن زید سیدہ کے سابق شوہر زید بن حارثہ کے فرزند ہیں اور مؤخر الذکر دونوں سیدہ کے بھتیجے ہوتے ہیں۔ بوقتِ دفن حضرت عمرؓ قبر کے ایک کنارے پر بیٹھے رہے اور بقیہ لوگ کھڑے تھے، تدفین بقیع کے قبرستان میں ہوئی۔

اور اس طرح حرمِ نبوت کا یہ حسین وجمیل پیکر جو لائقِ تعریف بھی تھا اور خشوع وخضوع کے گلہائے خوش رنگ سے مزین ومعطر بھی، یتیموں اور بیواؤں کو اس پریشانی میں چھوڑ کر کہ اب ہمارا کیا ہوگا ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگیا، رضي الله عنها وأرضاها.

ترکہ

ام المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحشؓ نے اپنے پیچھے کوئی درہم و دینار نہیں چھوڑا، صرف ایک گھر چھوڑا تھا جسے دورِ خلافتِ بنوامیہ میں ولید بن عبدالملک نے وارثوں سے پچاس ہزار درہم کے عوض خریدا اور پھر اسے منہدم کر کے مسجدِ نبوی کی توسیع میں شامل کر دیا۔

✡✡

مراجع و مصادر

(۱) بخاری شریف
(۲) مسلم شریف
(۳) طبقات ابن سعد
(۴) امہات المؤمنین
(۵) فضائلِ امہات المؤمنین
(۶) رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں
(۷) صحابیات مبشرات
(۸) سیرتِ مصطفیٰ جلد: سوم
(۹) نساء مبشرات بالجنۃ
(۱۰) صحابیات
(۱۱) ازواجِ مطہرات حیات و خدمات
(۱۲) ازواجِ مطہرات، جلد: دوم
(۱۳) امتِ مسلمہ کی مائیں
(۱۴) ازواجِ مطہرات و صحابیاتؓ انسائیکلوپیڈیا
(۱۵) سیر الصحابیات

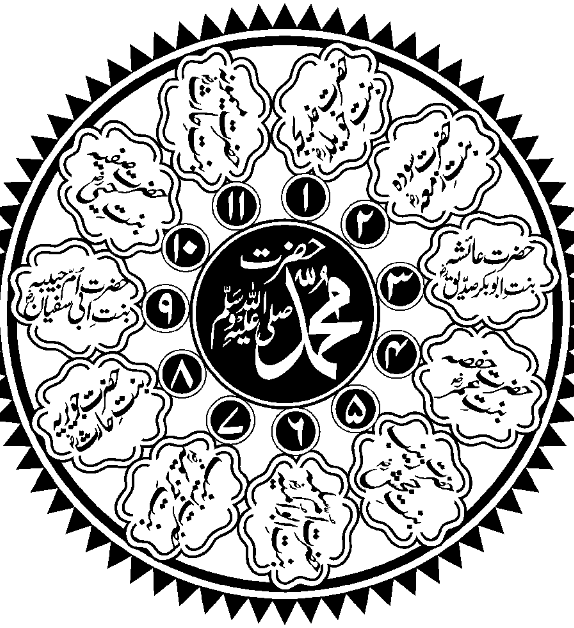

٦

اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ بنتِ ابواُمیہ رضی اللہ عنہا

سوانحی خاکہ

نام	:	ہند بنتِ ابوامیہ۔ کنیت: امِ سلمہ، کنیت سے ہی آپ معروف ہیں۔
والد کا نام	:	سہل یا سہیل، کنیت: ابوامیہ۔ والدہ کا نام: عاتکہ بنتِ عامر۔
قبیلہ	:	بنومخزوم۔
ولادت	:	۳۱/ عام الفیل، ہجرت سے ۲۸/ سال قبل مکۂ مکرمہ میں۔
قبولِ اسلام	:	آغازِ اسلام میں ایمان قبول کر کے ''السابقون الاولون'' میں شمار ہوئیں۔
ہجرت	:	حبشہ کے دونوں قافلوں میں شامل ہوئیں اور مدینہ کی جانب اولین مرحلے میں تاریخ ساز ہجرت کی۔
نکاحِ اول	:	حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسدؓ سے۔
نکاحِ ثانی	:	حضور ﷺ سے شوال ۴ھ کے اواخر میں۔ مہر: کچھ سامان تھا۔
اولاد	:	پہلے نکاح سے دو لڑکے: سلمہ اور عمر اور دو لڑکیاں: درّہ اور زینب ہوئیں، حضور ﷺ سے کوئی اولاد نہ تھی۔
حج	:	۱۰ھ میں سرکار ﷺ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل ہوئی۔
مرویات	:	۳۷۸/ احادیث۔
وفات	:	۶۳ھ، مدینۂ منورہ میں۔
نمازِ جنازہ	:	حضرت ابوہریرہؓ نے پڑھائی۔
مدفن	:	جنّت البقیع۔ عمر: ۸۴/ سال۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ بنت ابواُمیہ رضی اللہ عنہا

معاذ عبدالرقیب بھوپالی

اونچی ہے ثریّا سے بھی یہ خاکِ پُر اسرار

ایک متقی و پرہیزگار عورت اپنے خداپرست شوہر سے کہنے لگی: میں نے سنا ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر اس کی زندگی میں عالمِ آخرت کو سدھارے اور اس کے بعد وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس عورت کو فردوسِ بریں کی نعمتوں سے محروم نہیں کرتا، اسی طرح اگر کسی مؤمن متقی مرد کی بیوی عالمِ آخرت کی طرف کوچ کر جاوے اور اس کے بعد وہ مرد کسی عورت کے ساتھ رشتۂ زوجیت قائم نہ کرے تو اللہ اس مرد کو بھی بہشت سے محروم نہیں کرتا۔ تو آؤ! ہم دونوں عہد کریں کہ ہم میں سے جو بھی پہلے راہئ دارُ البقا ہو گیا تو دوسرا تنِ تنہا زندگی گذار دے گا۔ شوہر نے یہ محبت بھری باتیں سن کر اپنی باوفا رفیقۂ حیات سے خیر خواہی کے انداز میں کہا: اگر میں پہلے اس دنیا سے رحلت کر جاؤں تو تم دوسرا نکاح کر لینا۔ پھر بارگاہِ ایزدی میں سرِ عجز و نیاز خم کر کے بڑے ہی الحاح وزاری کے ساتھ کہا کہ: اے میرے پروردگار! اگر میں پہلے مر جاؤں تو میری بیوی کو مجھ سے بہتر شوہر نصیب کرنا۔

قارئین! آپ جانتے ہیں یہ عظیم المرتبت، بلند ہمت، غیر معمولی شرف وفضیلت کی حامل، دلیر و پاکباز عورت کون تھیں؟ یہ وہی خوش نصیب طاہرہ خاتون ہیں جو اولین مرحلے میں اسلام کی عظیم الشان دولت سے سرفراز ہوئیں اور جنہیں سرکار ﷺ کی مبارک رفاقت ومعیّت کا شرف حاصل ہوا، جنہیں ہم ”ام المؤمنین حضرت امِ سلمہؓ“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ذیل میں آپ ہی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال کر اپنی روشنی کا سامان بہم پہنچانے کی فکر کی گئی ہے۔

نام ونسب

آپ کا اصل نام ''ہند'' تھا؛ لیکن آپ اپنی کنیت ''اُمِ سلمہ'' سے مشہور ومعروف ہوئیں۔آپ کے والدِ محترم کا نام سہیل (بعض کتبِ سیر میں سہل ہے) اور کنیت: ابو امیہ تھی۔ابوامیہ ایک دولت منداور بے حد فیّاض آدمی تھے،ان کی سخاوت ودریا دلی کی شہرت چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی، بیسیوں لوگ ان کے دسترخوان پر پلتے تھے،اگر کبھی سفر کرتے تو اپنے تمام ہمراہیوں کی خوراک اور دوسری ضروریات کی کفالت انہیں کے ذمہ ہوتی، ان فیاضیوں کی بہ دولت لوگوں نے انہیں ''زادالراکب'' کا لقب دے رکھا تھا،تمام قبائلِ قریش میں نہایت عزّت واحترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

(تذکارِ صحابیات:۱۷۱،سیرالصحابیات:۵۶)

آپ کی والدۂ محترمہ کا نام ''عاتکہ'' تھا جو خاندانِ ''فراس'' سے تعلق رکھتی تھیں۔

والد کی طرف سے آپ کا شجرۂ نسب اس طرح ہے: ہند بنتِ ابوامیہ ''سہیل'' بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔اور والدہ کی طرف سے یہ ہے: عاتکہ بنتِ عامر بن ربیعہ بن مالک بن خزیمہ بن علقمہ بن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

آپ کے بھائی: زبیر،مسعود،مہاجر،ابوربیع ،ہشام،اسلم اورابوعبیدہ اورایک بہن: قریبہ تھی۔(ازواجِ مطہرات حیات وخدمات:۱۳۱، طبقات ابن سعد:۷۳/۸)

ولادت

آپ کی پیدائش ۳۱/ عام الفیل یعنی بعثتِ نبوی ﷺ سے ۸ یا ۹ سال پہلے اور ہجرتِ مدینہ سے ۲۸/سال قبل ہوئی۔

چوں کہ آپ کا سالِ وفات ۶۳ھ بتایا جاتا ہے اور عمر مبارک ۸۴ر سال، اس اعتبار سے سنِ ولادت وہی نکلتا ہے جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔ (ازواجِ مطہرات:۲/۱۱)

بچپن

حضرت امِ سلمہؓ مکۂ مکرمہ کے معزز گھرانے کی نورِ چشم اور نہایت ناز ونعمت میں پلی بڑھی تھیں، ذہین وفطین ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ بصیرت اور فطرت شناسی کی نعمت سے بھی مالا مال تھیں اور آپؓ کی پیشانی پر یہ تمام چیزیں بچپن ہی سے جھلکتی تھیں۔

قبولِ اسلام

حضرت امِ سلمہؓ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئیں۔ آپ کے شوہر کی کنیت ابوسلمہ اور اصل نام عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال تھا، آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی تھے اور نہایت سلیم الطبع نوجوان شمار ہوتے تھے، ان کی والدہ حضور ﷺ کی حقیقی پھوپھی حضرت برّہ تھیں۔

حضرت امِ سلمہؓ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والی دوسری طاہرہ خاتون ہیں، ان سے پہلے عورتوں میں صرف حضرت خدیجہ الکبریٰؓ اور ان کی بیٹیاں ایمان لائی تھیں؛ مگر ابنِ سعد، ابنِ ہشام، طبری اور دوسرے تمام سیرت نگاران کو اُن فرزندانِ توحید میں شمار کرتے ہیں جو دعوت کے ابتدائی تین سالہ خفیہ دور میں دامنِ رسالت پناہ سے وابستہ ہوئے۔ (ازواجِ مطہرات:۲/۱۲)

آپ کے اور آپ کے شوہر کے دخولِ اسلام کی خبر جب قبیلۂ قریش کو ملی تو وہ غصہ سے آگ بگولہ ہوگئے، اور ان کے قہر وغضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ چناں چہ قریش نے دردناک سزاؤں کا لامتناہی سلسلہ شروع کردیا، ایسی کٹھن وعبرت انگیز تکالیف دینے

لگے جو مضبوط ترین چٹانوں کو ہلا دینے کے لیے کافی تھیں؛ لیکن ان ظالمانہ سزاؤں کے سامنے انہوں نے نہ کبھی کسی ضعف و پست ہمتی کا اظہار کیا اور نہ ہی کسی قسم کے تذبذب وہچکچاہٹ میں مبتلا ہوئے۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں:۳۰۹-۳۱۰)

ع دیا تھا جنہوں نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

ہجرتِ حبشہ

اِدھر مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور اُدھر مشرکین و کفّار کی سزا میں بھی بڑھوتری ہونے لگی، بالآخر نبوت کے پانچویں سال ماہِ رجب میں حضور ﷺ نے مسلمانوں کو ہجرتِ حبشہ کی اجازت دے دی کہ جو شخص اپنے دین اور جان کے بچاؤ کے لیے ہجرت کرنا چاہے وہ حبشہ چلا جائے، جہاں ایک نیک دل عیسائی بادشاہ کی حکومت ہے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر ۱۵/ افراد کا ایک قافلہ-جس میں چار باہمت خواتین بھی تھیں- اللہ اور اس کے رسول کی خاطر اپنا گھر بار، اپنا کاروبار اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو چھوڑ کر ہجرتِ حبشہ کے لیے نامعلوم، اجنبی اور انجان علاقہ کی طرف چل پڑا اور اس طرح حضرت امِ سلمہؓ اپنے خاوند کے ساتھ مکۃ المکرّمہ میں اپنے عظیم الشان مکان، اپنے عالی و بلند مقام اور اپنی خاندانی شرف و عزت کو خیر آباد کہہ گئیں۔

ع یوں روانہ ہوگئے ہم باغِ بہار سے

مکۂ مکرمہ واپسی اور دوسری ہجرتِ حبشہ

سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: ہمیں حبشہ میں خبر ملی کہ مکۂ معظّمہ کے حالات ٹھیک ٹھاک ہوگئے ہیں، تو ہم واپس مکّہ پہنچے، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اطلاع غلط تھی؛ بلکہ مکّہ کے باشندے تو اور بھی زیادہ ظلم و ستم پر اتر آئے تھے، واپسی پر ہر شخص کسی نہ

کسی سردار کی حمایت و پناہ میں داخل ہوا۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ابوطالب نے - جو ابوسلمہ کے ماموں تھے - اپنی محافظت میں لے لیا۔ اس طرح زوجین اپنے آبائی شہر پہنچ کر حضورِ پُرنور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے؛ مگر قبیلۂ بنومخزوم کے لوگوں کو یہ بات گوارا نہ ہوئی۔

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ: اس قبیلے کے لوگ جمع ہو کر ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے: تم نے اپنے بھتیجے محمد کو اپنی حمایت ومحافظت میں لے رکھا ہے؛ لیکن ہمارے آدمی سے آپ کا کیا واسطہ اور کیا علاقہ وتعلق؟ اس پر ابوطالب نے جواب دیا: محمد میرا بھتیجا ہے اور ابوسلمہ میرا بھانجا، جب میں اپنے بھتیجے کو پناہ دے سکتا ہوں تو بھانجے کو کیوں نہیں؟

بنومخزوم کے لوگوں نے ابوطالب سے جھگڑنا چاہا تو ابولہب - جو اسلام کا کھلّم کھلا دشمن بنا ہوا تھا - ناگاہ صلہ رحمی کے جذبے سے بول اٹھا: اے بنومخزوم! تم نے شیخ ابو طالب کے ساتھ بہت کچھ کرلیا اور تم ان پر برابر دباؤ ڈالتے جارہے ہو، خدا کی قسم! ان کو تنگ کرنے سے باز آجاؤ، نہیں تو میں بھی ان کی حمایت میں کھڑا ہوجاؤں گا۔ قبیلۂ بنو مخزوم کے لوگ ابولہب کے اس کلام اور لہجۂ سخن سے ہکّا بکّا رہ گئے اور کہنے لگے: ''اے عتبہ! ہم تم کو ناراض کرنا نہیں چاہتے ہیں''۔

اس کے بعد موقع بہ موقع قریش نے ابوسلمہؓ پر ظلم وستم ڈھانا شروع کردیا اور ابوسلمہؓ نے جھیلنا۔ ایک مدّت تک یہ سلسلہ چلتا رہا؛ یہاں تک کہ اللہ کے رسول ﷺ نے پھر حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم فرمایا، قریش نے اس ہجرت کو روکنے کی بڑی کوشش کی، مکہ سے نکلنے والوں کو بے حد تنگ کیا اور ان کے راستے میں قسم قسم کی مشکلات اور رکاوٹیں پیدا کیں۔

ابنِ سعد کے بیان کے مطابق اس موقع پر ۸۳ / مرد اور ۱۸ / عورتیں حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئیں، ان میں حضرت امِ سلمہؓ اور ان کے خاوند ابوسلمہؓ بھی شامل تھے۔ یہ خوش قسمت اور قدسی صفات جوڑا دوسری مرتبہ اللہ، رسول اور دین کے خاطر سب کچھ چھوڑ چھاڑ

کرغربت واجنبیت کی زندگی اختیار کرنے پر دل وجان سے راضی ہوگیا تھا۔ مہاجرین کے اس پاکباز قافلے میں ہر خاندانِ قریش کے نوجوان شامل تھے، اسلام کے شدید ترین دشمنوں کے عزیز ترین لختِ جگر بھی اپنے وطن کو خیر باد کہہ چکے تھے۔ (امہات المؤمنین: ۴۵۳)

قیامِ حبشہ اور قریش کی سازش

سیدہ ام سلمہؓ داستانِ ہجرت بیان کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ: ہم حبشہ میں قیام پذیر ہوئے، غم خوار وغمگسار شاہِ حبشہ کی ہمسائیگی وہمدردی سے مشرف ہوئے اور بڑے ہی اطمینان سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوگئے، نہ ہی کسی قسم کی ایذارسانی ہوتی اور نہ ہی کسی قسم کی مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا۔ جب ہمارے امن وامان کی خبر قریش کے کانوں میں پڑی توانہوں نے باہمی مشورے سے دوسفیر بیش بہا وگراں قدر تحائف کے ساتھ بھیجے، تاکہ وہ نجاشی کی خدمت میں ہدیہ تحائف پیش کرکے ہمیں اپنے قبضے میں لے سکیں۔

ان دوسفیروں (عبداللہ بن ربیعہ المخزومی اور عمرو بن العاص بن وائل السہمی) نے اولاً حبشہ کے مذہبی رہنماؤں اور درباریوں کے ساتھ فرداً فرداً ملاقات کی اور انہیں بیش قیمت تحائف دے کر اپنا ہمنوا بنالیا اور بتایا کہ: ہمارے علاقے کے چند احمق لوگ تمہارے علاقے میں وارد ہوئے ہیں، جنہوں نے اپنے آبائی دین کو فراموش کررکھا ہے اور تمہارے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے؛ بلکہ انہوں نے ایک نئے دین کو اپنا رکھا ہے، جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ تم، اور ہمیں سردارانِ قریش نے شاہِ حبشہ کے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ ہم انہیں یہاں سے واپس مکۂ معظّمہ لے جائیں۔ جب ہم دربارِ شاہی میں ان کا مطالبہ کریں تو آپ حاکمِ وقت کو یہ مشورہ دینا کہ ان لوگوں کو مکّہ واپس کردیں اور انہیں اپنے بارے میں کچھ کہنے کا موقع نہ دیں۔ تمام مذہبی پیشواؤں نے انہیں تسلّی دی کہ بے فکر رہو، ہم تمہاری ہی تائید کریں گے۔

پھر دوسرے دن دونوں قریشی نمائندوں نے دربارِ عام میں شاہِ حبشہ نجاشی کے سامنے تحائف پیش کیے اور یوں عرض کیا: بادشاہ سلامت! آپ کے ملک میں کچھ سر پھرے لوگ آ گئے ہیں جو اپنے دین سے پھر گئے ہیں اور آپ کے دین کو بھی تسلیم نہیں کرتے؛ بلکہ انہوں نے ایک نئے دین کو اختیار کر رکھا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ ہی تم، اور ہمیں ہمارے قبیلے کے معزز لوگوں نے یہاں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم انہیں یہاں سے لے جائیں؛ کیوں کہ ہمارے قبیلے کے سرکردہ لوگوں نے ان پر بڑی سخت نگاہ رکھی ہے، وہ خود ان سر پھرے لوگوں کو راہِ راست پر لے آئیں گے۔

سیدہ امِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ: قریشی نمائندوں کی یہ کوشش تھی کہ حاکمِ حبشہ مسلمانوں کی بات ہی نہ سنے، چناں چہ جوں ہی نمائندوں نے اپنی بات مکمل کی تو مذہبی پیشوا اور درباری جو شاہِ حبشہ کے اردگرد بیٹھے تھے بہ یک زبان بول اٹھے کہ: یہ دونوں درست کہتے ہیں، مسلمانوں کو ان کے سپرد کر دینا چاہیے، تا کہ یہ انہیں اپنی قوم کے ذمہ داروں کے حوالے کر دیں۔

سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: ان کے جواب میں نجاشی نے کہا: ''بہ خدا! ایسا نہیں ہو سکتا جنہیں میں نے اپنے ملک میں پناہ دی ان کی بات سنے بغیر کیسے میں انہیں کسی کے حوالے کر دوں! میں ان سے تفتیش کروں گا کہ سفیرانِ قریش جو کچھ کہہ رہے ہیں کیا وہ واقعی سچ ہے؛ اگر وہ ہاں میں جواب دیں گے تو میں انہیں ان کے سپرد کر دوں گا، ورنہ اپنے ملک میں ان کو پورا تحفظ دوں گا''۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۳۱۵)

مسلمانوں کا جواب نجاشی کے دربار میں

سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: شاہِ حبشہ نے ہمیں بلوا بھیجا، جب نجاشی کا قاصد ہمارے پاس پہنچا تو ہم تمام نے مل کر یہ مشورہ کیا کہ ہم نجاشی کو اپنی معلومات کے مطابق سچ سچ بات بتا دیں جس کا ہمارے آقائے دو جہاں -ﷺ- نے حکم دیا ہے،

اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا، ہم سچ کہیں گے، سچ کے سوا کچھ نہ کہیں گے۔

جب صحابۂ کرامؓ دربارِشاہی میں پہنچے تو وہاں پادری بھی موجود تھے جو آسمانی صحیفے کھول کر بیٹھے ہوئے تھے، شاہِ حبشہ نے پوچھا: مجھے بتاؤ! آخر وہ کونسا مذہب و دین ہے جس کے خاطر تم نے اپنے آباؤاجداد کے دین کو بھی چھوڑ دیا؟

سیدنا جعفرؓ بن ابوطالب نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کی طرف سے فرائضِ نمائندگی انجام دیتے ہوئے کہا: بادشاہ سلامت! ہم جاہل لوگ تھے، بتوں کے پجاری تھے، مردار کھایا کرتے تھے، بے حیائی کا ارتکاب کیا کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے، ہم پڑوسی کے حقوق کو پامال کرتے تھے، ہمارا طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہماری طرف ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جس کے حسب ونسب، صداقت وامانت اور اس کی پاکدامنی وپاکیزگی کو ہم خوب اچھی طرح جانتے تھے، اس نے ہمیں ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور آباواجداد کی اور بتوں کی پرستش کرنے سے منع کیا اور اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی اختیار کرنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے، حرام سے رکنے اور خوں ریزی سے بچنے کا حکم دیا اور بے حیا بننے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورت پر بہتان باندھنے سے منع کیا اور اس نے ہمیں حکم دیا کہ: ہم ایک اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

چناں چہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے، اب ہم ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، ہم ہر اس چیز کو حرام سمجھتے ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے حرام رکھا، اور ہر اس چیز کو حلال سمجھتے ہیں جسے ہمارے لیے حلال کیا گیا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر ہماری قوم ہم پر چڑھ بیٹھی اور ہمیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور انھوں نے ہمیں اپنے دین سے برگشتہ کرنے کی بے انتہا کوششیں کیں، ساتھ ہی ساتھ ہمیں اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت سے ہٹا کر

بتوں کی پوجا و پرستش کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ جب ان کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو ہم اپنے نبی ﷺ کے حکم سے آپ کے مہربان ملک میں ہجرت کر کے آ گئے اس امید کے ساتھ کہ یہاں امن و امان کے ساتھ ایک اللہ کی عبادت اور اپنے مذہبی احکام کی بجا آوری کر سکیں گے۔

سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: نجاشی نے حضرت جعفرؓ بن ابو طالب کا اثر انگیز خطاب سن کر کہا: ''کیا تمہارے پاس اس آسمانی صحیفے کا کچھ حصہ ہے جو رسولِ خدا ﷺ لے کر تشریف لائے''؟ حضرت جعفرؓ نے کہا: ''ہاں''! نجاشی نے کہا: ''مجھے پڑھ کر سنائیں''۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کے شروع کی چند آیات نہایت دل نشین لہجے میں تلاوت کی۔ آیاتِ کلام اللہ سنتے ہی نجاشی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور تمام پادری و ارکانِ دربار بھی زار و قطار رونے لگے، یہاں تک کہ ان کے سامنے رکھے ہوئے صحیفے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ اس کے بعد نجاشی نے قریشی نمائندوں سے کہا: ''تم لوگ واپس چلے جاؤ، بہ خدا! میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے ہرگز نہیں کروں گا''۔

دوسری پیشی

سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: عبداللہ ابن ابو ربیعہ ہمارے معاملے میں کچھ نرم تھا اور اس کی خواہش تھی کہ ہم بچ جائیں؛ مگر عمرو بن عاص کا رویّہ بڑا سخت تھا، اس نے کہا کہ: میں کل نجاشی کے سامنے ایک ایسی بات کہوں گا جو ان مہاجرین کی جڑیں کاٹ کر رکھ دے گی۔ اس پر عبداللہ بن ابو ربیعہ نے کہا: ''ایسا نہ کرو، یہ لوگ ہمارے مخالف سہی مگر ہیں تو ہمارے بھائی بند، اور ان کا کچھ حق ہم پر بھی ہے''۔ عمرو نے اس کی کوئی بات نہ سنی اور اگلے روز نجاشی سے جا کر کہا کہ: ذرا ان مہاجرین سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو دریافت کیجیے، یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں

ایک بہت بری بات کہتے ہیں، ان کو ’’خدا کا بندہ‘‘ قرار دیتے ہیں۔

نجاشی نے مہاجرین کو پھر بلا بھیجا، مہاجرین کو عمرو بن عاص کی شرارت کا پہلے ہی علم ہو گیا تھا، اس لیے مشورہ کیا گیا کہ: اگر بادشاہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کرے تو اس کا کیا جواب دیا جائے؟ آخر کار اصحابِ رسول اللہ نے یہی طے کیا کہ کچھ بھی ہو وہی بات کہی جائے جو اللہ نے بتائی اور اس کے رسول نے سکھائی ہے۔

مسلمان نجاشی کے دربار میں پہنچے تو نجاشی نے ان کے سامنے عمرو بن عاص کا سوال دہرایا، اس پر حضرت جعفرؓ نے آگے بڑھ کر جواب دیا کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا کیا تھا۔ یہ جواب سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا: خدا کی قسم! جو کچھ تم نے کہا ہے عیسیٰ اس سے ایک تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔

نجاشی کی یہ بات سن کر دربار میں موجود پادری بگڑے۔ مگر اس نے کہا: تم چاہے بگڑو، مگر حقیقت میں بات یہی ہے۔

اس کے بعد نجاشی نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا: جاؤ میری زمین میں امن سے رہو جو تمہیں برا کہے گا وہ سزا پائے گا، اگر مجھے سونے کا پہاڑ بھی مل جائے تو اس کے بدلے میں تمہیں ستانا پسند نہیں کروں گا۔

شاہِ حبشہ نجاشی نے اس کے بعد حکم دیا کہ: ان دونوں سفیروں کے ہدیے انہیں واپس کر دیے جائیں، مجھے ان کی ضرورت نہیں، اللہ نے جب میرا ملک مجھے واپس دلوایا تھا تو کوئی رشوت نہیں لی تھی جو آج میں اللہ کے معاملے میں رشوت لوں۔

سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: ان کے تحائف لوٹا دیے گئے اور وہ نمائندے دربارِ شاہی سے ذلیل وخوار ہو کر نکلے اور ہمیں نجاشی کی صورت میں بہترین معین ومددگار حاصل ہوا۔ قیامِ حبشہ کے دوران ہی آپ کے ہاں حضرت سلمہؓ کی

ولادت ہوئی جن کے نام پر میاں بیوی کی کنیت ''ابوسلمہ وام سلمہ'' پڑی جو اتنی مشہور ہوئی کہ اصل نام نسیاً منسیاً ہو گیا۔ (ازواجِ مطہرات:۲/۱۹-۲۱)

ابنِ اسحاق کی روایت کے مطابق ایک عرصہ کے بعد میاں بیوی مکّہ واپس آئے۔

داستانِ ہجرتِ مدینہ

یہ حضرت امِّ سلمہؓ کی خصوصیت ہے کہ دوسری تاریخ ساز بیعتِ عقبہ کے بعد سب سے پہلے قریش کے قبیلۂ بنو مخزوم میں سے آپؓ اور آپؓ کے شوہر ابوسلمہؓ نے مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کا آغاز کیا۔ سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہجرت کی دردناک داستان کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ:

جب میرے سرتاج ابوسلمہ مدینہ جانے لگے تو میں بھی اپنے شیر خوار لختِ جگر سلمہ کو لے کر ان کے ساتھ ہوگئی، وہ ہمیں اونٹ پر بٹھا کر اس کی نکیل تھامے ہوئے چل پڑے۔ میری قوم بنو مغیرہ کے لوگوں نے ہمیں جاتے ہوئے دیکھ لیا، وہ دوڑے ہوئے آئے اور راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: اے ابوسلمہ! تم ہمارے قابو سے باہر ہو گئے ہو، تمہارا جہاں جی چاہے جاؤ، ہم اپنی بیٹی کو تمہارے ساتھ ماری ماری پھرنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اونٹ کی نکیل ابوسلمہؓ سے چھین لی اور مجھے واپس لے چلے۔ اتنے میں ابوسلمہؓ کے خاندان کے لوگ بھی پہنچ گئے، انہوں نے دیکھا تو وہ بھی جوش میں آگئے اور کہا: جب تم نے اپنی لڑکی کو ہمارے آدمی سے چھین لیا تو ہم اپنے بچے سلمہ کو کیوں کر تمہارے پاس رہنے دیں اور کہا: سلمہ ہمارا بیٹا ہے، وہ ہمارے ساتھ رہے گا۔ اور انہوں نے آگے بڑھ کر میرے سکونِ دل، ننھے منّے راج دلارے کو مجھ سے چھین لیا۔ اس کھینچا تانی میں اس کا ہاتھ بھی اُتر گیا، مجھے میری برادری کے لوگ اپنے ساتھ لے گئے اور میرے بیٹے کو ابوسلمہؓ کی برادری کے لوگ۔

ع یوں جدا ہوگئے ہم اپنے عیال سے

حضرت ابوسلمہؓ بیوی اور بیٹے کو چھوڑ کر اکیلے ہی مدینۂ منورہ کی جانب چل دیے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: پل بھر میں ہمارے درمیان جدائی ہوگئی، اس کے بعد میرا یہ معمول بن گیا کہ میں روزانہ صبح سویرے ''ابطح'' چلی جاتی اور سارا دن ٹیلے پر بیٹھ کر گریہ وزاری کرتی رہتی۔

جدا ہو کے بھی تو مجھ میں کہیں باقی ہے
پلکوں میں بن کے آنسو تیری یاد آتی ہے

یہاں تک کہ ایک سال گذر گیا۔

ایک دن بنومغیرہ کے ایک شخص نے مجھے دیکھا اور اسے میرے حال پر ترس آ گیا، چناں چہ اس نے میری برادری کے ذمہ داروں سے کہا کہ: کیوں اس بے چاری پر اس قدر ظلم ڈھا رہے ہو؟ کیا اس کی جان لینا چاہتے ہو؟ یہ رو رو کر نڈھال ہوگئی ہے، اے بنو مغیرہ! بہ خدا! ہمارا قبیلہ بڑا اشریف اور شجاع ہے جو عدل ورحم کو دوست بنائے رکھتا ہے۔ اس نیک دل کی بات پر انہیں ترس آ گیا، انہوں نے مجھ سے کہا: تم جا سکتی ہو، ہماری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی بنوعبدالاسد نے بھی مجھے میرا بیٹا لوٹا دیا۔

میں اپنے لختِ جگر کے ساتھ اونٹ پر سوار ہوئی اور تنِ تنہا مدینہ کی جانب چل پڑی، یہاں تک کہ میں مقامِ ''تنعیم'' پہنچ گئی، وہاں بنوعبدالدار کے باوقار شخص کلید بردارِ کعبہ عثمان بن طلحہ نے مجھ کو دیکھ لیا، وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے: ابوامیہ کی بیٹی! کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: مدینۂ منورہ اپنے خاوند کے پاس جا رہی ہوں، انہوں نے کہا: تمہارے ساتھ کوئی ہے؟ میں نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے اور میرا اللہ ہے۔ یہ سن کر انہوں نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور کہنے لگے کہ: خدا کی قسم! میں تمہیں مدینۂ منورہ پہنچا کر ہی دم لوں گا۔ چناں چہ وہ پورا راستہ اونٹ کی نکیل تھامے چلتے رہے، جب کہیں پڑاؤ

ہوتا تو وہ کسی درخت کی اوٹ میں ہوجاتے اور چلتے وقت اونٹ تیار کر کے لے آتے۔ غرض یوں ہی چلتے چلاتے ہم قبا کی بستی کے قریب پہنچ گئے تو عثمان بن طلحہ نے مجھ سے کہا کہ: تمہارے خاوند ابوسلمہؓ اسی بستی میں رہائش پذیر ہیں، تم ان کے پاس چلی جاؤ، اللہ تمہیں برکت دے۔ سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے عثمان بن طلحہ جیسا معزز، شریف الطبع اور ساتھ دینے والا آدمی نہیں دیکھا۔

ع ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

یاد رہے کہ عثمان بن طلحہ اُس وقت تک کافر تھے، صلحِ حدیبیہ کے موقع سے انہوں نے اسلام قبول کیا۔

حضرت امِ سلمہؓ مدینہ میں

سیدہ امِّ سلمہؓ جب قبا پہنچیں تو لوگ ان کی حال پرسی کرتے تھے اور جب یہ اپنے والد کا نام بتاتیں تو کوئی یقین نہیں کرتا تھا (یہ حیرت ان کے تنہا سفر کرنے پر تھی؛ کیوں کہ شرفا کی عورتیں اس طرح باہر نکلنے کی ہمت وجرأت نہیں کرتی تھیں) اور سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجبوراً مہر بہ لب تھیں؛ لیکن جب کچھ لوگ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے گھر خط بھجوایا تو اُس وقت لوگوں کو یقین ہوا کہ وہ واقعی ابوامیہ کی بیٹی ہے۔ ابوامیہ قریش کے نہایت مشہور ومعزز شخص تھے، اس لیے حضرت امِ سلمہؓ بڑی وقعت کی نظر سے دیکھی گئیں۔ (زندگیاں صحابہ کی: ۶۸)

حضرت ابوسلمہؓ کی وفات

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

سیدنا ابوسلمہؓ وہ شیرِ خدا ہیں جو ابتدا ہی سے باطل پرستوں کے لیے ایک ایسی تلوار

تھے جس کی چمک ان کے درمیان کھلبلی مچا دیتی تھی، چناں چہ حق و باطل کے پہلے معرکے میں انہوں نے شجاعت و بہادری کے وہ جوہر دکھلائے کہ باطل کے پاؤں بھی میدانِ کارزار سے اکھڑ گئے۔ یوں ہی یہ مجاہدِ اعظم جنگِ احد میں ہی کفار کی صفوں کو چاک کرتا ہوا نظر آیا؛ لیکن ابواسامہ الجشمی کے ایک زہریلے تیر سے ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بازو سخت زخمی ہوگیا، زخم کاری تھا، ایک مہینے تک زیرِ علاج رہے، بظاہر زخم درست و بہتر ہوگیا تھا؛ لیکن اندرونی زخم باقی تھا۔

ہجرت کے اڑھائی سال بعد آپ ﷺ نے انہیں ایک لشکر کا سپہ سالار مقرر کرکے بنو اسد کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا، جب وہاں سے کامیاب و بامراد ہوکر ۲۹/دن کے بعد ۱۸/صفر کو مدینۂ منورہ پہنچے تو وہ زخم کھل گیا اور اب کے وہ جاں بر نہ ہوسکے اور چند دن بیمار رہ کر جمادی الاخریٰ ۴ھ کو یہ بطلِ جلیل نقدِ جاں ہار گیا "إنا لله وإنا إليه راجعون"، آخری وقت وہ یہ دعا کررہے تھے: الٰہی! میرے کنبے کی اچھی طرح نگہداشت فرمانا۔ (طبقات ابنِ سعد: ۷۳/۸)

کوہِ غم

سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ: حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوجانے پر میں رنج وغم میں ڈوب گئی اور میں نے اپنے جی میں کہا کہ: وہ پردیس میں تھے جہاں ان کا خاندان نہیں ہے؛ لہٰذا میں ان پر ایسا رونا روؤں گی کہ لوگ یاد رکھیں گے، میں نے اس کے لیے تیاری بھی مکمل کرلی تھی کہ اسی اثنا میں ایک عورت آئی جو رونے میں میرا ساتھ دینا چاہتی تھی، مگر راستے میں اسے حضورِ انور ﷺ ملے اور آپ کو اس عورت کے ارادے کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا تو یہ چاہتی ہے کہ پھر شیطان کو اس گھر میں داخل کردے جس سے خداوندِ قدوس نے اسے نکال دیا ہے،

(مطلب یہ تھا کہ اسلام میں اس قسم کے کاموں کی کوئی گنجائش نہیں ہے) حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ: حضورِ انور ﷺ کے مذکورہ فرمان کا مجھے علم ہوا تو میں نے رونے کا ارادہ ترک کر دیا۔

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا، بار بار بے ساختہ منہ سے نکل جاتا تھا: ہائے ہائے! غربت میں کیسی موت آئی ہے۔ (تذکارِ صحابیات: ۴۷)

حضور ﷺ کی آمد، دعا اور نمازِ جنازہ

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب میرے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوگئے تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی اور اطلاعاً عرض کیا کہ: ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوگئے ہیں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، ابوسلمہ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، آپ نے آنکھوں کو بند کر دیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ: جب انسان کی روح قبض کی جاتی ہے تو نگاہ اس کا پیچھا کرتی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ کہا تو اہلِ خانہ دھاڑیں مار مار رونے لگے، آپؐ نے اہلِ خانہ سے کہا: خیر وبھلائی کی دعا مانگو جو تم کہو گے فرشتے اس پر "آمین" کہیں گے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے دعا مانگی: "اللهم اغفر لأبي سلمة وارفع درجته في المهديين واخلفه في عقبه في الغابرين واغفر لنا وله يا رب العالمين وافسح له في قبره ونور له فيه". ترجمہ: اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما، ہدایت یافتہ افراد میں اس کا درجہ بلند فرما اور اس کے پسماندگان کو کوئی اچھا جانشین عنایت فرما، ہماری اور اس کی مغفرت فرما، اس کی قبر کو کشادہ اور منوّر فرما۔

ان کی نمازِ جنازہ خود حضور ﷺ نے پڑھائی، نمازِ جنازہ پڑھاتے وقت حضور ﷺ نے نو تکبیریں کہیں، کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے نو تکبیریں کیوں کہیں؟ ارشاد

فرمایا: ابوسلمہ تو ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔(تذکارِ صحابیات:۷۴)

پیغامِ نکاح

روایت میں ہے کہ جب رسولِ کریم ﷺ تعزیت کے لیے ابوسلمہؓ کے وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تلقین کی کہ اے امِ سلمہ! ابوسلمہ کے حق میں دعائے خیر مانگو اور اللہ سے التجا کرو کہ وہ تمہیں ابوسلمہ سے بہتر جانشین عطا کرے۔ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: میرے دل میں خیال آیا کہ ابوسلمہؓ سے بہتر شوہر کون ہوسکتا ہے؟

ابوسلمہؓ کی وفات کے وقت حضرت امِ سلمہؓ حاملہ تھیں، وضعِ حمل کے بعد عدت گذر گئی تو حاطب بن ابی بلتعہ (اور بعض روایات میں حضرت عمرؓ کا ذکر ہے) آنحضرت ﷺ کا پیغام لے کر پہنچے، حضرت امِ سلمہؓ نے کہا: مجھے چند عذر ہیں: (۱) میرا سنّ (عمر) زیادہ ہے۔ (۲) صاحبِ عیال ہوں۔ (۳) میں سخت غیّور عورت ہوں۔ سیدہ کے اس پیغام کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا: جہاں تک عمر کا تعلق ہے تو یہ کوئی بات نہیں، میں تم سے زیادہ بڑا ہوں، دوسری بات یتیم بچوں کی تو میں خود ان کی کفالت کروں گا، رہ گئی غیرت تو یہ اہم بات ہے، میں اللہ سے دعا کروں گا کہ تمہارے دل سے یہ غیرت ختم ہوجائے۔(ازواجِ مطہرات:۲/۲۹)

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اب کیا عذر ہوسکتا تھا۔

حضرت امِ سلمہؓ حرمِ نبوت میں

حضرت امِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ: چند دن کے بعد میں کیا دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر کے دروازے پر تشریف لائے اور میرے ولی سے شادی کی بات کی، پھر تشریف

لے گئے، دوسرے اور تیسرے دن بھی آپ ﷺ تشریف لائے، میں اس دوران سوچتی رہی کہ کیا فیصلہ کروں؟ تیسرے دن جب آپ تشریف لے گئے تو میں نے اپنے ولی کے سامنے نکاح کے لیے منظوری ظاہر کی کہ: اگر اب حضور تشریف لائیں تو آپ ہاں کر دیں۔ بعدہٗ آپ تشریف لائے اور میں آپ کے ساتھ رشتۂ زوجیت میں منسلک ہوگئی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ: مجھے اس موقع سے ابوسلمہؓ سے کیا ہوا عہد اور ان کی کہی ہوئی بات بھی یاد آئی (جس کا ذکر ہم مقالہ کے بالکل ابتدائی حصہ میں کر چکے ہیں)

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ حضرت ابوسلمہؓ کی وفات کے کچھ عرصے بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق نے بھی سیدہ امِ سلمہؓ کی کس مپرسی کے خیال سے نکاح کا پیغام بھیجا تھا؛ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

نبیٔ کریم ﷺ نے سیدہ امِ سلمہؓ سے حضرت زینب بنتِ خزیمہؓ کے ایک سال بعد شادی کی۔ یہ شادی شوال ۴ھ کی اخیر تاریخوں میں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مہر میں ایک خرمے کی چھال سے بھرا ہوا چرمی تکیہ، ایک پیالہ، ایک مٹکا، ایک پلیٹ، دو مشکیزے اور دو چکیاں عنایت فرمائیں۔

(سیرۃ المصطفیٰ: ۳/۳۰۶)

مصیبت پر صبر کا انعام

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مصیبت، رنج اور صدمہ کے وقت "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھ کر یہ دعا: "اللهم آجرني في مصيبتي هذه وعوضني خيرا منها" (اے اللہ! میری اِس مصیبت، رنج اور صبر کا مجھے اجر وثواب عطا فرما اور میری جو چیز چلی

گئی ہے اس کا نعم البدل عطا فرما) مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور صلہ عطا فرمائیں گے۔

حضرت امِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ: ابوسلمہؓ کی وفات پر میں نے حضور ﷺ کے حکم کے مطابق یہ کلمات کہہ کر دعا مانگی تو اللہ نے مجھے بصورتِ حضور ابوسلمہ کا نعم البدل عطا کیا۔

درد جب تلخئ حالات میں ڈھل جاتا ہے
اک دِیا دل کے لیے اور بھی جل جاتا ہے

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت سے جو شدید صدمہ ہوا تھا، خداوندِ قدوس نے اس کو ابدی مسرت سے تبدیل کر دیا۔

سننِ ابن ماجہ میں ہے: "فلما توفي أبو سلمة ذكرت الذي كان حدثني فقلت فلما أردت أن أقول اللهم عوضني خيرا منه قلت في نفسي أعاض خيرا من أبي سلمة ثم قلتها فعاضني الله محمد ﷺ".

ترجمہ: جب ابوسلمہؓ نے وفات پائی تو مجھے وہ حدیث یاد تھی جس کو وہ مجھ سے بیان کیا کرتے تھے، چناں چہ میں نے دعا شروع کی، جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوندا! مجھے ابوسلمہ سے بہتر جانشین عطا فرما، تو دل کہتا کہ: ابوسلمہ سے بہتر کون مل سکتا ہے؟ لیکن میں نے دعا کو پڑھنا شروع کیا تو ابوسلمہ کے جانشین آنحضرت ﷺ ثابت ہوئے۔

حضرت امِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ: اللہ نے حضرت محمد ﷺ کی صورت میں مجھے جو نعم البدل عطا فرمایا ہے وہ ابوسلمہ سے بہ ہر جہت افضل و بہتر ہے۔ (سیر الصحابیات: ۵۹)

جس کے چرچے اپنوں میں

جب حضرت امِ سلمہؓ بیاہ کر کاشانۂ اطہر میں آئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تردد ہوا کہ ان کی وجہ سے آپ کی نگاہِ اقدس میں کہیں میرا مرتبہ گھٹ نہ جائے، چناں چہ وہ خود فرماتی ہیں کہ: آپ نے جب امِ سلمہ سے نکاح کیا تو میں نہایت غمگین

ہوئی، اس لیے کہ میں نے ان کے حسن وجمال کی بڑی شہرت سن رکھی تھی، چناں چہ میں نے موقع تلاش کر کے انہیں دیکھا تو جتنی شہرت سنی تھی اس سے بدرجہا فائق پایا۔ میں نے حضرت حفصہ کے سامنے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: نہیں وہ اتنی خوبصورت نہیں جتنا تم سمجھتی ہو، ہاں! خوبصورت ضرور ہیں، چناں چہ ان کے کہنے کے بعد جب میں نے دوبارہ دیکھا تو انہیں کی بات درست نظر آئی۔

شرم وحیا

سیدہ امِ سلمہؓ بہت حیادار اور شرمیلے مزاج کی خاتون تھیں، ابتداء جب حضورِ اکرم ﷺ مکان پر تشریف لاتے تو حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرطِ حیا سے دختر زینب کو گود میں بٹھا لیتیں، آپ ﷺ یہ دیکھ کر واپس لوٹ جاتے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (جو سیدہ امِ سلمہؓ کے رضاعی بھائی تھی) معلوم ہوا تو سخت ناراض وبرہم ہوئے اور لڑکی چھین کر لے گئے، رفتہ رفتہ یہ شرمیلا پن ختم ہوگیا اور آپ نے دیگر ازواج کی طرح رہنا شروع کر دیا، بعد میں تعلّقات اور بڑھ گئے۔

پہلے ہی دن کھانا پکانا

حضرت امِ سلمہؓ کے واقعاتِ نکاح میں یہ واقعہ خصوصیت سے مذکور ہے کہ جس دن بیاہ کر لائی گئیں اسی دن اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا۔ (سیر الصحابیات: ۶۵)

سیدہ امِ سلمہؓ خود فرماتی ہیں کہ: جب میری شادی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوگئی تو آپ نے مجھے اُمّ المساکین سیدہ زینب بنتِ خزیمہ کے گھر ٹھہرایا، وہ وفات پا چکی تھی، میں نے ایک یمنی چادر میں دیکھا کہ اس میں جَو پڑے ہوئے ہیں، وہاں گھر میں ایک چکی، ایک پتھر کی کونڈی اور ایک مٹی کی ہنڈیا پڑی ہوئی تھی، ہنڈیا میں مجھے گھی دکھائی دیا،

میں نے جَو کی پسائی کی، پھر اسے ہنڈیا میں پکایا، گھی کے ذریعہ سالن تیار کیا اور یہ کھانا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں:۳۲۴)

شادی کے اسباب واثرات

نبی کریم ﷺ کی سیدہ امِ سلمہؓ سے شادی کے مختلف اسباب ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) شادی کا پہلا سبب تو یہ تھا کہ سیدہ امِ سلمہؓ اور ان کے خاوند سیدہ ابوسلمہؓ ابتدائی مرحلے میں مسلمان ہوگئے، اور دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ جب سیدنا ابوسلمہؓ وفات پا گئے تو سیدہ امِ سلمہؓ بہت زیادہ افسردہ ہوئی، ان کی تالیفِ قلب کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر کے انہیں ''ام المؤمنین'' کے اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا۔

(۲) سیدہ امِ سلمہؓ کے ساتھ شادی کا دوسرا سبب یہ تھا کہ ان کے پہلے خاوند ابوسلمہؓ نبی کریم ﷺ کی پھوپھی کے بیٹے تھے، اور آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی، ان کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، ان کی کفالت اور تربیت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بچوں کی والدہ سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا۔

(۳) شادی کا تیسرا سبب یہ تھا کہ سیدہ امِ سلمہؓ کی قوم بنومخزوم کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے یہ رشتہ نہایت کارآمد تھا۔

(۴) شادی کا چوتھا سبب یہ تھا کہ سیدہ امِ سلمہؓ بڑی عقل مند، زودفہم اور درست رائے رکھنے والی خاتون تھیں۔

یہ شادی مسلمانوں کے لیے اس حوالے سے بڑی سودمند ثابت ہوئی کہ سیدہ امِ سلمہؓ نے نبی کریم ﷺ سے بہت سی احادیث روایت کرنے کا شرف حاصل کیا، اس طرح

اسلام کے بیشتر احکام کو امت تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۳۲۸)

ابو بکر بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے سیدہ امِ سلمہؓ کے یہاں تین دن قیام کیا اور تشریف لے جانے لگے تو سیدہ امِ سلمہؓ نے آپ کا دامن پکڑ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: آپ چاہیں تو میں سات دن یہاں ٹھہر جاؤں؛ لیکن پھر دوسری بیویوں کے یہاں بھی سات دن ٹھہرنا ہوگا، اور یہی عدل وانصاف کا تقاضا ہے، میں کسی اکتاہٹ و بے چینی کی وجہ سے نہیں جا رہا ہوں، سیدہ امِ سلمہؓ نے تین دن کو تجویز کیا تا کہ جلد از جلد گھر میں آپ کی تشریف آوری ہو سکے۔ (ازواجِ مطہرات حیات وخدمات: ۱۳۸)

بعض ازواجِ مطہراتؓ کی ترجمانی

ازواجِ مطہراتؓ کی دو ٹولیاں تھیں، پہلی ٹولی کی حضرت عائشہؓ سرگروہ تھیں اور حضرت حفصہؓ، سودہ اور صفیہؓ ارکان اور دوسری کی سرگروہ حضرت امِ سلمہ تھیں، اور بقیہ ازواج ارکان تھیں۔

بہر حال دربارِ نبوت میں آپ کو نہایت عظمت و پذیرائی حاصل تھی، جس کا اندازہ اُس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے جس کو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ نے بیان کیا ہے، فرماتی ہیں کہ: میری سوکنیں امِ سلمہ کے ہاں جمع ہوئیں اور ان سے کہا: اے امِ سلمہ! حضور ﷺ کے یہاں ہدایا وغیرہ بھیجنے میں لوگ عائشہ صدیقہ کی باری کا لحاظ کرتے ہیں، حالاں کہ ان ہی کی طرح ہم بھی خیر وتوجہ کی طالب ہیں، تو جاؤ! تم حضور ﷺ سے یہ درخواست کرو کہ آپ لوگوں کو یہ حکم دے دیں کہ لوگ ہدایا بھیجنے میں اس کا خیال رکھیں کہ ہر بیوی کے پاس رہنے کی حالت میں بھیجیں۔

حضرت امِ سلمہؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور چند مرتبہ یہ عرضداشت رکھی، پہلی دوسری مرتبہ تو آپ خاموش رہے؛ مگر تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: امِ سلمہ!

عائشہ کے بارے میں مجھے دق نہ کیا کرو اور اذیت نہ پہنچاؤ، بہ خدا! عائشہ کے علاوہ تم میں کوئی ایسی نہیں ہے جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آئی ہو۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد سنتے ہی سیدہ امِ سلمہؓ نے فوراً توبہ کی اور کہا: میں اللہ عز وجل کی پناہ طلب کرتی ہوں اس بات سے کہ آپ کو اذیت پہنچاؤں۔

سیدہ کا حجرہ اور سامانِ گذر بسر

ابنِ سعد نے طبقات میں حضرت امِ سلمہؓ کے اُس حجرۂ شریفہ کی تفصیلات بیان کی ہیں جس میں آپ قیام پذیر تھیں، روایات کے مطابق حجرے کی دیواریں پکی اینٹوں کی تھیں اور کھجوروں کی شاخوں سے اس کی چھت تیار کی گئی تھی، دروازے پر سیاہ رنگ کا ٹاٹ پڑا رہتا تھا جس کی لمبائی تقریباً پانچ فٹ اور چوڑائی دو فٹ تھی۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں گورنرِ مدینہ کو ان حجروں کو منہدم کر کے ان کی جگہ مسجدِ نبوی میں شامل کرنے کا حکم ہوا، جب ان حجروں کو مسمار کیا جانے لگا تو اہلِ مدینہ زار وقطار رونے لگے، اور اسی دن سید التابعین سعید بن المسیب کو یہ کہتے سنا گیا: کاش! یہ لوگ ان حجروں کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دیتے؛ تاکہ آنے والی نسلیں دیکھ سکتیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں کس چیز پر کفایت کی اور ان حجروں کا وجود لوگوں میں بہ کثرت مال جمع کرنے اور آپس میں فخر کرنے سے نفرت پیدا کرتا۔

حضرت امِ سلمہؓ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہماری گذر اوقات اکثر ان دودھ دینے والی اونٹنیوں پر تھی جو غابہ کی چراگاہ میں چرا کرتی تھیں، آپ نے ان کو اپنی بیویوں میں تقسیم فرما رکھا تھا، میرے حصے کی اونٹنی کا نام ''عریس'' تھا، ہم لوگ اس کے دودھ پر زندگی بسر کرتے تھے اور جتنا دودھ چاہتے لے سکتے تھے۔

(ازواجِ مطہرات وصحابیات کا انسائیکلوپیڈیا: ۱۷۱)

ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خوش خبری

حضرت ابولبابہؓ انصاری ایک سادہ دل آدمی تھے، غزوۂ احزاب کے بعد حضور ﷺ نے بنو قریظہ کے شریر اور بدعہد یہودیوں کا محاصرہ کیا تو آپ ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان سے گفتگو کے لیے بھیجا، دورانِ گفتگو ان سے ایک ایسا اشارہ ہوگیا جس سے مترشّح ہوتا تھا کہ حضور ﷺ یہودیوں کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے معاً حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو احساس ہوا کہ انہوں نے مسلمانوں کا راز فاش کردیا۔ چناں چہ غلطی کی تلافی کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو مسجدِ نبوی کے ستون سے باندھ دیا اور توبہ و استغفار میں مشغول ہوگئے۔ چوں کہ انہوں نے اپنا معاملہ بہ راہِ راست اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا تھا، اس لیے حضور ﷺ نے بھی ان کو اس طرح بندھا ہوا چھوڑ دیا، صرف ضروریاتِ شرعی و بشری کے لیے کھولے جاتے اور پھر دوبارہ باندھ دیے جاتے۔ چند دن بعد کا واقعہ ہے کہ حضور ﷺ سیدہ امِ سلمہؓ کے گھر تشریف فرما تھے، صبح اٹھے تو مسکرائے اور فرمایا: آج ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی۔

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی بے حد مسرت ہوئی اور کہا: یا رسول اللہ! اجازت ہو تو ابولبابہ کو خوش خبری سنا دوں، فرمایا: ہاں! اگر چاہو تو سنا دو۔ حضرت امِ سلمہؓ نے اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز لگائی: ''ابولبابہ! مبارک ہو تمہاری توبہ قبول ہوگئی''۔ حضرت ابولبابہؓ یہ سن کر سجدۂ شکر بجالائے اور دوسرے صحابۂ کرامؓ میں بھی یہ خبر آناً فاناً پھیل گئی، انہوں نے بھی حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مبارک باد دی۔ (تذکارِ صحابیات:۶۷)

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زیارت بہ صورتِ دحیہ کلبی

ایک مرتبہ حضرت امِ سلمہؓ آپ کے پاس بیٹھی تھیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے

اور باتیں کرتے رہے، پھر ان کے جانے کے بعد آپ نے پوچھا: تم اِن کو جانتی تھیں کہ یہ کون تھے؟ بولیں: دحیہ تھے؛ لیکن جب آپ ﷺ نے اس واقعہ کو دوسرے اصحاب سے بیان کیا تو معلوم ہوا کہ وہ جبرئیلِ امین تھے۔ (سیر الصحابیات: ۷۰)

معتمر بن سلیمان ابوعثمان النہدی کہتے ہیں کہ: مجھے یہ اطلاع دی گئی کہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام نبیٔ کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے ہیں جب کہ نبیٔ کریم ﷺ کے پاس اُمّ المؤمنین سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی موجود تھیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ باتیں کرنے لگے، پھر اٹھ کھڑے ہوئے، نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت امِ سلمہؓ سے پوچھا: یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: یہ دحیۂ کلبی ہیں۔

سیدہ امِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ: اللہ کی قسم! میں نے یہی سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی دحیۂ کلبی آپ ﷺ سے محوِ گفتگو ہیں؛ لیکن جب میں نے نبیٔ کریم ﷺ کا خطبہ سنا اس میں آپ نے فرمایا کہ: مجھے یہ باتیں جبرئیل علیہ السلام نے بتائی ہیں، تو میں سن کر حیران رہ گئی، جسے میں نے دحیۂ کلبی سمجھا وہ دراصل جبرئیل علیہ السلام تھے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ: اس حدیث سے سیدہ امِ سلمہؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۳۳۳)

نزولِ حجاب

اسی سال آیتِ حجاب نازل ہوئی، اس سے پہلے ازواجِ مطہراتؓ اعزّہ واقارب کے روبرو آجایا کرتی تھیں؛ لیکن اب خاص خاص کے سوا تمام سے پردہ کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت ابن امِ مکتومؓ قبیلۂ قریش کے ایک معزز صحابی اور دربارِ رسالت کے مؤذن تھے، چوں کہ نابینا تھے؛ اس لیے ازواجِ مطہراتؓ کے حجروں میں آتے جاتے تھے۔ ایک دن آئے تو آپ ﷺ نے حضرت امِ سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ سے فرمایا: ان سے پردہ کرو، تو وہ کہنے لگیں:

یارسول اللہ! یہ تو نابینا ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم تو نابینا نہیں ہو، تم تو انہیں دیکھ سکتی ہو۔

واقعۂ ایلا

۹ھ میں واقعۂ ایلا پیش آیا، جس میں حضرت عمرؓ نے اولاً حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تنبیہ کی، پھر حضرت امِ سلمہؓ کے پاس بھی آئے، آپ ان کی رشتہ دار ہوتی تھیں، آپؓ سے بھی گفتگو کی تو آپؓ نے جواب دیا: ”عجبا لك يا ابن الخطاب! دخلت في كل شيء حتى تبتغي أن تدخل بين رسول الله وأزواجه“. عمر! تم ہر معاملے میں دخل دینے لگے، یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو۔ چوں کہ جواب نہایت تلخ تھا اس لیے حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے، اور اٹھ کر چلے گئے۔ پھر رات کو یہ خبر مشہور ہوئی کہ آں حضرت ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی، صبح کو حضرت عمرؓ آں حضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور تمام واقعہ بیان کیا، جب حضرت امِ سلمہؓ کا قول نقل کیا تو آپ مسکرا اٹھے۔ (سیر الصحابیات: ۶۲-۶۳)

واقعۂ حجۃ الوداع

۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر اگرچہ حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علیل تھیں، تاہم ساتھ آئیں، غلام اونٹ کی نکیل تھامے ہوئے تھا، آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جب غلام مکاتب کے پاس اس قدر مال موجود ہو کہ وہ اس کو ادا کر کے آزاد ہوسکتا ہو تو اس سے پردہ ضروری ہو جاتا ہے۔

اور اسی موقع کا یہ واقعہ ہے کہ: جس وقت حج سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے مدینہ کا ارادہ کیا اس وقت تک بیماری کی وجہ سے حضرت امِ سلمہؓ نے طوافِ وداع نہیں کیا تھا، انہوں نے آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے طواف کے متعلق فرمایا کہ: جب نمازِ فجر قائم ہو تو اونٹ پر سوار ہو کر طواف کر لینا۔ چناں چہ حضرت امِ سلمہؓ نے ایسا ہی کیا، اس وقت

آپ ﷺ بیت اللہ شریف کے صحن میں امامت فرما رہے تھے اور سورۂ طور پڑھ رہے تھے۔

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے؟ تو آپ نے مکۂ مکرمہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: عورتوں کا جہاد یہ ہے ''یعنی حج کرنا''۔

حضور ﷺ کی محبت

حضرت امِ سلمہؓ سے حضورِ پُر نور ﷺ کو بے انتہا محبت بھی تھی جس کی بنا پر ان کی باری والی رات میں آپ کے مصلّے کے سامنے ان کا بستر بچھا کرتا تھا، آپ نماز میں مشغول رہتے اور وہ سامنے ہوتیں۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ: حضور ﷺ روزانہ نمازِ عصر کے بعد ازواجِ مطہرات کی خیریت دریافت فرمانے کے لیے ان کے حجروں میں تشریف لے جایا کرتے اور دورے کا آغاز حضرت امِ سلمہؓ کے مکان سے کرتے، چوں کہ وہ عمر میں دیگر ازواج سے بڑی تھیں اور اختتام میرے حجرے پر ہوتا۔ (امہات المؤمنین: ۴۷۲-۴۷۳)

سیدہ امِ سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کی

ابنِ اسحاق فرماتے ہیں کہ: ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اپنے بھائی عبد اللہ بن ابی امیہ کو لے کر مکّہ اور مدینۂ منورہ کے درمیان ''نبق العقاب'' نامی جگہ پر نبیٔ کریم ﷺ کے پاس آئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے ملنا چاہتے تھے۔ سیدہ امِ سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: ایک آپ کے چچا کا بیٹا ہے اور دوسرا آپ کا نسبتی برادر ہے، دونوں آپ سے ملاقات کے متمنی ہیں۔ آپ ان کو اجازت دے دیں کہ یہ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو جائیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ان سے نہیں ملنا چاہتا ہوں۔ میرے چچا کے بیٹے ابوسفیان بن حارث نے میری عزت کو پامال کیا ہے اور

میرے نسبتی برادر نے بھی میرے خلاف زبان درازی کی ہے۔

ابوسفیان بن حارث کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا بیٹا بھی تھا، اسے جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ملاقات سے انکار کر دیا ہے تو اس نے کہا: اگر مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت نہ ملی تو میں اپنے اس بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر بہ طورِ احتجاج جنگل کی طرف نکل جاؤں گا اور وہاں ہم بھوکے پیاسے مر جائیں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا کہ ابوسفیان نے مایوس و نامراد ہو کر یہ فیصلہ کیا ہے تو آپ کو ترس آ گیا۔ آپ ﷺ نے دونوں کو ملاقات کی اجازت دے دی۔ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ پھر فتحِ مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں شریک ہوئے۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں:۳۳۲)

حبِ نبوی ﷺ

حضرت امِ سلمہؓ کی نبیٔ کریم ﷺ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے موئے مبارک چاندی کی ڈبی میں جمع کر رکھے تھے، بخاری شریف میں ہے کہ صحابہ میں سے جب کسی کو کوئی تکلیف یا بیماری لاحق ہوتی تو پانی کا بھرا ہوا پیالہ لے کر حضرت امِ سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا وہ موئے مبارک ڈبی سے نکال کر پانی میں ہلا دیتیں، اس کی برکت سے تکلیف دور ہو جاتی۔ (تذکارِ صحابیات:۶۸)

اسی بے پناہ محبت وعقیدت کا یہ اثر تھا: مسند احمد بن حنبل میں روایت ہے کہ ۶۱ھ میں جس دن حضرت حسین نے اپنے عظیم المرتبت رفقا کے ساتھ دشتِ کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا، حضرت امِ سلمہؓ نے خواب میں دیکھا کہ رحمتِ عالم ﷺ تشریف لائے ہیں، سر اور ریش مبارک غبار آلود ہیں اور آپ بہت غمزدہ ہیں۔ حضرت امِ سلمہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا حال ہے؟ فرمایا: حسین کے مقتل سے آ رہا ہوں۔ حضرت امِ سلمہؓ کی آنکھ کھل گئی،

بے اختیار رونے لگیں اور بلند آواز سے بولیں: عراقیوں نے حسین کو قتل کیا، خدا انہیں قتل کرے، انہوں نے حسین سے دغا کی، خدا ان پر لعنت کرے۔ (تذکارِ صحابیات: ۷۹-۸۰)

سفینہ، حضرت ام سلمہؓ کے غلام تھے، آپؓ نے سفینہ کو اس شرط پر آزاد کر دیا کہ وہ زندگی بھر نبی کریم ﷺ کی خدمت کریں گے۔

محبت اس حد تک بڑھ گئی کہ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ نے ایک سونے کا ہار پہن لیا، حضور ﷺ نے اس کو ناپسند فرمایا، تو آپ نے اسے توڑ پھینکا۔ (ازواجِ مطہرات حیات وخدمات: ۳۴)

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ ۱۱ھ میں سرورِ عالم ﷺ بیمار ہوئے، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کی خبر گیری کے لیے اکثر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں جاتیں، ایک دن حضور کو بہت علیل اور سخت تکلیف میں دیکھا تو ان کی چیخ نکل گئی، حضور ﷺ نے منع فرمایا کہ: مصیبت میں چیخنا مسلمانوں کے لیے مناسب نہیں۔

ایک دن مرض سخت ہوا تو ازواج نے دوا پلانا چاہی، آپ کو گوارا نہ تھا؛ اس لیے آپ نے انکار فرمایا؛ لیکن جب غشی طاری ہوئی تو حضرت ام سلمہؓ اور اسما بنتِ عمیسؓ نے دوا پلا دی۔ (سیر الصحابیات: ۶۳-۶۴)

تم بہتر مقام پر ہے

سیدہ ام سلمہؓ کے صاحبزادے اور نبی کریم ﷺ کے پروردہ سیدنا عمر بن ابی سلمہؓ کہتے ہیں کہ: یہ آیت سیدہ ام سلمہؓ کے گھر نازل ہوئی: ﴿إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا﴾ (الأحزاب: ٣٣)

”اے اہلِ بیت! بلا شبہ اللہ تعالیٰ تم سے پلیدگی کو ختم کر دینا چاہتا ہے، اور تمہیں خوب اچھی طرح پاک کر دینا چاہتا ہے“۔

نبی کریم ﷺ نے فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو اپنے پاس بلایا اور انہیں چادر

میں ڈھانپ لیا، سیدنا علی بن ابی طالبؓ ان کے پیچھے کھڑے تھے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی اپنی چادر میں ڈھانپ لیا اور پھر ان سب کے بارے میں ارشاد فرمایا: "اللھم ھؤلاء أھل بیتي فاذھب عنھم الرجس وطھرھم". "الٰہی! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، ان سے پلیدگی کو ختم کردے اور انہیں خوب اچھی طرح پاک صاف کردے"۔

سیدہ امِ سلمہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں بھی تو ان کے ساتھ ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا اپنا مقام ومرتبہ ہے اور تم بہتر مقام پر فائز ہو۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۳۲۷)

اولاد

رسولِ کریم ﷺ کے صلبِ مبارک سے ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، البتہ چار بچے (دولڑکے، دولڑکیاں) ابوسلمہ سے تھے جن کا نام: سلمہ، عمر، درّہ اور زینب ہے۔

حضور ﷺ سے نکاح کے بعد بھی انہوں نے اپنے شوہر کی اولاد کی پرورش نہایت شفقت وتوجہ سے کی، ایک دفعہ رسولِ کریم ﷺ سے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! مجھے ان بچوں کی پرورش کا اجر ملے گا؟ فرمایا: ہاں۔ (سیر الصحابیات: ۶۵)

اولاد کی تفصیلات درجِ ذیل ہیں:

سلمہ: حبشہ میں پیدا ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کا نکاح حضرت حمزہؓ کی دخترِ نیک اختر امامہ سے کیا تھا۔

عمر: راجح قول کے مطابق یہ سب سے چھوٹے اور دوسرے نمبر کے صاحبزادے تھے، حضورِ پُرنور ﷺ نے جب حضرت امِ سلمہؓ سے نکاح کیا تو اپنی والدہ کے ساتھ یہ بھی آئے اور آپ کی کفالت وپرورش میں رہے۔ ایک دن آپ کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے بچوں کی عام عادت کے مطابق ہر طرف ہاتھ گھمانے لگے، تو آپ نے کھانے کا طریقہ سکھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: پیارے بیٹے! قریب آجاؤ، بسم اللہ پڑھو، داہنے

ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے کھاؤ۔ یہ عمر بعد میں چل کر حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں بحرین اور فارس کے عامل بنے۔

درّہ: یہ آپؓ کی صاحبزادی ہیں اور ترتیب میں تیسرے نمبر پر ہیں۔ ان کے متعلق سیدہ امِ حبیبہؓ نے حضور ﷺ سے سوال کیا تھا: یا رسول اللہ! ہم نے سنا ہے کہ آپ درّہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا امِ سلمہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے؟ اور کہا: اگر امِ سلمہ میرے نکاح میں نہ ہوتیں تو بھی میرا نکاح ان سے درست نہ ہوتا؛ اس لیے کہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہیں۔

زینب: یہ سب سے چھوٹی صاحبزادی اور آخری اولاد ہیں، وفاتِ ابوسلمہ کے وقت یہ رحمِ امِ سلمہ میں تھیں، ان کی ولادت کے ساتھ امِ سلمہ کی عدت ختم ہوئی۔ ان کا نام ''برّہ'' رکھا گیا تھا؛ لیکن آپ ﷺ نے اسے تبدیل کر کے زینب رکھ دیا اور برّہ نام رکھنے سے منع فرمایا۔ حضرت زینب فقہ وفتاویٰ میں شہرت یافتہ تھیں۔ ان کو حضرت اسماء بنتِ ابوبکرؓ نے دودھ پلایا تھا۔ انتہائی بڑھاپے میں بھی ان کے چہرے پر رونق باقی تھی، جس کی وجہ یہ بنی کہ حضورِ پُرنور ﷺ جب حضرت امِ سلمہؓ کے یہاں غسل کرتے تو یہ آپ کے پاس کھڑی ہو جاتیں اور آپ ان کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار دیا کرتے۔ (تذکارِ صحابیات: ۸۰-۸۱)

حلیۂ مبارکہ

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین تھیں، حسنِ باطن سے مالا مال ہونے کے ساتھ حسنِ ظاہر سے بھی آراستہ تھیں۔ حافظ ابن حجر نے ''كانت أم سلمة بالجمال البارع'' کا جملہ استعمال کیا ہے، (حضرت امِ سلمہؓ نہایت حسین وخوبصورت تھیں)۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضورِ انور ﷺ نے جب امِ سلمہؓ سے نکاح کیا تو مجھے بے حد غم لاحق ہوا؛ کیوں کہ ان کے حسن وجمال کی میں نے بڑی شہرت سن رکھی

تھی، پھر فرماتی ہیں: جب میں نے انہیں دیکھا تو واقعتاً جتنی شہرت سن رکھی تھی اس سے کئی گنا زیادہ خوبصورت پایا۔ سیدہ امِ سلمہؓ کے بال نہایت گھنے تھے۔ (سیر الصحابیات: ۶۵)

آپؓ کی وفات، نمازِ جنازہ اور تدفین

ام المؤمنین حضرت امِ سلمہؓ نے بہت لمبی عمر پائی، تمام امہات المؤمنین میں آپ سب سے اخیر میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں، آپ کے انتقال کے بعد عالمِ اسلام اپنی روحانی ماؤں کے پُر شفقت سائے سے محروم ہوگیا۔ آپ کے سنِ وفات کے سلسلے میں مؤرخین کے درمیان کافی اختلاف ہے؛ مگر مشہور قول کے مطابق ۸۴/ سال کی عمر پاکر واقعۂ حرہ کے سال ۶۳ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۳۵۵)

حضرت امِ سلمہؓ نے حضرت سعید بن زیدؓ سے نمازِ جنازہ پڑھانے کی وصیت غالباً اس وقت کی تھی جب وہ ۵۰ھ سے پہلے شدید بیمار پڑیں، اور زندگی سے مایوس ہوگئی تھیں؛ لیکن بفضلِ خداوندی وہ شفایاب ہوگئیں اور حضرت سعید بن زیدؓ کا انتقال ہوگیا۔

حضرت امِ سلمہؓ کی وفات کے وقت مدینہ کا گورنر ولید بن عتبہ (ابوسفیان کا پوتا) تھا، وہ اعمال کے اعتبار سے پسندیدہ نہ تھا؛ اس لیے اُمّ المؤمنین اس سے ناخوش تھیں، چوں کہ حضرت امِ سلمہؓ نے وصیت کی تھی کہ وہ میرے جنازے کی نماز نہ پڑھائے؛ اس لیے وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور اپنی جگہ حضرت ابوہریرہؓ کو بھیج دیا۔

چناں چہ حضرت ابوہریرہؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور بیٹوں سلمہ وعمر نے لحد میں اتارا، اور مدینہ کے معروف قبرستان جنّت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (ازواجِ مطہرات: ۲/۴۳)

اوصاف وکمالات

سخاوت

سخاوت وفیاضی میں سیدہ امِ سلمہؓ اپنے والد کے مانند تھیں، گویا کہ سخاوت ان کو

والد کی وراثت میں حاصل ہوئی ہو، ضرورت مندوں، مسکینوں اور سائلوں کی حاجتیں پوری کرنا ان کا شیوہ تھا، کوئی سائل ان کے گھر سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا، زیادہ نہ ہوتا تو تھوڑا یا جو کچھ بھی ہوتا سائل کو دے دیتیں۔حکومت نے بارہ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا؛ لیکن آپ اس رقم کا بیشتر حصہ خدا کے بندوں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔

خود بھی فیاض تھیں ارد وسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں۔ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حاضرِ خدمت ہوکر کہا: اماں جان! میرے پاس اس قدر مال جمع ہوگیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے، جواب دیا: بیٹا! اس کو خرچ کرتے رہا کرو۔

اخلاق وعادات

حضرت امِ سلمہؓ نے ہمیشہ زہد وتقویٰ کے ساتھ زندگی گزاری، ثواب اور نیکی کے کاموں کو پسند کرتیں، نہایت متقی اور عبادت گذار خاتون تھیں، ہر مہینے تین روزے بالالتزام رکھتیں، دنیاداری کی طرف چنداں توجہ نہ تھی، اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو بڑے ہی شوق سے سنتیں اور اس پر عمل کرتیں، امر ونواہی کا بڑا خیال رکھتیں اور کسی کو خلافِ سنت وخلافِ مستحب کام کرتے دیکھتیں تو متنبہ فرماتیں، نیز آپ بڑی صابر و متحمل بھی تھیں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ کا طرۂ امتیاز تھا، بعض امرا نے نماز کے اوقات میں تغیر وتبدیلی کی یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیے، تو حضرت امِ سلمہؓ نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ: آں حضرت ﷺ ظہر کی نماز جلد پڑھا کرتے تھے اور تم لوگ نمازِ عصر جلدی ادا کرتے ہو۔ (سیر الصحابیات: ۶۹)

ایک دن آپؓ کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی، سجدہ گاہ غبار آلود تھی تو وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑنے لگے، آپؓ نے انہیں روکا کہ یہ فعل حضور ﷺ کی روِش کے

خلاف ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کے ایک غلام نے بھی ایک مرتبہ ایسا ہی کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ترب وجهك الله"، خدا کرے کہ تیرا چہرہ غبار آلود ہو۔ (سیر الصحابیات: ۶۹)

عمر بن سعید بن ابوالحسین کہتے ہیں کہ: مجھے میری والدہ نے میرے والد کے حوالے سے بتایا، وہ فرماتے ہیں کہ: میں سیدہ امِ سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں اس وقت چھوٹا تھا، میں نے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ سیدہ امِ سلمہؓ نے اپنی کنیز کو حکم دیا کہ اس لڑکے کے ہاتھ سے سونے کی انگوٹھی اتار لیں اور اسے اس کے گھر والوں کے پاس لے جائیں اور انہیں یہ کہیں کہ اس کی جگہ چاندی کی انگوٹھی بنا کر پہنائیں۔ کنیز نے کہا کہ: گھر والوں کو تو اس انگوٹھی کی ضرورت نہیں، تو حضرت امِ سلمہؓ نے فرمایا کہ: پھر یہ انگوٹھی صدقے میں دے دیں، اور اس کے لیے چاندی کی انگوٹھی بنوائی؛ کیوں کہ مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننا شرعاً ممنوع ہے۔

حضرت عثمان بن عفانؓ کو بہ حیثیت روحانی ولد کے نصیحت کرنا

حضرت امِ سلمہؓ نے سیدنا عثمان بن عفانؓ کو ان کے عہدِ خلافت میں نصیحت فرمائی کہ: بیٹا! میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہاری رعایا تم سے نفرت کا اظہار کر رہی ہے، تم رسول اللہ اور ابوبکر وعمر کے پسندیدہ طرزِ عمل کو اختیار کرو اور اس سے سرِ مو بھی انحراف نہ کرو، میں تم کو ایک ماں کی حیثیت سے یہ کہہ رہی ہوں، تمہارے لیے ضروری ہے کہ میری اس نصیحت پر عمل پیرا ہوں۔ سیدنا عثمانؓ نے فرمایا: اماں جان! آپ نے نصیحت کا حق ادا کر دیا، میں اس نصیحت کو ہر دم پیشِ نظر رکھوں گا، میرے خلاف بلویٰ کرنے والے شیطان کے بہکاوے میں آئے ہوئے ہیں، کسی نے ان نادانوں کو نہیں سمجھایا کہ عقل کے ناخن لیں اور بُرے بھلے کی تمیز کا سلیقہ سیکھیں، نہ ان کی زبانوں پر لگام ہے اور نہ ان کے دلوں پر، اب میرے اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ فرمائیں گے کہ کون

حق پر تھا اور کون باطل پر، اس دن کوئی معذرت پیش نہ کر سکے گا۔

سیدہ امِ سلمہؓ اور نزولِ قرآن

ایک دن سیدہ امِ سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ: یارسول اللہ! مرد جنگ کرتے ہیں اور ہم عورتیں جنگ نہیں کرتیں، اور ہم عورتوں کا میراث میں مردوں کی نسبت آدھا حصہ رکھا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کردی: ﴿الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم علىٰ بعض﴾ (النساء: ٤/ ٣٦) ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں بہ سبب اس کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی''۔

مفسرِ قرآن حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ: سیدہ امِ سلمہؓ کے ہاں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿إن المسلمين والمسلمٰت والمؤمنين والمؤمنات﴾ (الأحزاب: ٣٣ – ٣٥)

''بلاشبہ مسلمان مرد اور عورتیں مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں''۔

سیدہ امِ سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! ہجرت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا ذکر نہیں کیا، کم از کم میں نے یہ تذکرہ نہیں سنا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کردی: ﴿فاستجاب لهم ربهم أني لاأضيع عمل عامل منكم من ذكر أو أنثىٰ﴾ (آلِ عمران: ٣/ ١٩٥)

''تو جواب میں ان کے رب نے فرمایا: میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع کرنے والا نہیں، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۳۲۹)

ذہانت وذکاوت

حضرت امِ سلمہؓ صاحبِ بصیرت اور اجتہادی شان کی حامل تھیں، قرآنِ کریم

واحادیثِ نبویہ سے احکامات کے استنباط کی عظیم صلاحیت ان میں موجود تھی، حضور ﷺ سے بھی موقع بہ موقع استفسار فرمایا کرتی تھیں؛ البتہ مسائل کا جواب دینے میں بے حد احتیاط کرتیں اور انتہائی غور وتدبّر کے بعد جواب دیا کرتیں؛ بلکہ ضرورت کے موقع سے تائید بھی کروالیا کرتی تھیں، نیز آپ ﷺ کے مشیروں میں ان کا شمار تھا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آں حضرت ﷺ کو بڑی الجھن پیش آئی تو اس وقت بھی حضرت ام سلمہؓ نے اس گتھی کو سلجھایا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اُس موقع پر جب آپ نے عمرہ کرنے کی بجائے احرام کھولنے کا حکم دیا تو طبیعتیں احرام کے کھولنے کو گوارا نہیں کر رہی تھیں، چوں کہ اس میں سفر کا ضیاع اور تمنا کا پورا نہ ہونا صاف نظر آ رہا تھا؛ لہذا اس بات پر کوئی بھی تیار نہ ہوا، اس پر سرکار ﷺ کو بہت رنج ہوا کہ کوئی بھی بات ماننے کا تیار نہیں، تب حضرت امِ سلمہؓ نے فرمایا: اے اللہ کے نبی! اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ سب احرام کھول دیں تو آپ باہر نکل کر جانور کو ذبح فرمادیں اور بال مونڈنے والے کو بلاکر اپنے بال منڈوالیں۔ چناں چہ آپؐ نے ایسا ہی کیا، جب صحابہ نے یہ ماجرا دیکھا تو انہوں نے بھی حضور ﷺ کی دیکھا دیکھی ایسا ہی کیا۔ (امتِ مسلمہ کی مائیں: ۱۰۹)

حضرت امِ سلمہؓ کا یہ خیال ''علم النفس'' کے ایک بڑے مسئلے کو واضح کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں آپؓ کو کس درجہ کمال حاصل تھا۔ امام الحرمین فرمایا کرتے تھے کہ: صنفِ نازک کی پوری تاریخ اصابتِ رائے کی ایسی عظیم الشان مثال پیش نہیں کرسکتی۔ (سیر الصحابیات: ٦٢)

وفات سے پہلے آں حضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کے کان میں رازدارانہ طور پر کچھ باتیں کہی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے بے تاب ہوکر اسی وقت پوچھنا شروع کردیا؛ مگر سیدہ امِ سلمہؓ معاملہ فہم تھیں؛ اس لیے توقف کیا اور آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد پوچھا۔ (سیر الصحابیات: ٦٤)

ایک مرتبہ چند صحابہؓ نے دریافت کیا کہ آں حضرت ﷺ کی اندرونی زندگی کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیے، سیدہ نے جواب دیا: آپ کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔ آں حضرت ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ سے واقعہ بیان کیا، فرمایا: تم نے بہت اچھا کیا۔ (سیر الصحابیات:۶۸)

جنّت کی بشارت

بیعتِ رضوان میں شریک ہونے سے آپ بھی ان مقدس لوگوں میں شامل ہوگئیں جنہیں حضور ﷺ نے جنّت کی بشارت عنایت فرمائی۔ ویسے بھی حضور ﷺ کی جملہ ازواج کے لیے جنّت کی عمومی بشارت ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف جنّتی خاتون سے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں:۳۰۵)

روایات کی تصحیح اور ان کی وضاحت

بعض کتبِ سیر میں لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، مروان نے پوچھا: آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: آپ ﷺ بھی پڑھا کرتے تھے، اور چوں کہ یہ حدیث انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سن رکھی تھی۔ مروان نے ان کے پاس تصدیق کے لیے آدمی بھیجا، جب وہ آدمی حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے حضرت امِ سلمہؓ کا حوالہ دیا اور کہا کہ: یہ حدیث مجھے ان سے پہنچی ہے۔ حضرت امِ سلمہؓ کے پاس آدمی بھیجا گیا اور یہ قول نقل کیا تو وہ بولیں: ”یغفر الله لعائشة لقد وضعت أمر علىٰ غير موضعه أو لم أخبرها أن رسول الله ﷺ قد نهىٰ عنهما“. خدا عائشہ کی مغفرت کرے، انہوں نے بات نہیں سمجھی، کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ آں حضرت ﷺ نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ (سیر الصحابیات:۶۷)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کا خیال تھا کہ حالتِ جنابت میں رمضان کا روزہ نہیں رکھ سکتے۔ ایک شخص نے جا کر حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ سے پوچھا، دونوں نے کہا کہ: آپ ﷺ خود حالتِ جنابت میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے سنا تو ہوش وحواس اڑ گئے اور رنگ فق ہوگیا اور کہا: میں کیا کروں، فضل بن عباس نے مجھ کو اسی طرح بیان کیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ سیدات کو زیادہ علم ہوگا، اس خیال سے انہوں نے رجوع کیا۔

اسی طرح ایک شخص کو کوئی مسئلہ بتایا مگر اس کو تسکین نہ ہوئی تو وہ دوسری ازواج کے پاس گیا، سب نے ایک ہی جواب دیا، پھر وہ واپس آیا اور حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ خبر سنایا تو وہ بولیں: ہاں! میں نے اس کے متعلق نبیٔ کریم ﷺ سے حدیث سنی ہے۔

اسی طرح واقعۂ حرہ کے بارے میں بھی ہوا کہ ۶۳ھ کے بعد شامی لشکر مکّہ گیا، جہاں ابنِ زبیر پناہ گزیں تھے۔ چوں کہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں ایسے لشکر کا تذکرہ فرمایا تھا، اس لیے بعض حضرات کو شبہ ہوا۔ کسی نے حضرت امِ سلمہؓ سے دریافت کیا تو وہ بولیں: آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ: ایک شخص مکّہ میں پناہ لے گا، اس کے مقابلہ میں جو لشکر بیابان میں آئے گا وہیں دھنس جائے گا۔ حضرت امِ سلمہؓ سے پوچھا گیا کہ: جو لوگ جبراً اور زبردستی شریک کیے گئے ہوں گے وہ بھی؟ فرمایا: ہاں! لیکن قیامت میں اپنی نیتوں کے مطابق اٹھیں گے۔ حضرت جعفرؓ فرماتے تھے کہ: یہ واقعہ مدینہ کے میدان میں پیش آئے گا۔ (امہات المؤمنین: ۵۰۹-۵۱۰)

اختلافات میں حکم بننا

کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ صحابۂ کرامؓ کے درمیان کسی مسئلے میں اختلاف ہوتا تو اُمّ المؤمنین امِ سلمہؓ حَکم بننے کا فریضہ انجام دیتیں اور جو فیصلہ کرتیں اسے ہر ایک تسلیم کرتا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف ہوا، کہ شوہر کے انتقال کے بعد اس کی حاملہ بیوی کی عدت کب پوری ہوگی؟ حضرت ابو ہریرہؓ کا فتویٰ تھا کہ وضعِ حمل عدت ہوگی، خواہ شوہر کی وفات کے معاً بعد ہی کیوں نہ ہو۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فتویٰ تھا کہ وضعِ حمل اگر چار مہینے دس دن سے پہلے ہوگیا تو مدت پوری کرنا ہوگی اور اگر مدت پوری ہوگئ؛ لیکن بچہ پیدا نہ ہوا تو عدت کے اختتام کے لیے بچہ کی پیدائش کا انتظار کیا جائے گا۔ دونوں کا فتویٰ اُمّ المؤمنین حضرت امِ سلمہؓ کے سامنے پیش کیا گیا، تو آپؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کے فتوے پر فیصلہ کیا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے فتویٰ سے رجوع کیا۔ (سیر الصحابیات:۶۶-۶۷)

علم کا شوق

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شوقِ علم اس قدر تھا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے تہبند کے متعلق فرمایا کہ: مردوں کا تہبند پنڈلی تک یا ٹخنوں سے کچھ اوپر ہونا چاہیے، حضرت امِ سلمہؓ نے عورتوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: پنڈلی سے ایک بالشت نیچے، حضرت امِ سلمہؓ نے عرض کیا: ایڑی تو دکھے گی، پھر آپ نے فرمایا: ایک ہاتھ سے زیادہ نہیں۔

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کے اقوال وافعال اور اداؤں کو محفوظ کرنے کی پوری کوشش کرتی تھیں، چناں چہ وہ غزوۂ خندق میں شریک تو نہ تھیں مگر آپ کے اس قدر قریب تھیں کہ بہ آسانی آواز سن سکتی تھیں، بیان فرماتی ہیں کہ: مجھے وہ منظر اچھی طرح یاد ہے جب آپ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے اور سینۂ اطہر کے بال گرد آلود تھے، ساتھ ہی ساتھ یہ دعائیہ اشعار بھی پڑھ رہے تھے:

اللهم إن الخير خير الآخرة　　فاغفر الأنصار والمهاجرة

اسی دوران آپ کی نظر حضرت عمارؓ پر پڑی تو فرمایا: ابنِ سمیہ! افسوس تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

اس طرح غزوۂ خیبر میں بھی حضور پُر نور ﷺ کے ساتھ تھیں اور اس قدر قریب تھیں کہ مشہور یہودی سپہ سالار مرحب کے دانتوں پر جب تلوار پڑی تو کڑ کڑاہٹ کی آواز سن رہی تھیں۔

اور آپؓ کو غزوۂ مریسیع، خیبر، فتحِ مکہ، صلحِ حدیبیہ، معرکۂ طائف، غزوۂ حنین میں رسول اللہ ﷺ کی ہمراہیت کا شرف حاصل ہوا۔ (ازواجِ مطہرات وصحابیات کا انسائیکلوپیڈیا: ۱۶۸)

حدیث کا شوق

اسی طرح حضرت امِ سلمہؓ کو حدیث سننے کا بھی بہت جذبہ وولولہ تھا، ایک دن بال گندھوا رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دینا شروع کیا، ابھی زبانِ مبارک سے ”أيها الناس“ ہی نکلا تھا کہ مشاطہ کو حکم دیا کہ بال باندھ دو، اس نے کہا: اتنی بھی کیا جلدی ہے، ابھی تو حضور نے ”أيها الناس“ ہی فرمایا ہے، حضرت امِ سلمہؓ فوراً کھڑی ہو گئیں اور اپنے بال خود باندھ لیے اور برہمی سے بولیں: کیا ہم ”أيها الناس“ (اے لوگو!) میں شامل نہیں ہیں؟ اس کے بعد بڑے انہماک سے پورا خطبہ سنا۔

شہر بن حوشب نے حضرت امِ سلمہؓ سے پوچھا کہ: آپ کے یہاں حضور کونسی دعا بہ کثرت پڑھتے تھے؟ جواب دیا کہ: آپ اکثر ”يا مقلب القلوب ثبت قلبي علىٰ دينك“ پڑھتے تھے، میں نے آپ سے اس دعا کو بہ کثرت پڑھنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ:

اے امِ سلمہ! ہر آدمی کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جس کے دل کو چاہتا ہے راہِ راست سے پھیر دیتا ہے۔ (امہات المؤمنین: ۴۸۳)

علمی مقام ومرتبہ

علمی حیثیت سے اگرچہ تمام ازواج اپنی مثال آپ تھیں، تاہم حضرت عائشہؓ اور حضرت امِ سلمہؓ کا ان میں کوئی جواب نہ تھا، چناں چہ حضرت محمود بن لبیدؓ کہتے ہیں: ”كان أزواج النبي ﷺ يحفظن من حيث النبي ﷺ كثيرا و لا مثلا لعائشة وأم مسلمة“. ترجمہ: آں حضرت ﷺ کی تمام ازواج احادیث کا مخزن تھیں؛ تاہم عائشہ اورامِ سلمہ کا ان میں کوئی حریف ومقابل نہ تھا۔

مروان بن حکم ان سے مسائل دریافت کرتا اور علانیہ کہتا: ”كيف نسئل أحدا وفينا أزواج النبي ﷺ“ آں حضرت ﷺ کی ازواج کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں۔ (خواتینِ اسلام کی دینی وعلمی خدمات: ۱۵۳)

حضرت ابوہریرہؓ اور ابنِ عباسؓ دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے دریائے فیض سے مستغنی نہ تھے۔

علمِ اسرار

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حدیث وفقہ کے علاوہ اسرار (پوشیدہ باتوں) کا بھی علم تھا، اور یہ وہ فن تھا جس کے حضرت حذیفہ عالمِ خصوصی تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ آپ کے پاس آئے تو بولیں: آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے: بعض صحابہ ایسے ہیں جن کو اپنے انتقال کے بعد نہ میں دیکھوں گا اور نہ وہ مجھے دیکھ سکیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف گھبرا کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث بیان کی۔ حضرت عمرؓ حضرت امِ سلمہؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا: خدا کی قسم! سچ سچ کہنا، کیا میں انہیں میں ہوں؟ آپ نے کہا: نہیں، لیکن میں تمہارے علاوہ کسی کو مستثنیٰ نہیں کروں گی۔ (امہات المؤمنین: ۵۰۹)

علمِ قراءت

ان علوم ومعارف کے ساتھ ساتھ انہیں قراءتِ قرآنِ کریم سے بھی بڑا لگاؤ تھا، گویا کہ قراءتِ قرآن ان کا اوڑھنا بچھونا ہی بن گیا تھا، طرزِ محبوب ﷺ کو اچھی طرح سے محفوظ کر رکھا تھا اور آپ کے طرز کی مشق کر رکھی تھی۔ ایک دفعہ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ: حضورِ پُرنور ﷺ قراءت کس طرح کیا کرتے تھے؟ تو فرمایا: ایک ایک آیت الگ الگ کر کے پڑھتے تھے اور پھر پڑھ کر سنایا۔ آپ کے غلام شیبہ بن نصاح بن سرجس بن یعقوب اپنے زمانے میں اہلِ مدینہ کے امام القراء تھے، مشہور امامِ قراءت حضرت نافع مولیٰ بن عمر تجوید وقراءت میں ان ہی کے شاگرد ہیں۔

(خواتینِ اسلام کی دینی وعلمی خدمات: ۱۶۵)

مرویّات وفتاویٰ

حضرت امِ سلمہؓ سے ۳۷۸/حدیثیں مروی ہیں، بخاری ومسلم میں ۲۹/روایات مروی ہیں، ۱۳/متفق علیہ ہیں۔ فضل وکمال میں حضرت عائشہؓ کے بعد انہیں کا درجہ مانا جاتا ہے۔ علّامہ ابنِ قیمؒ کا بیان ہے کہ: حضرت امِ سلمہؓ کے فتاویٰ کو اگر جمع کیا جائے تو ایک رسالہ تیار ہو سکتا ہے اور آپ کے فتاویٰ بالعموم متفق علیہ ہیں۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۳۴۳)

آپ کے تلامذہ

آپ کے تلامذہ وشاگردان بے شمار ہیں جن میں سے مشہور یہ ہیں:

عبد الرحمٰن بن ابوبکر، اسامہ بن زید، مصعب بن عبد اللہ، شعبہ، ابن شعبہ، ابوبکر، سعید بن مسیّب، سلمان ابن یسار، ابوعثمان النہدی، ابوسلمہ، حمید، ابو وائل، صفیہ بنت محصن، عبد اللہ بن رافع، حضرت سفینہ، خیرہ (والدۂ حسن بصری)، نافع، شعبی، عکرمہ، ابوبکر بن عبد الرحمٰن، عثمان بن عبد اللہ بن موہب، عروہ بن زبیر، کریم مولیٰ بن عباس،

صفیہ بنت شیبہ، ہند بنت حارث الفراسیہ، قبیصہ بن ذویب، عبداللہ بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم اجمعین ۔(امہات المؤمنین:۵۱۵)

ہمیں حضرت امِ سلمہؓ کی زندگی سے یہ پیغام ملتا ہے کہ زندگی صبر وتحمل، استقلال واستقامت، عبادات واطاعت اور رضائے الٰہی کے کاموں میں گذارنا چاہیے، اگر زندگی اسی طرح گزاریں گےتو ان شاءاللہ ان ہی نیک طینت ہستیوں سے جاملیں گے، اوراگرآزاد زندگی گزاری، شریعت وسنت سے دور رہےاورفسق وفجوراورطغیان وعصیان کے شکار رہےتو کل قیامت کے دن ان بزرگ ہستیوں اوراپنی ان روحانی ماؤں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا اور ہمیشہ ہمیش کی دوزخ میں جلنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجھے، قارئین اور پوری امّت کوان مبارک ہستیوں کی زندگی پڑھنے اوراس پرعمل کرنے کی توفیق عطافرمائے، آمین۔

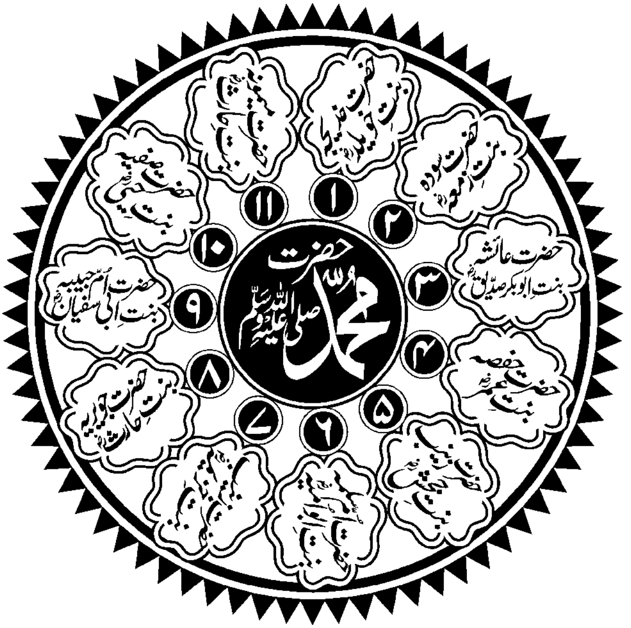

۷

اُمّ المومنین حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا

سوانحی خاکہ

نام	:	اُمّ المؤمنین حضرت زینبؓ۔
لقب	:	اُمّ المساکین۔
والد کا نام	:	خزیمہ بن عبداللہ۔ والدۂ محترمہ: ہند بنتِ عوف۔
ولادت	:	بعثتِ نبوی سے تیرہ یا پندرہ سال قبل شہرِ مکّہ میں ہوئی۔
قبولِ اسلام	:	اغلب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوگئی تھیں۔
ہجرت	:	اپنے شوہر حضرت عبیدہ بن حارثؓ کے ساتھ مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔
نکاح	:	آپ کے پہلے نکاح کے متعلق تین اقوال ہیں: (۱) ایک یہ کہ آپ کی پہلی شادی طفیل بن حارث بن عبدالمطلب سے ہوئی۔ (۲) دوسرا یہ کہ جہم بن عمرو بن حارث الہلالی سے ہوئی، ان کے بعد حضرت عبیدہ بن حارثؓ سے ہوئی۔ (۳) تیسرا یہ کہ سیدنا عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ ہوئی۔
آخری نکاح	:	تیس سال کی عمر میں رمضان ۳ھ میں حضور ﷺ سے ہوا۔
مہر	:	ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی۔
مدتِ رفاقت	:	تین یا آٹھ مہینہ۔
وفات	:	آپ ﷺ کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے آٹھ مہینے کے بعد ربیع الثانی ۴ھ میں وفات پائی۔
نمازِ جنازہ	:	نمازِ جنازہ خود آپ نے پڑھائی۔ مدفن: جنّت البقیع۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

عثمان غنی رامپوری

ازواجِ مطہرات میں سے جس خوش قسمت خاتون کو یہ منفرد اعزاز حاصل ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی حیاتِ مبارکہ میں اس دنیا سے رخصت فرمایا اور نمازِ جنازہ پڑھ کر ان کے لیے رحمت و مغفرت اور بلندیٔ درجات کی دعا فرمائی، وہ اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ خزیمہؓ ہیں، اگر چہ اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہؓ بھی آپ ﷺ کی زندگی میں ہی اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئی تھیں؛ لیکن اُس وقت تک میت کے لیے نمازِ جنازہ کی ادائیگی کا حکم شارعِ حقیقی کی طرف سے نہیں آیا تھا۔

ان اوراق میں حضرت زینب بنتِ خزیمہؓ کی حیاتِ طیبہ پر طالبِ علمانہ روشنی ڈالی گئی ہے اس امید کے ساتھ کہ یہ روشنی ہماری تاریک زندگیوں کے روشن ہونے کا ذریعہ ہوگی، ان شاء اللہ۔

نام و نسب

آپ کا نام زینب اور والد کا نام خزیمہ تھا۔ سلسلۂ نسب اصحابِ سیر نے اس طرح بیان کیا ہے: زینب بنتِ خزیمہ بن عبداللہ بن عمر بن عبدِ مناف بن ہلال بن عمار بن عامر صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن خنیس بن عیلان الہلالیہ۔ (ازواجِ مطہرات وصحابیات کا انسائیکلوپیڈیا: ۱۷۵)

آپ کی والدہ کا نام: ہند بنتِ عوف بن زہیر بن الحارث بن حماطہ تھا، یہ قبیلۂ بنو حِمیَر سے تعلق رکھتی تھی۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۲۹۶)

''ام المساکین''

آپؓ کا لقب ''ام المساکین'' تھا؛ اس لیے کہ آپؓ نہایت دریا دل اور کشادہ دست تھیں، ہر وقت بے کسوں کی امداد کے لیے کمر بستہ رہتی تھیں، فقرا و مساکین پر حد سے زیادہ مال و دولت تقسیم کرتی تھیں اور بے شمار سخاوت کرتی تھیں۔ ابن ابی خیثمہ کے بقول: حضرت زینبؓ زمانۂ جاہلیت میں بھی اسی لقب سے مشہور تھیں۔ پھر تاریخ میں یہی لقب ان کے نام کا لازمی حصہ بن گیا۔ (ازواجِ مطہرات: ۲۷۶)

''مجمع الزوائد'' اور ''اسد الغابہ'' میں زہری کے حوالے سے یہ عبارت منقول ہے: ''تزوج رسول الله ﷺ زينب بنت خزيمة الهلالية وهي أم المساكين''، ان کا یہ لقب مسکینوں کو بہ کثرت کھانا کھلانے کی وجہ سے پڑا تھا۔

علّامہ ابنِ کثیر لکھتے ہیں: ''وهي التي يقال لها أم المساكين لكثرة صدقاتها عليهم وبرّها إليهم وإحسانها إليهم'' یہ وہ خاتون ہیں جن کو ''ام المساکین'' کہا جاتا ہے، مساکین پر کثرتِ صدقات و خیرات، نیکی اور احسان کرنے کی وجہ سے۔

علّامہ قسطلانیؒ لکھتے ہیں: ''كانت تدعىٰ في الجاهلية أم المساكين'' زمانۂ جاہلیت میں بھی انہیں ''ام المساکین'' کہا جاتا تھا۔

عطاء بن یسار سیدہ زینب بنتِ خزیمہؓ ہلالیہ سے نقل کرتے ہیں کہ: میرے پاس ایک سیاہ رنگ کی لونڈی تھی، میں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! میں اسے آزاد کرنا چاہتی ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم اسے اپنے بھتیجوں یا بھائیوں کو کیوں نہیں دے دیتیں کہ وہ اس سے بکریاں چرانے کی خدمت لے لیں۔ (طبقات ابن سعد: ۹۴/۸)

ولادت و اسلام

سیدہ زینبؓ بعثتِ نبوی ﷺ سے تیرہ یا پندرہ سال قبل شہرِ مکّہ میں پیدا ہوئیں۔

آپؓ کے قبولِ اسلام کی تاریخ وپس منظر پردۂ خفا میں ہے، یعنی تعیین کے ساتھ معلوم نہیں کہ وہ نعمتِ اسلام سے کب مشرف ہوئیں؛ البتہ قرینِ قیاس یہی ہے کہ وہ سابقین اولین کی فہرست میں داخل ہیں؛ کیوں کہ فطرتاً نیک اور صالح طبع تھیں۔ (امہات المؤمنین: ۴۴۷)

نکاح

آپ کی شادی کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ پہلی شادی طفیل بن حارث بن عبدالمطلب کے ساتھ ہوئی، اور دلیل کے طور پر مؤرخین دورِ جاہلیت کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک دن لوگوں نے خزیمہ بن حارث کے مکان میں چھوٹی بچیوں کو دُف بجاتے ہوئے اور گیت گاتے ہوئے سنا، وہ شادی کا گیت گا رہی تھیں جس کی آواز فضا میں گونج رہی تھی، اس گیت کا مفہوم یہ تھا: آج خوشی کا دن ہے، ہماری بہت ہی چہیتی، دلہن بَن کو دوسرے گھر میں چلی جائے گی اپنے ماں باپ اور سہیلیوں کو فرقت کا داغ دے کر، وہ جہاں بھی رہے خوش رہے، اور اس کے آنگن میں بہاریں سدا پھول برساتی رہیں، آج خوشی کا دن ہے، گیت گانے کا دن ہے، سب مل کر گاؤ، آج ''ام المساکین'' اپنے دولہا کے ساتھ جا رہی ہیں۔ اسی اثنا میں برات آئی، طفیل بن حارث بن عبدِ مطلب سے زینب بنتِ خزیمہ کا نکاح ہو گیا اور پھر ڈولی رخصت ہو گئی، اور زینب اپنے عزیز واقارب کو جدائی کا داغ دے کر سسرال چلی گئیں۔ سب کا خیال تھا کہ اوصافِ حمیدہ کی مالک زینب کی زندگی بڑی حسین وخوشگوار گذرے گی؛ لیکن زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ طفیل بن حارث نے انہیں طلاق دے دی۔

اس طلاق کے بعد طفیل کے بھائی عبیدہ بن حارث نے سیدہ زینبؓ سے شادی کر لی۔ حضرت عبیدہؓ حضور ﷺ کے پردادا ہاشم کے سب سے چھوٹے بھائی عبدالمطلب

کے پوتے تھے، اس طرح رشتہ میں وہ آپ کے چچا ہوتے تھے۔ سیدہ زینبؓ کے شوہر حضرت عبیدہ بن حارث ایک بلند حوصلہ اور باہمت شخصیت کے حامل تھے، آپؓ ایسے دور میں ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے جب کہ دینِ اسلام کی کونپلیں پھوٹ رہی تھیں، اس وقت اسلام قبول کرنا ایسا تھا جیسے اپنے آپ کو آلام ومصائب کی بھیانک آگ کے حوالے کرنا، اس وقت حق کے شیدائیوں کی تعداد مٹھی بھر تھی، اور باطل پرست مشرکین کا ظلم وستم عروج پر تھا، تعلیم وتربیت کے آزادانہ مواقع میسر نہ تھے، اس لیے اللہ کے پیغمبر ﷺ نے اپنے چند صحابہؓ کے ہمراہ حضرت ارقمؓ کے مکان کو ''دارالتربیت'' بنایا جہاں یہ جاں نثار حاضر ہوکر آفتابِ نبوت ﷺ سے اکتسابِ فیض کرتے، ان خوش قسمت نفوس میں حضرت عبیدہ بن حارثؓ بھی شامل تھے۔

شعبِ ابی طالب کے خوفناک محاصرے میں حضرت عبیدہ اور ان کی زوجہ زینب نے بھی محصور رہ کر دلدوز مصائب وآلام کو جھیلا اور حق کی خاطر قربانیاں پیش کیں۔

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ حضرت عبیدہ بن حارثؓ کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جہم بن عمرو بن حارث الہلالی کے نکاح میں تھیں، یہ ان کے چچا کا بیٹا تھا۔

(۳) تیسری رائے یہ ہے کہ سیدہ زینب بنتِ خزیمہؓ کی پہلی شادی سیدنا عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ ہوئی اور جب وہ غزوۂ احد میں شہید ہوگئے تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئیں۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۳۰۱)

ہجرتِ مدینہ

جب خاتم النبیین ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، تو سیدہ زینبؓ بھی اپنے شوہر کے ہمراہ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں، ان کے شوہر حضرت عبیدہؓ کو اللہ کے دین اور رسول اللہ ﷺ سے جو عشق ولگاؤ تھا اس کی

وجہ سے وہ صحابۂ کرامؓ کے مابین بہت زیادہ معزز ومکرم سمجھے تھے، اور لوگ آپ کو ’’شیخ المہاجرین‘‘ کے لقب سے پکارتے تھے۔ (ازواجِ مطہرات:۲۷۹)

غزوۂ بدر

۱۷/ رمضان المبارک ۲ھ کو سرزمینِ بدر میں حق وباطل کا پہلا اور تاریخ ساز معرکہ شروع ہوا، تین سُورما: عتبہ، شیبہ اور ولید اپنی بہادری اور شجاعت پر اتراتے ہوئے میدان میں آئے اور ’’ھل من مبارز؟‘‘ کا نعرہ لگایا، سپہ سالارِ اعظم ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ کو حکم دیا کہ وہ خداوندِ قدّوس کی خوشنودی اور دین کی سربلندی کے لیے ان کے مقابلے میں نکلیں، چناں چہ حضرت علیؓ وحضرت حمزہؓ نے تو اپنے اپنے حریفوں کو قتل کرکے کافروں کے دل کو ہیبت زدہ کردیا؛ لیکن حضرت عبیدہؓ کے حریف عتبہ نے اپنی تلوار سے ان کے قدموں پر کاری وار کیا جس سے حضرت عبیدہؓ کا پاؤں سخت زخمی ہوگیا، یہ ماجرا دیکھ کر شیرانِ اسلام حضرت علیؓ وحمزہؓ اس کی جانب لپکے اور چشم زدن میں دشمن کو جہنم رسید کردیا۔

حضرت عبیدہؓ کو گہرا زخم لگا تھا، پنڈلی میں سے گودا باہر نکل آیا تھا، انہیں اسی حالت میں اٹھا کر حضور ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، ان کا جسم زخموں سے چور ہو چکا تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا سر اپنی گود میں رکھا اور خون ودھول میں اَٹا چہرہ صاف کرنے لگے، تڑپتے ہوئے عاشق نے لجاجانہ استفسار کیا: اے اللہ کے محبوب! کیا مجھے شہادت نصیب ہوگی؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں عبیدہ! یقیناً آپ شہید ہیں۔ یہ بشارت سن کر چہرۂ مبارک کھِل اٹھا اور کہا: آج اگر ابو طالب حیات ہوتے تو ان کو یقین ہوجاتا کہ میں ان کے اس شعر کا حقیقی مستحق ہوں: ہم محمد کی حفاظت کریں گے حتی کہ ان کی خاطر اپنی گردنیں دے دیں گے اور اپنے اہل وعیال سے بے نیاز ہوجائیں گے۔

یہ کہا اور گردن لڑھک گئی، "إنا لله وإنا إليه راجعون". بدر کے دامن میں آپ مدفون ہوئے، شہادت کے وقت آپ کی عمر تریسٹھ (٦٣) سال تھی۔ (ازواجِ مطہرات: ٢٨١)

حضرت زینبؓ قابلِ رشک عورت

حضرت زینبؓ کا یہ اعزاز و شرف کتنا قابلِ رشک ہے کہ آپ کو ایک ایسے مردِ مجاہد کی رفاقت نصیب ہوئی جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر اپنی پوری قوت اور توانائی لگا دی اور جس نے اپنے خون سے دینِ حق کے شجر کو پُرثمر بنایا، اگر چہ حضرت عبیدہؓ کی شہادت حضرت زینبؓ کے لیے تنہائی لائی؛ لیکن آپ نے اس صدمے کو بڑے صبر و ہمت سے برداشت کیا اور غم کے ماروں کو یہ پیغام دیا کہ اللہ کی دی ہوئی ہر مصیبت میں ثابت قدم رہنا چاہیے؛ کیوں کہ ہم سب اللہ کے بندے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔ (ازواجِ مطہرات: ٢٨٢)

حضرت عبداللہؓ بن جحش سے آپؓ کا نکاح

سیدہ زینبؓ کی جب عدّت ختم ہوئی تو آپؓ کا نکاح ایک اور جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا۔ حضرت عبداللہ قدیم الاسلام تھے، آپؓ نے راہِ خدا میں پہلے حبشہ کی جانب ہجرت کی اور پھر مدینہ کی جانب۔ رشتے میں آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور دینِ اسلام کے پُرجوش سپاہی تھے۔ غزوۂ احد سے ایک دن قبل اپنے محبوبِ حقیقی کی بارگاہ میں یہ التجا کی تھی کہ: اے میرے پروردگار! کل میرے مدِّ مقابل ایک ایسا آدمی لانا جو بڑا بہادر اور زبردست ہو، میں اس کے ساتھ مقابلہ کروں اور وہ میرے ساتھ لڑے، یہاں تک کہ میں لڑتے لڑتے اس کے ہاتھوں تیری راہ میں قتل کر دیا جاؤں، اور پھر وہ میرے ناک کان کاٹ ڈالے، پھر روزِ قیامت میں تجھ سے

ملوں، اور تو مجھ سے پوچھے کہ: تیرے ناک کان کہاں گئے؟ تو کہوں کہ: تیری راہ میں تیرے اور تیرے نبی کی خوشی کی خاطر کٹوا دیے۔

محبوبِ حقیقی کی راہ میں مرمٹنے کی پُرسوز اور پُراثر دعا دل کی گہرائیوں سے کچھ اس طرح نکلی تھی کہ خود اجابت اس کے استقبال کے لیے عرشِ بریں کی بلندیوں سے فرشِ زمین پر پہنچ گئی۔ (ازواجِ مطہرات: ۲۸۳)

غزوۂ احد اور سیدہ زینبؓ کی قربانی

دوسرے دن لڑائی کا آغاز ہوا تو سیدہ زینبؓ کے رفیقِ حیات بھی دوسرے مجاہدینِ اسلام کی طرح کفر و شرک کی طوفانی موجوں کے سامنے مضبوط چٹان بن کر کھڑے ہو گئے، اور بے جگری سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ ان پر ایک خونخوار کافر نے تلوار کا ایک ایسا حملہ کیا جس سے روح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملی۔ کافروں نے جوشِ غضب میں ان کے ناک کان کاٹ ڈالے، اور اس طرح اللہ کا یہ محبوب بندہ اپنی مراد کو پہنچ گیا، اسی بنا پر آپ تاریخِ اسلام میں "المجدع في الله" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ شہادت کے وقت عمرِ مبارک چالیس سال تھی، آپ ﷺ نے ان کو اپنے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کے ساتھ قبر میں دفن کیا۔ (تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے بیس جنتی صحابہ: از ص: ۲۶۵ تا ۲۹۲، ناشر: شعبۂ تقریر و تحریر، جامعہ ڈابھیل)

حضرت زینبؓ نے اس طرح دوسری مرتبہ اپنی متاعِ حیات مولائے عز و جل کے دربارِ عالی میں قربان کر دی۔

سخت ترین قربانیوں کا صلہ

سیدہ زینبؓ سب کچھ اللہ ربّ العزّت کی خدمتِ عالی میں قربان کر چکی تھیں، اور

اس دارِ فانی سے حاصل ہونے والی اپنی تمام تر سہولیات لٹا چکی تھیں، چناں چہ ان تمام قربانیوں کو اللہ رب العزت کے دربارِ عالی میں شرفِ قبولیت حاصل ہوئی، اور اب انہیں طبقۂ اناث کے اعلیٰ ترین اعزاز سے نوازنے کا فیصلہ کیا گیا۔ (ازواجِ مطہرات:۲۸۴)

''ام المؤمنین'' بننے کا شرف

حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی وفات کے بعد سیدہ زینبؓ مادّی اور ظاہری سہاروں سے محروم ہو چکی تھیں؛ لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی رحمت کب گوارا کر سکتی تھی کہ اللہ کی ایک ایسی بندی جس نے دین کے خاطر سب کچھ قربان کر دیا تھا، وہ مایوسی اور ناامیدی کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں گم ہو کر رہ جائے۔ چناں چہ رمضان ۳ھ میں آپ ﷺ نے انہیں اپنی طرف سے پیغامِ نکاح بھیجا جو سعادت سمجھ کر منظور کر لیا گیا۔ اس وقت سیدہ زینبؓ کی عمر تیس سال تھی، یہ نکاح سیدہ حفصہؓ سے عقد کے ایک ماہ بعد ہوا تھا۔ (ازواجِ مطہرات:۲۸۵)

محمد ابنِ قدامہ اپنے والدِ محترم سے نقل کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے زینب بنتِ خزیمہ کو پیغامِ نکاح دیا، آپؓ نے اس کو بہ خوشی قبول کر لیا، چناں چہ نبیٔ کریم ﷺ نے گواہوں کی حاضری میں ان سے نکاح فرما لیا، اور ایک قول کے مطابق ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی مہر مقرر فرمایا۔ (طبقات ابنِ سعد:۸/ ۲۸۵)

حجرہ

سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور سیدہ حفصہؓ کے حجروں سے متصل ان کے لیے حجرہ تعمیر کیا گیا تھا۔ (ازواجِ مطہرات وصحابیات، انسائیکلوپیڈیا:۱۷۸)

مختصر مدتِ رفاقت

سیدہ زینبؓ حرمِ نبوت میں داخل ہونے کے بعد زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہ سکیں،

حضور ﷺ کے ساتھ زندگی گذارنے کی مدت نہایت مختصر رہی، ایک روایت کے مطابق فقط دو یا تین ماہ بعد ہی ربیع الثانی ۴ھ میں اس دنیا سے آخرت کی طرف کوچ کر گئیں، اور ابنِ سعد کی بیان کردہ روایت کے مطابق رمضان ۳ھ میں نکاح ہوا اور آٹھ مہینے کے بعد ربیع الثانی ۴ھ میں وفات پائی۔ (طبقات ابنِ سعد: ۹۴/۸)

نمازِ جنازہ

حضور ﷺ نے خود آپؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور دلِ مغموم کے ساتھ ان کے تین بھائیوں کے ذریعے اپنے سامنے ہی انہیں قبر میں اتروایا اور بھیگتی آنکھوں سے تدفین مکمل ہوئی، آج بھی یہ صابرہ، قانعہ، مجاہدہ مدینہ کے قبرستانِ جنّت البقیع میں محوِ استراحت ہیں۔ (ازواجِ مطہرات: ۲۸۵)

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے　　سبزۂ نو رُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

خصوصی امتیازات

(۱) سخاوت و دریادل اور کشادہ ظرفی کی بنا پر ''ام المساکین'' کے لقب سے ملقب ہوئیں۔

(۲) پے در پے دو مجاہدینِ اسلام اور شہیدانِ حق کی رفاقت و زوجیت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔

(۳) تمام امّہات المؤمنین میں یہی وہ خوش قسمت خاتون ہیں جن کی اللہ کے رسول ﷺ نے خود نمازِ جنازہ پڑھا کر مغفرت کے لیے دعا فرمائی۔

(۴) انہیں یہ انفرادی امتیاز بھی حاصل ہے کہ ان کی ایک ماں شریک بہن کو (سیدہ میمونہؓ کو جو ۷ھ میں عمرة القضاء کے موقع پر حرمِ نبوی میں داخل ہوئیں) بھی اُمّ المؤمنین بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ (ازواجِ مطہرات: ۲۸۶)

اختتام

حضرت زینب بنتِ خزیمہؓ کی حیاتِ مقدسہ قربانیوں سے بھرپور رہی، اسلام قبول کرنے کے بعد مکۂ مکرمہ میں قربانیاں پیش کیں، پھر ہجرت کے بعد مدینۂ منورہ میں آکر بھی یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ جب ''ام المؤمنین'' بن کر کاشانۂ اطہر کی زینب بنیں اور اپنی قربانیوں کا صلہ پانے کا وقت آیا تو بہت جلد اُس ربِّ کریم کے حضور چلی گئیں جس نے خود اپنا تعارف ''مالك يوم الدين'' اور ''إن الله لا يضيع أجر المحسنين'' کے ذریعے کروایا ہے، کاش! ہر مؤمن کو ایسی قابلِ رشک زندگی نصیب ہو۔

۞۞

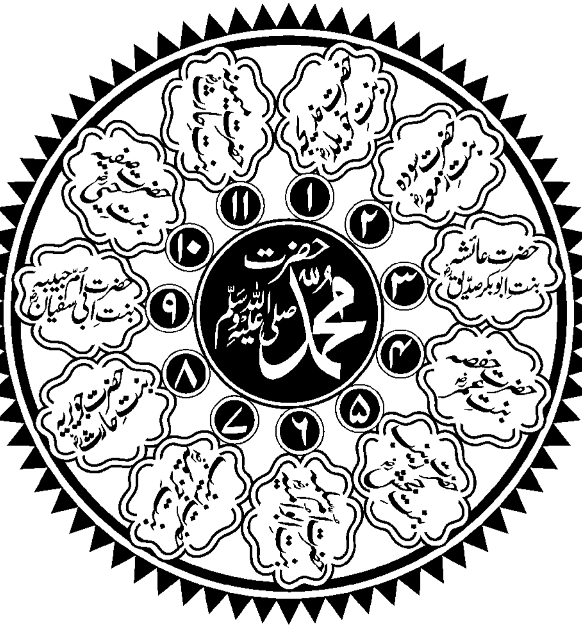

۸

اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا

سوانحی خاکہ

نام	: جویریہ (برّہ)۔
والد کا نام	: حارث بن ابی ضرار۔ قبیلہ: بنو مصطلق۔
ولادت	: نبوت سے پانچ سال قبل۔
قبولِ اسلام	: ۵ھ میں غزوۂ بنو المصطلق کے موقع پر گرفتار ہوئیں اور اسی موقع سے ایمان قبول کیا۔
پہلا نکاح	: چچازاد بھائی مُسافع بن صفوان سے۔
دوسرا نکاح	: حضورِ اکرم ﷺ سے۔
مدتِ رفاقت	: پانچ سال۔
اولاد	: مؤرخین ساکت اور کتبِ سیر اس کے تذکرے سے عاری ہیں، اغلب یہ ہے کہ کوئی اولاد نہ تھی۔
حج	: ۱۰ھ میں سرکار ﷺ کے ساتھ حج وعمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔
مرویات	: تقریباً سات۔
وفات	: ماہِ ربیع الاول ۵۰ھ
نمازِ جنازہ	: مروان بن حکم گورنرِ مدینہ نے۔
مدفن	: جنّت البقیع۔ کل مدتِ عمر: ۶۵ رسال۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا

سعد اورنگ آبادی، ثناءاللہ ایم پی

آپ جانتے ہیں کہ ستارے کیا کام کرتے ہیں؟ گم گشتۂ راہ کو منزل کا نشان بتلاتے ہیں اور تاریک و مہیب آسمان کو اپنی چمک دمک سے کہکشاں کا خوبصورت سماں عطا کرتے ہیں، فطرت کے رازہائے سربستہ سے پردہ اٹھاتے ہوئے قرآن کہتا ہے: ﴿وبالنجم هم يهتدون﴾ ﴿إنا زينا السماء الدنيا بزينة ن الكواكب﴾. انسانی تاریخ میں جہالت وضلالت کے افق پر آفتاب وماہتاب (انبیائے کرام علیہم السلام) طلوع ہوتے رہے ہیں اور آفتاب کی کرنوں سے اکتسابِ فیض کرکے شبِ دیجور میں گم کردۂ راہ کو منزل تک پہنچانے کا فریضہ انجام دینے والے ستارے (صحابۂ کرام) بھی چمکتے دمکتے رہے ہیں، نجومِ ہدایت (صحابہؓ وصحابیاتؓ) اپنے سینے کو جلا کر نہ صرف یہ کہ انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں؛ بلکہ سمائے انسانیت کے لیے جھومر اور سمائے آدمیت کے لیے زینت ورونق قرار پاتے ہیں، سچوں کے سچے اور پیاروں کے پیارے رسول ﷺ کی زبانی خود خالقِ کائنات ناطق ہیں: ”اے محمد! آپ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کے مانند ہیں“۔

”يا محمد! إن أصحابك عندي بمنزلة النجوم من السماء“. (جمع الفوائد)

آسمانِ رسالت کے نجوم وکواکب میں سے گیارہ خوش قسمت ستارے ایسے ہیں جنہیں ”امہات المؤمنین“ کے معزز لقب سے نوازا گیا، جنہیں فرشِ زمین پر نبوّت کے اُس کچے مکان کے مکیں ہونے کا شرف حاصل ہوا جس پر عرش کے زمرد ویاقوت کے سینکڑوں محل نثار ہیں۔ ان اوراق میں ہم اسی کاشانۂ نورانی کی ایک نیک صفت خاتون

کا تذکرہ کرنے جا رہے ہیں جسے تاریخ ''امّ المؤمنین حضرت جویریہ بنتِ حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' کے نام سے یاد کرتی ہے۔

نام ونسب

آپ کا خاندانی نام: برّہ تھا؛ لیکن جب حضورِ اقدس ﷺ کے نکاح میں آئیں تو آپ نے نام بدل کر جویریہ رکھ دیا، آپ بنو مصطلق سے تعلق رکھتی تھیں۔ عرب میں بت پرستی کا آغاز کرنے والا عمرو بن عامر بن لُحی (جو دادا کی نسبت سے عمرو بن لحی کے نام سے معروف ہے) آپ ہی کے خاندان کا ایک فرد تھا۔

آپ کا نسب نامہ کچھ اس طرح ہے: برّہ بنتِ حارث بن ابی ضَرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جُذیمہ (اسی کا نام یا لقب مصطلق تھا جس سے پورا قبیلہ بنو مصطلق کہلایا) بن سعد بن عمر بن ربیعہ بن حارث بن عمرو مُزَیقِیا، (یہی قبیلہ خُزاعہ کا جدِ اعلیٰ ہے)

بچپن

بچپن سے لے کر نکاح ہونے تک کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، مؤرخین نے صرف اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ اُمّ المؤمنین کے بلند مقام پر فائز ہونے سے پہلے حضرت جویریہؓ اپنے قبیلہ کے ایک شخص مسافع بن صفوان مصطلقی کے نکاح میں تھیں جو ''ذی شفر'' کے نام سے معروف تھا۔

غزوۂ بنی مصطلق

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی کا اصل دور غزوۂ بنی مصطلق سے شروع ہوتا ہے؛ لہٰذا ہم آپ کی زندگی کے حالات یہیں سے شروع کرتے ہیں۔ جمہور مؤرخین کے مشہور قول کے مطابق یہ غزوہ (جسے ''غزوۂ مریسیع'' یا ''غزوۂ بنو مصطلق'' کہا جاتا ہے) ۵ھ میں پیش آیا تھا، اس کا مختصر پس منظر یہ ہے:

حضورِ پُر نور ﷺ کو اطلاع ملی کہ نجد کے قریب بنو مصطلق اپنے ساتھ دوسرے چند قبائل کو ملا کر جنگ کی تیاریاں کررہے ہیں، آپ نے تحقیق کے لیے اپنے ایک صحابی بُریدہ بن حُصَیب اسلمیؓ کو بھیجا، انہوں نے وہاں نو جوانوں کو فنِ حرب وضرب کی مشق میں مشغول پایا، سپاہی ہتھیار و اسلحے فراوانی کے ساتھ موجود تھے، قبیلہ کے سردار کی زبانی معلوم ہوا کہ اب عنقریب مدینہ والوں سے جنگ ہونی ہے۔

چناں چہ آپؓ نے حضور ﷺ کو ان کے خطرناک حالات اور ناپاک عزائم کی حرف بہ حرف اطلاع دے دی۔ یہ اطلاع پاتے ہی آپ ﷺ نے دشمن کو سانس لینے کی بھی مہلت نہیں دی اور کوچ کا حکم دے دیا، صحابہؓ اپنے سپہ سالار کی قیادت میں ہنگامی ہتھیار بدن پر سجائے نکل کھڑے ہوئے، پورا راستہ راز دارانہ طور پر اس طرح طے کیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوسکی۔ اثنائے راہ دشمنوں کا ایک جاسوس بھی گرفتار ہوا جسے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا گیا۔ منزلوں پر منزلیں مارتے ہوئے یہ لشکر مُریسیع جا دھمکا اور پہنچتے ہی پانی کے تمام ذخائر پر قبضہ کرلیا۔ یہ خبر جب بنوالمصطلق اوران کے ہم نوا قبائل کو پہنچی تو وہ حواس باختہ ہوگئے، اس اچانک آمد سے ان کے دلوں پر خوف چھا گیا، اور اکثریت لڑائی سے پہلے ہی ہار مان کر کنارہ کش ہوگئی؛ لیکن کچھ دشمنانِ اسلام پھر بھی لڑائی کے لیے آستینیں چڑھا کر میدانِ کارزار میں کود پڑے۔

حضور ﷺ مدینہ سے ایک ہزار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا لشکر لائے تھے، جن میں تیس گھوڑے تھے، مہاجرین کے دستہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور انصار کی جمعیت پر حضرت سعد بن عبادہؓ کو اپنا امیر مقرر فرمایا، مسلمانوں نے آگے بڑھ کر پورے قبیلہ کا محاصرہ کرلیا، پہلے اسلام کی دعوت دی؛ لیکن ان کے انکار کرنے پر مسلمانوں نے اچانک حملہ کردیا، اس غیر متوقع حملہ کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے لوگ پہلے ہی بدحواس ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے (جن میں قبیلہ کا سردار حارث بھی تھا) جو لوگ موجود تھے وہ محاصرہ توڑنے کی کوشش کرنے لگے اور تیر برسانے لگے، جواباً مسلمانوں نے بھی تیر

اندازی کی اور دس کافر مارے گئے۔ اس ابتدائی جھڑپ سے ہی دشمنوں کے ہوش ٹھکانے آ گئے، طاقت وقوت کا سارا نشہ فرو ہوگیا اور انہیں احساس ہوگیا کہ ان کی مڈبھیڑ کسی غیر منظّم منتشر گروہ سے نہیں جس کا مقصد صرف لوٹ مار ہو؛ بلکہ یہ ایک ایسی جماعت ہے جو نظم ونسق، سمع وطاعت، جرأت وشجاعت اور جنگی تدابیر میں اعلیٰ مہارت کا ایسا شاندار بے مثال مظاہرہ کر رہی ہے، جس کا مشاہدہ نہ کبھی ان کی آنکھوں نے کیا تھا اور نہ کبھی اس کا تصور وخیال ان کے ذہنوں میں آیا تھا، قبیلے کے جنگجو اپنے آپ کو مجاہدین کے سامنے عاجز اور ان کے تابڑتوڑ حملوں کی تاب نہ لاکر مغلوب پا رہے تھے۔ آخرکار سب نے سپہ سالارِ اعظم ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

جنگ کے مروّجہ قانون کے مطابق ان کے مویشیوں اور مال واسباب پر قبضہ کرلیا گیا، چناں چہ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں بہ طورِ مالِ غنیمت ہاتھ آئیں، اور تقریباً چھ سو افراد قید ہوئے جن میں مرد وعورت سب شامل تھے۔ اس معرکہ میں ایک صحابی حضرت ہشام بن صبابہؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اسی غزوے سے واپسی پر واقعۂ افک پیش آیا (جس کی تفصیلات اسی کتاب میں ''حضرت عائشہ بنتِ ابی بکرؓ'' کے حالات میں دیکھی جاسکتی ہے) مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق مالِ غنیمت میں سے خمس نکالا اور باقی مجاہدین پر تقسیم فرمادیا۔

حضرت جویریہؓ اور عقدِ کتاب

برّہ (حضرت جویریہ) بنتِ حارث کا نکاح پہلے اپنے چچازاد بھائی مسافع بن صفوان ذی الشفر سے ہوا تھا، مسافع غزوۂ مریسیع میں مارا گیا اور حضرت جویریہؓ گرفتار ہوکر مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت آپ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئیں، چوں کہ آپ قبیلہ کے سردار کی بیٹی تھیں، فصیح اللسان، جرأت منداور خوبصورت بھی تھیں؛ لہٰذا غلامی کو پسند نہ کیا، اور حضرت ثابتؓ

سے عقدِ مکاتبت (یعنی اگر اس قدر مال دے دوگی تو تم آزاد ہو) کرلیا، اور آزادی کی قیمت نو اوقیہ چاندی طے پائی جس کی قیمت اُس وقت چار ہزار درہم تھی۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد کی درخواست

آپ رضی اللہ عنہا بالکل تہی دست تھیں، پھوٹی کوڑی بھی پاس نہ تھی، کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا آپ کی شان کے خلاف تھا؛ لہٰذا بہت سوچ بچار کے بعد ہمّت کر کے رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس موقع کی منظر کشی کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ: ایک روز حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں رونق افروز تھے کہ ایک جوان عورت نے آپ کے پاس آنا چاہا، میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ حاضر ہو؛ کیوں کہ میرا خیال تھا کہ جس طرح اس کی حسین شخصیت نے مجھ پر اثر کیا وہ آپ پر بھی مؤثر ہوگی؛ لیکن وہ تذبذب کے بعد اندر داخل ہوگئی، اور آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی:

’’میں بنو مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی ہوں، میرا نام برّہ ہے، میں جس مصیبت میں مبتلا ہوں اس کا آپ کو بہ خوبی علم ہے، میں باندی کی حیثیت سے ثابت بن قیس کے حصے میں آئی ہوں اور باندی بن کر رہنا میرے شایانِ شان نہیں، میں نے قیس کو اس پر راضی کرلیا ہے کہ وہ مجھ سے زرِ کتابت وصول کر کے مجھے آزاد کردے؛ لیکن میرے پاس اِس وقت دینے کو کچھ بھی نہیں؛ لہٰذا آپ کی خدمت میں درخواست لیے حاضر ہوئی ہوں کہ آپ رقم کے سلسلہ میں تعاون فرما کر مجھ پر احسان فرمائیں‘‘۔ ’’یارسول اللہ! میں آپ پر ایمان لا چکی ہوں، اب آپ کی رحمت وشفقت کے سوا میرے پاس کوئی سہارا نہیں‘‘۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب اور نکاح

یہ الفاظ انتہائی سوز کے ساتھ دل کی گہرائی سے نکلے تھے، چناں چہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت نے جوش مارا اور آپ کو ان کی اس بے کسی و بے بسی پر بہت رحم آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تم اس کو پسند کروگی کہ تمہارے ساتھ اس سے بھی بہتر سلوک کیا

جائے؟ انہوں نے پوچھا: وہ کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے دینِ کتابت ادا کردوں اور تم آزاد ہوکر مجھ سے نکاح کرلو۔ یہ سن کر سیدہ جویریہؓ مارے خوشی کے بے ساختہ بول اٹھیں: یارسول اللہ! میں راضی ہوں۔

یہ جواب نہ صرف زبان سے نکلا تھا؛ بلکہ انہوں نے اس کو دل سے قبول بھی کرلیا تھا کہ آپ ﷺ سے بہتر شوہر کائنات میں کسی کو نصیب نہیں ہوسکتا۔ نیز چوں کہ زمانۂ جاہلیت کے رسم ورواج اور عادات کو اچھی طرح جانتی تھیں، سردار کی بیٹی ہونے کے ناتے سرزمینِ عرب میں ہورہی تبدیلی سے بھی بہ خوبی واقف تھیں۔ پھر جب مسلمانوں کے درمیان آئیں اور ان کے عادات واطوار اور ان کے حسنِ سلوک وبرتاؤ کو دیکھا تو اپنی فطرتِ سلیمہ سے بہت جلد ادراک کرلیا کہ اب کفر کی ظالمانہ گھٹائیں چھٹنے والی ہیں اور اسلام کا عادلانہ نظام پھیلا ہی چاہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابتؓ کو بلا کر دینِ کتابت ادا فرمایا اور حضرت جویریہؓ سے نکاح فرمالیا۔

ایک اور روایت

ایک روایت میں یہ واقعہ کچھ اس طرح مذکور ہے کہ جنگِ مریسیع کے بعد جب حارث کو معلوم ہوا کہ اس کی بیٹی ''برہ'' بھی مسلمانوں کے یہاں قید ہے تو تڑپ اٹھا اور نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر گویا ہوا کہ میں معززینِ عرب میں سے ہوں اور اپنے قبیلے کا قابلِ احترام سردار بھی، میری بیٹی آپ کے پاس قید ہوکر آگئی ہے، یہ بات میرے لیے اور میری قوم کے لیے بڑی ذلت ناک ہے کہ میں ایک باندی کا باپ کہلاؤں، آپ رحم کا معاملہ فرمادیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''أرأیت إن خیرنا ألیس قد أحسنت؟'' کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم ان ہی کو اختیار دے دیں کہ وہ کیا بہتر سمجھتی ہیں؟ تو حارث نے خوشی سے کہا: کیوں نہیں؟ پھر اپنی بیٹی کے پاس گیا اور کہا: بیٹی! رسول اللہ ﷺ نے تمھیں اپنے بارے میں اختیار دے دیا ہے، مجھے رسوا نہ کرنا، تو انہوں نے جواب دیا: میں اللہ کے

رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ چناں چہ حضور ﷺ نے خوش ہو کر ان سے نکاح کر لیا۔

تیسری ابنِ روایت سعد کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ حارث نے بیٹی کا زرِ فدیہ ادا کیا تھا، جب وہ آزاد ہو گئیں تو حضور ﷺ نے ان سے نکاح فرما لیا؛ مگر اکثر مؤرخین نے پہلی روایت کو ہی ترجیح دی ہے جس کو ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

خواب میں پیشین گوئی

خداوندِ قدّوس کی طرف سے یہ بات تو روزِ اول ہی سے مقدر تھی کہ حارث بن ابی ضرار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کی زوجیت میں داخل ہو کر ''ام المؤمنین'' کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوں گی، اسی کے ساتھ عالمِ وجود میں آپ ﷺ کے نکاح میں داخل ہونے سے چند روز قبل فی الجملہ انہیں یہ بات بتا بھی دی گئی تھی۔ چناں چہ خود ان کا اپنا بیان ہے کہ: حضور ﷺ کے ہمارے قبیلہ میں پہنچنے سے تین روز قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک چاند یثرب (مدینۂ منورہ) سے چلا اور میری گود میں آ گرا۔ میں نے اپنا یہ خواب کسی سے بیان کرنا مناسب نہیں سمجھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ جہاد کے لیے تشریف لائے اور ہم قید کر لیے گئے، تو مجھے اپنے خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے کی امید بندھ گئی اور الحمد للہ! اس طرح امید بر آئی کہ آپ ﷺ نے مجھے آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے لیا۔

مہر کیا تھا؟

ابنِ ہشامؒ کے بقول رسول اللہ ﷺ نے سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شادی کے موقع پر چار ہزار درہم مہر دیا۔ اور امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے جویریہ بنتِ حارثؓ کو آزاد کرانے میں مالی معاونت کی اور ان سے نکاح کی پیش کش کی جسے انہوں نے بہ خوشی قبول کیا، اس طرح سیدہ جویریہؓ کی قوم بنو مصطلق کے تمام قیدی آزاد ہو گئے، یہی ان کا حقِ مہر ٹھہرا۔

نام کی تبدیلی

جب برّہ آزادی حاصل کر کے حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئیں تو اولاً حضور ﷺ نے ان کا نام تبدیل فرمادیا۔ کیوں کہ آپ ﷺ یہ بات ناپسند کرتے تھے کہ کبھی کوئی یہ کہے کہ: آپ برّہ کے یہاں سے نکل گئے۔ نیز اس نام میں خودستائی کا عنصر بھی غالب ہے اور اللہ اور اس کے رسول نے ایسا نام رکھنے سے منع فرمایا؛ کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نیکی اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو خوب جانتا ہے، ''اپنے منہ میاں مٹھو کہلانا'' کوئی مناسب اقدام نہیں ہے۔ پھر اس میں ایک قسم کی بدفالی بھی ہے، مثلاً کسی نے پوچھا: یہاں برہ ہے؟ اب اگر وہ موجود نہیں ہے تو جواب دینے والا کہے گا: نہیں، تو اس میں یہ بدفالی ہوگی کہ یہاں پاکیزگی نہیں ہے یا کوئی نیک عورت نہیں ہے۔ الحاصل! مذکورہ خرابی کی بنا پر آپ ﷺ نے برّہ نام تبدیل فرما کر جویریہ رکھ دیا۔

شادی کے اثرات قوم کی آزادی کی شکل میں

جب آپ کے اس نکاح کی خبر اہلِ مدینہ کے کانوں میں پڑی تو انہوں نے بنو مصطلق کے تمام غلاموں اور باندیوں کو آزاد کردیا اور یہ کہنے لگے کہ: رسول اللہ ﷺ کے اصہار (سسرال والوں) کو کہیں غلامی کی زنجیروں میں رکھا جاسکتا ہے!۔

حضرت جویریہؓ و عائشہؓ کا تبصرہ

حضرت جویریہؓ فرماتی ہیں کہ: میں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی تھی، مسلمانوں نے خود ہی میری قوم اور خاندان والوں کو آزاد کردیا، جس کی خبر میری ایک چچازاد بہن نے مجھے دی، جب میں نے یہ خبر سنی تو اللہ کا شکر ادا کیا۔

حضرت عائشہؓ اس واقعہ کے متعلق فرماتی ہیں: ''فلقد اعتق بتزوجه إياها مأة أهل بيت من بني المصطلق ما أعلم امرأة أعظم بركة علىٰ قومها منها''.

حضور اکرم ﷺ کے حضرت جویریہؓ سے نکاح کر لینے سے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد ہوئے، میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو جویریہ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے بڑی برکت والی ثابت ہوئی ہو۔

رہائشی مکان ونفقہ

رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے بھی مسجدِ نبوی سے متصل دوسری ازواج کی طرح حجرہ تیار کروایا جس کی دیواریں کچی اینٹوں کی اور چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی، جسے گارے سے لیپ دیا گیا اور دروازہ پر اونی ٹاٹ کا پردہ لٹکا دیا گیا۔ آپ کے لیے باری بھی مقرر کر دی اور غزوۂ خیبر کے بعد دوسری ازواج کی طرح اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ بنتِ حارثؓ کا بھی ۸۰/ وسق کھجور اور ۲۰/ وسق جَو سالانہ گذران طے پایا۔

حارث بن ابی ضرار اوران کی قوم اسلام کے دامن میں

جنگِ مُرَیسیع کے بعد حارث بن ابی ضرار نے بیٹی کی رہائی کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں آنے کا ارادہ کیا اور اپنے ساتھ بہت سا مال واسباب اور اونٹ لے کر نکلا، راستہ میں مقامِ عتیق پر پہنچ کر اپنے دو پسندیدہ سرخ اونٹوں کو اس نے چھپا دیا، پھر بارگاہِ نبوی میں پہنچ کر کہنے لگا: ''یا رسول اللہ! یہ سب اسباب واونٹ کا فدیہ قبول فرما کر میری بیٹی کو رہا فرما دیجیے (حالاں کہ راجح قول کے مطابق اُس وقت تک وہ آزاد ہو کر اُمّ المؤمنین بننے کا شرف حاصل کر چکی تھیں؛ لیکن والد کو اس کا علم نہ تھا) آپ نے ارشاد فرمایا: تم وہ دو اونٹ کیوں نہیں لائے جنھیں وادیٔ عتیق میں چھپا رکھا ہے۔ یہ سننا تھا کہ دل کی کایا پلٹ گئی، یقین ہو گیا کہ یہ نبی ہیں، اور انھیں بہ ذریعۂ وحی بتلایا گیا، چناں چہ بے ساختہ زبان پر کلمۂ شہادت جاری ہو گیا، اور کہنے لگے: خدا کی قسم! میں نے جو اونٹ وادیٔ عتیق میں چھپائے تھے میرے اور اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا، آپ کو اس کا علم ہونا آپ کے اللہ کا رسول ہونے کی واضح دلیل ہے۔ پھر جب ان کی قوم نے دیکھا کہ

سردار نے رسول اللہ ﷺ کے آگے سرِ تسلیم خم کیا ہوا ہے تو وہ سب حلقہ بہ گوشِ اسلام ہو گئے، اسی موقع سے حضرت جویریہؓ کے دو بھائی بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

یہ اُمّ المؤمنین جویریہ بنتِ حارثؓ کی برکت اور خصوصیت کہی جاسکتی ہے کہ آپ کی وجہ سے قوم کے سینکڑوں افراد- جن کی تعداد اصح قول کے مطابق چھ سو تھی- قیدِ جسمانی سے آزاد ہوئے اور ساتھ ہی آپ کی برکت سے پوری قوم سینکڑوں معبودوں کی قید سے نکل کر ایک خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی غلامی میں آئی، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں: میں نے کسی عورت کو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے حق میں مبارک نہیں دیکھا، ان کی برکت سے بنو مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیے گئے۔

حضرت جویریہؓ کی عالی ظرفی

حضرت جویریہؓ جس وقت کاشانۂ نبوی میں تشریف لائیں اُس وقت مندرجۂ ذیل محترم خواتین پہلے ہی ''امّ المؤمنین'' کے بے مثل لقب سے نوازی جاچکی تھیں: حضرت سودہ بنتِ زمعہؓ، حضرت عائشہ بنتِ ابی بکر صدیقؓ، حضرت حفصہ بنتِ عمرؓ، حضرت زینب بنتِ جحش، حضرت امِ سلمہ بنتِ امیہ۔ ایک خاتون کے لیے اپنی سوکن کو خوش دلی سے برداشت کرنا اور اس سے خیر خواہی و رواداری کا برتاؤ کرنا کوئی آسان کام نہیں؛ لیکن فیضانِ نبوت کے انوار نے امّ المؤمنین سیدہ جویریہؓ کے دل کو ہر قسم کی تنگ دلی، جلن اور حسد و کینہ کے سفلی جذبات سے پاک کر دیا تھا، چناں چہ سیرت و تاریخ میں ایسے کسی واقعہ کی نشان دہی نہیں ہوتی جس سے ظاہر ہو کہ کسی سوکن کے ساتھ کبھی تلخ تعلقات رہے ہوں، یہ آپ کی سلامتِ طبع اور وسعتِ ظرفی کا بیّن ثبوت ہے۔

وفات

امّ المؤمنین حضرت جویریہ بنتِ حارثؓ نے مشہور قول کے مطابق ماہِ ربیع الاول ۵۰ھ میں حضرت امیرِ معاویہؓ کے دورِ امارت میں ۶۵ر سال کی عمر پا کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا،

مروان بن حکم (گورنرِمدینہ) نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنّت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔(رضى الله عنها وبرد مضجعها وجعل قبرها روضة من رياض الجنة)

حلیہ

حضرت جویریہؓ بڑی حسین وجمیل، متناسب الاعضاء، موزوں اندام اور خوبصورت وشیریں ادا تھیں، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ ان کے حسن وجمال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں: ”كانت امرأة ملاحة تأخذها العين“ یعنی وہ ایسی خوبصورت وشیریں ادا تھیں کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جائے۔

جب بدلِ کتابت کی رقم کے متعلق گفتگو کے سلسلہ میں وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حضوری چاہتی تھیں اس وقت حضرت عائشہؓ کے دل میں کیا خیال گذرا؟ وہ خود اسے بیان کرتی ہیں:

”فجاء ت تسأل رسول الله ﷺ في كتابها فلما قامت على الباب فرأيتها كرهت مكانها وعرفت أن رسول الله ﷺ سيرى منها مثل الذي رأيت“.

فرماتی ہیں کہ: وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں بدلِ کتابت کے سلسلہ میں آئیں اور دروازے کے سامنے کھڑی ہوئیں تو ان پر نظر پڑتے ہی مجھے ان کا یہاں آنا اچھا نہیں لگا اور میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ آپ پر بھی وہی اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا۔

حلیہ پر ایک تبصرہ

امّ المؤمنین حضرت جویریہؓ کے بیانِ حلیہ میں تفصیل کا مقصد اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے یہاں کسی عورت کو نکاح میں لینے کے لیے صرف حسن وجمال کا سرے سے کوئی معیار نہیں تھا؛ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی کھٹک صحیح ثابت ہوتی جو بہ تقاضائے فطرت ان کے دل میں پیدا ہوگئی تھی

کہ خدانہ خواستہ اگر آپ ﷺ نے ان کوازدواجی زندگی میں شریک کرلیا تو کہیں میرے اس مقام ومرتبہ پر اثر نہ پڑ جائے جو آپ ﷺ کے یہاں مجھے حاصل ہے؛ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا؛ بلکہ آپ ﷺ کا کسی عورت کو اپنے نکاح میں لینا دراصل اسلام کی بلندی اوراحکام کی تبلیغ واشاعت میں اس کے معین ومددگار ہونے کی بنا پر تھا، چناں چہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح میں لینے سے یہ فائدہ ہوا کہ عرب کے ایک نہایت ہی مضبوط قبیلہ کا سرداراوراس کی قوم کے بہت سے افراد اسلام میں داخل ہوگئے نیز حضرت حارث کے ذریعہ اسلام کی زبردست اشاعت ہوئی اور خود انہیں بھی عظمت نصیب ہوئی۔

اولاد

حضوراکرم ﷺ کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں شمولیت کے بعد آپ سے کسی اولاد کا نہ ہونا تو یقینی طور پر ثابت ہے؛ البتہ پہلے شوہر مسافع بن صفوان سے کوئی اولاد تھی یا نہیں؟ تاریخ کی کتابیں اس کے ذکر سے عاری اور خالی ہیں اور مؤرخین بھی سکوت اختیار کیے ہوئے ہیں، اغلب یہی ہے کہ پہلے شوہر سے بھی کوئی اولاد نہیں تھی۔

فضائل ومناقب

آپ نے جب آنکھیں کھولیں تو عیش وعشرت کا سامان اور دنیا کی نعمتیں سامنے تھیں، نازوانداز میں پرورش پائی۔عرب کے مشہور سردار کا گھر تھا۔نسب قابلِ فخر تھا۔ اور قدرت نے انتہائی فہم وذکا اور سمجھ داری کی دولت سے نواز رکھا تھا۔ بات کرنے کا سلیقہ خاندانی وراثت میں ملا تھا، جرأت مند، باعزت خاتون تھیں۔قبولِ اسلام کے بعد حضور ﷺ کی رفاقت میں پانچ سال گذارے۔ قبیلے کے سردار کی بیٹی اور نازونعم میں پلی ہونے کے باوجود فقرِ اختیاری پر بہ صدل وجاں راضی رہیں اور ہر قدم پر آپ ﷺ کا بھرپور ساتھ دیا۔انتہائی خلیق وخوش مزاج تھیں، آپ کی پوری زندگی اس خیال میں گذری کہ ”آشیانہ کسی شاخِ گل پہ بارنہ ہو“۔

عبادت

سیدہ جویریہؓ عبادت گذار، شب زندہ دار خاتون تھیں، حضور ﷺ جب گھر تشریف لاتے تو اکثر عبادت میں مشغول پاتے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت ان کے پاس تشریف لائے تو آپ عبادت میں مشغول تھیں، پھر دو پہر کو ادھر سے گذر ہوا تب بھی اسی طرح مشغولِ عبادت تھیں، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا صبح سے اسی طرح عبادت میں مشغول ہو؟ کہنے لگیں: جی ہاں! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے تم سے جدا ہونے کے بعد تین تین مرتبہ چار کلمے ایسے کہے ہیں جن کا ثواب اس قدر زیادہ ہے کہ آج تم نے جس قدر ذکر کیا ہے اگر ان کے ساتھ رکھ کر تولا جائے تو وہی کلمات وزنی ہوجائیں گے اور وہ یہ ہیں: "سبحان الله عدد خلقه، سبحان الله رضى نفسه، سبحان الله زنة عرشه، سبحان الله مداد كلماته".

ایک مرتبہ سرکار ﷺ جمعہ کے دن آپ کے یہاں تشریف لائے، آپ اس دن روزے سے تھیں، تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا کل (آئندہ) روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟ عرض کیا: نہیں، پھر استفسار ہوا: تو کل (گذشتہ) رکھا تھا؟ عرض کیا: نہیں، ارشاد فرمایا: تو آج بھی افطار کرلو۔

فائدہ: صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے یہاں بغیر کسی کراہت کے درست ہے، اور یہ بات خود حضور ﷺ کے عمل سے ثابت ہے کہ آپ ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے اور جمعہ کے دن آپ روزے سے نہ ہوں ایسا شاید و باید ہی ہوا کرتا تھا۔ رہی یہ بات کہ آپ ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو افطار کر دینے کا حکم دیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف جمعہ کے دن روزہ نہیں رکھنا چاہیے، تو ممکن ہے کہ پہلے یہی حکم رہا ہو اور بعد میں اجازت ہوگئی ہو، یا یہ کہ ممانعت صرف اِس صورت میں ہے جب کہ روزہ رکھنے کے لیے جمعہ ہی کے دن کو خاص کرلیا

جائے۔ جمہور شوافع کا موقف بھی یہی ہے کہ صرف جمعہ کے دن نفلی روزہ رکھنا پسندیدہ عمل نہیں، اس کے لیے ضروری ہے پہلے یا بعد والے دن میں بھی روزہ رکھا جائے، ہاں! اگر کسی نے یہ نذر مانی ہو کہ اس کے کسی بیمار عزیز کو جس دن شفا ہوگی اس دن روزہ رکھے گا اور اس کی شفا کا دن جمعہ کا ہو تو اس صورت میں نذر پوری کرنے کے لیے اس کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔ آپ کی زندگی نکاح کے بعد اکثر عبادت ہی میں گذری، آپ نے وہ زمانہ بھی پایا جب شہادتِ عثمان کے بعد جنگِ جمل وصفین میں اپنوں ہی کے خون کی ندیاں بہیں؛ لیکن آپ کو اپنے خدا اور اس کی عبادت نے دنیا کے اُدھیڑ بُن سے بے نیاز رکھا، آپ نے گوشۂ خمول میں پناہ لے کر سارے جھگڑوں سے اپنا دامن بچائے رکھا اور ساری دنیا کو پیغام سنایا کہ مسلمانوں کے آپسی تنازعات اور جھگڑوں کے وقت عافیت اسی میں ہے کہ ان سے حتی الامکان کنارہ کشی اختیار کی جائے۔

فرشتوں کو دیکھنا

آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے نصرتِ الٰہی کے طور پر آنے والے ملائکہ کو دیکھا ہے، جیسا کہ ان کے قول سے معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے مریسیع کے احوال سناتے ہوئے کہا، جسے علاّمہ ذہبیؒ نے ''تاریخِ اسلام'' میں نقل کیا ہے، چناں چہ آپ فرماتی ہیں کہ: جب حضورِ اقدس ﷺ لشکرِ اسلام کی قیادت کرتے ہوئے ہمارے یہاں تشریف لائے اس وقت میری قوم ایک چشمہ پر جمع تھی، میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: میں نے اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر نہیں دیکھا، مجھے بے شمار گھوڑے اور افراد میدان میں دکھائی دیے۔ جب میں نے اسلام قبول کرلیا اور حضور ﷺ نے میرے ساتھ نکاح کرلیا تو لوٹتے ہوئے دیکھا کہ مسلمان تو مقدار میں اتنے زیادہ نہیں ہیں جتنے پہلے دیکھے جارہے تھے۔ چناں چہ میں یہ راز جان گئی کہ پہلے ہم پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے رعب طاری کرنے لیے یہ انتظام کیا گیا تھا۔ ایک شخص جس نے اسی وقت

اسلام قبول کیا تھا کہنے لگا: جب ہم میدان میں آئے تو ہمیں سفید رنگ کے شہسوار گھوڑوں پر سوار میدان میں پھیلے ہوئے دکھائی دے رہے تھے، ان جیسے شہسوار نہ ہم نے پہلے کبھی دیکھے اور نہ بعد میں ہمیں کبھی دکھائی دیے۔

آپ ﷺ کا مزاح فرمانا

حضورِ اکرم ﷺ حضرت جویریہؓ کا بڑا خیال فرماتے تھے، کبھی کبھی دل جوئی کے طور پر آپ سے مزاح بھی کر لیا کرتے تھے، چناں چہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضور ﷺ آپ کے مکان پر تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ: تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ آپؓ نے جواباً عرض کیا: قسم بہ خدا اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس اُس پائے کے سِوا کچھ نہیں جو میری کنیز کو کسی نے صدقہ میں دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے لے آؤ؛ کیوں کہ وہ اپنے حلال ہونے کی جگہ پہنچ گیا۔ حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ باندی کے پاس پہنچ کر صدقہ مکمل ہو گیا، پھر جب اس نے تم کو دے دیا تو وہ ہدیہ سے تبدیل ہو گیا؛ لہٰذا اب میرے لیے اس کا کھانا درست ہے۔

روایتِ حدیث

ام المؤمنین سیدہ جویریہؓ بڑی عاملہ، فاضلہ، فصیحہ وبلیغہ خاتون تھی، علم وادب میں آپ کا بڑا اعلیٰ مقام تھا، آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سات احادیث روایت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے، ان میں سے ایک بخاری اور ایک مسلم میں مذکور ہے۔

آپ کے تلامذہ

آپ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ آپ نے حضور ﷺ کی تعلیمات کو امت تک پہنچانے میں اپنی زندگی صرف کی، چناں چہ آپ سے مندرجۂ ذیل حضرات نے روایتِ حدیث کی سعادت حاصل کیں:

(۱) عبد اللہ بن عباسؓ (۲) عبد اللہ بن عمرؓ (۳) جابر بن عبد اللہؓ (۴) عبید بن السباق (۵) عبد اللہ بن شداد (۶) کریب (ابن عباس کا غلام) (۷) طفیل (۸) ابوایوب مراغی (۹) مجاہد بن جبر المکی (۱۰) ابوایوب مراغی الازدی (۱۱) کلثوم بن مصطلق۔

یہ حضرت جویریہؓ کی داستان حیات تھی، جس کا ہر ورق تابندہ اور جس کی ہر سطر درخشندہ ہے، آج جب کہ امت ضلالت وغوایت کی اندھیر نگریوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے ضرورت ہے کہ ان کی روشن زندگی سے روشنی مستعار لی جائے، اور گمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں ہدایت کی شمعیں روشن کی جائے۔ اللہ تعالیٰ پوری امت مسلمہ کو اس کی توفیق وسعادت عطا فرمائے۔

مراجع ومصادر:

(۱) طبقات ابنِ سعد عربی واردو
(۲) نساء حول الرسول ﷺ
(۳) سیر الصحابیات
(۴) ازواجِ مطہرات
(۵) صحابیات
(۶) صحابیات مبشرات
(۷) خواتینِ اسلام کی دینی وعلمی خدمات
(۸) امتِ مسلمہ کی مائیں
(۹) سیرتِ مصطفیٰ
(۱۰) امہات المؤمنین
(۱۱) ازواجِ مطہرات
(۱۲) رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں
(۱۳) عشرۂ مبشرہ

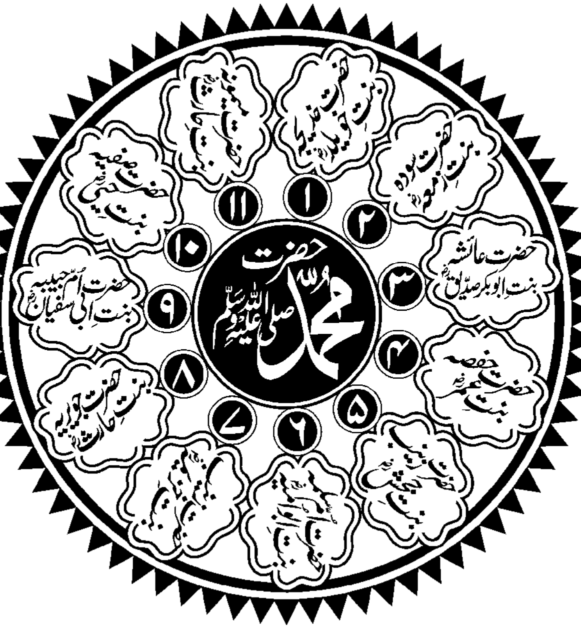

۹

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ بنتِ ابی سفیان رضی اللہ عنہا

سوانحی خاکہ

نام	:	رملہ بنتِ صخر (ابوسفیان)۔
کنیت	:	امِ حبیبہ۔ قبیلہ: قریش کی شاخ بنوامیہ۔
ولادت	:	واقعۂ فیل کے ۲۳/سال بعد مکۂ مکرمہ میں۔
قبولِ اسلام	:	آغازِ اسلام میں مسلمان ہوکر ''السابقون الاولون'' میں شامل ہوئیں۔
ہجرت	:	حبشہ اور مدینہ دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔
نکاحِ اول	:	خاندانِ اسد بن خزیمہ کے عبیداللہ بن جحش سے۔
نکاحِ ثانی	:	حضورِ اکرم ﷺ سے ۳۷/سال کی عمر میں۔
مقدارِ مہر	:	مشہور قول کے مطابق ۴۰۰/ دینار والیِ حبشہ نجاشی کی طرف سے۔
مدتِ رفاقت	:	تقریباً چار سال۔
اولاد	:	نکاحِ اول سے ایک حبیبہ نامی صاحبزادی ہوئی تھی، بعض حضرات نے ''عبداللہ'' نامی صاحبزادے کا بھی ذکر کیا ہے۔
حج	:	۱۰ھ میں سرکارِ دوعالم ﷺ کی معیت میں حج کی سعادت سے مالامال ہوئیں۔
مرویات	:	۶۵/احادیث، ازواجِ مطہراتؓ میں باعتبار روایت کے تیسرے درجے پر۔
وفات	:	۴۴ھ میں امیرِ معاویہ کے زمانۂ امارت میں۔
نمازِ جنازہ	:	غالباً مروان بن حکم گورنرِ مدینہ نے پڑھائی۔
مدفن	:	مدینہ میں حضرت علیؓ کے مکان کے کسی گوشے میں۔
عمرِ مبارک	:	۷۳ یا ۷۴ سال۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ بنتِ ابی سفیان رضی اللہ عنہا

نعمان بن یوسف احمد آبادی

نبوت کے سلسلۂ مبارکہ کا خاتمہ وتکملہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جان توڑ محنت، شب وروز کے مجاہدے، دن کے اجالوں میں تبلیغی سرگرمی اور رات کی اندھیریوں میں گریہ وزاری کے ذریعے ایک ایسی جماعت تیار کی جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے ایک ایک قول وعمل اور معمول کو حرزِ جاں بنانے کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ تاریخِ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے تہی دامن ہے، وہ جہاں جہاں سے گذرے صدیوں وہاں سے صدا آتی رہی ؎

کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گذر گئے
جی چاہتا ہے کہ چوم لیں ان کے نقشِ قدم

اِس مقدس جماعت میں صرف مرد ہی نہیں تھے؛ بلکہ عورتیں بھی تھیں، ان عورتوں میں سے کچھ وہ پاکباز اور مقدس عورتیں بھی تھیں جنہیں ''امہات المؤمنین'' بننے کا شرف حاصل ہوا، ان ہی امّت کی ماؤں میں سے وہ زوجۂ مطہرہ بھی ہیں جنہیں مسلمان ''امّ المؤمنین حضرت امِ حبیبہ بنتِ ابوسفیان'' کے نام سے جانتے ہیں۔

زیرِ نظر مقالے میں آپؓ ہی کی حیاتِ طیبہ کی جھلکیاں ناظرین کی خدمت میں پیش ہیں بایں امید کہ میں اور آپ اسے اپنی زندگی کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت دیں گے۔

نام ونسب

آپؓ کا نام ''رملہ'' تھا، بعض اربابِ سیر نے ''ہند'' بھی لکھا ہے۔ آپؓ کی کنیت

''امِ حبیبہ'' تھی جس سے آپؓ مشہور ہوئیں۔ آپؓ کے والدِ محترم کا نام ''صخر'' اور کنیت ''ابوسفیان'' تھی اور آج تک اسی کنیت سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ والدِ گرامی کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے: امِ حبیبہ بنتِ صخر بن حرب بن امیہ بن عبدِ شمس بن عبدِ مناف بن قُصی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لُوی۔ والدۂ محترمہ کا نام ''صفیہ'' تھا، ان کی طرف سے نسب یہ ہے: صفیہ بنتِ ابی العاص بن امیہ بن عبدِ شمس بن عبدِ مناف بن قُصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لُوی۔ یہ حضرت عثمانؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۴۱۹)

بھائیوں اور بہنوں کا ذکرِ خیر

حضرت امیرِ معاویہؓ جن سے سلطنتِ بنی امیہ کی بنیاد پڑی حضرت امِ حبیبہ کے باپ شریک بھائی تھے۔ یزید بن ابی سفیان- جو بڑے مخیّر اور ''یزیدالخیر'' کے نام سے مشہور تھے- بھی باپ شریک بھائی تھے۔ ان کے ایک اور باپ شریک بھائی عمرو تھے، یہ تینوں ہند بن عتبہ کے بطن سے تھے۔ آپ کے دو باپ شریک بھائی اور بھی تھے جو عاتکہ بنت ابی ازیہر الدوسی سے پیدا ہوئے تھے، ان میں سے ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام عنبسہ تھا۔ آپ کی ایک حقیقی بہن امیّہ بنتِ ابی سفیان تھیں۔ ایک بہن فارعہ نامی تھیں جو اُمّ المؤمنن حضرت زینب بنتِ جحشؓ کے بھائی حضرت ابو احمد کے نکاح میں تھیں۔ درہ نامی ایک اور بہن کا تذکرہ بھی کتابوں میں ملتا ہے۔ آپ کا ایک حقیقی بھائی تھا جس کا نام حنظلہ تھا، نیز ابوسفیان کا ایک بیٹا عتبہ بھی تھا۔ (امہات المؤمنین: ۲۰۴، رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۴۱۵)

ولادت و بچپن

حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت واقعۂ فیل کے تیئیس سال بعد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سترہ سال قبل مکۂ مکرمہ میں ہوئی۔

بچپن سے لے کر نکاح تک کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ (ازواجِ مطہرات:۱۹۱)

نکاحِ اول

حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سنِ بلوغ کو پہنچی تو آپؓ کا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا جو خاندانِ اسد بن خزیمہ کا ایک فرد اور حرب بن امیہ کا حلیف تھا۔

شوہر عبید اللہ کے دو بھائی تھے: حضرت عبد اللہ اور حضرت ابو احمدؓ اور تین بہنیں تھیں: اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؓ، حضرت حمنہ اور حضرت امِ حبیبہؓ۔

(امہات المؤمنین: ۶۰۵)

قبولِ اسلام

اسلام جب فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور رحمتِ دو عالم ﷺ لوگوں کو خفیہ طور پر خدائے وحدہٗ لاشریک لہ کی بندگی کی دعوت دینے لگے اُس وقت امِ حبیبہؓ اپنے شوہر کے دامنِ اسلام میں پناہ گزیں ہوئیں اور ''السابقون الاولون'' کا مصداق بن گئیں۔ اِدھر آپ کے قبولِ اسلام کی مبارک ترین گھڑیاں ہیں اور اُدھر بعینہٖ اسی وقت میں آپ کے والد ابوسفیان چراغِ اسلام کو گُل کرنے کے لیے پیش پیش نظر آتے ہیں، بیٹی کلمہ پڑھ کر اسلام کی عاشق ٹھہری اور باپ مسلمانوں کو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچا کر کٹّر دشمن ثابت ہوا۔

دوسروں کو اسلام سے روکنے والا اپنے گھر میں اس نور کو کب برداشت کر سکتا تھا، چناں چہ ابوسفیان نے اپنی بیٹی اور داماد کو دینِ اسلام سے پھیرنے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین میں واپس لانے کی انتھک کوشش کر ڈالی؛ لیکن وہ اپنے مشن میں ناکام رہا۔ کفارِ مکّہ نے مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، جتنا بس میں تھا سب کچھ کر بیٹھے؛ لیکن چوں کہ صحابہؓ کا ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط اور مستحکم تھا، اس لیے ان کے پائے ثبات میں ذرا برابر بھی لغزش نہ آسکی، بالآخر آپ ﷺ نے ستم رسیدہ

مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (امہات المؤمنین: ۲۰۵)

ہجرتِ حبشہ

جب رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مجبور و مظلوم صحابہؓ نے بہ جانبِ حبشہ ہجرت کی تو اس مقدس قافلہ میں حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مع اپنے شوہر کے شامل تھیں۔ حبشہ پہنچنے کے بعد آپؓ نے وہاں ایک بیٹی کو جنم دیا جس کا نام ''حبیبہ'' رکھا گیا، اسی نام سے آپؓ کی کنیت ''امِ حبیبہ'' مشہور ہوئی۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ عبداللہ بن جعفر، عثمان بن محمد سے نقل کرتے ہیں کہ: امِ حبیبہ کے یہاں حبیبہ کی ولادت حبشہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے مکّہ ہی میں ہو گئی تھی؛ لیکن طبقات ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ عبداللہ بن جعفر، اسماعیل بن محمد سے نقل کرتے ہیں کہ: حبیبہ کی ولادت حبشہ میں ہوئی۔ محمد بن عمر کہتے ہیں کہ: مجھے ابو بکر اسماعیل بن محمد نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ امِ حبیبہؓ جب ہجرت کے لیے مکّہ سے نکلیں تو اس وقت حمل سے تھیں اور ارضِ حبشہ پہنچ کر ان کے یہاں ولادت ہوئی۔ (طبقات ابن سعد، مترجم: ۸/۸۰)

حبشہ میں ولادت والی روایت ہی کو علما نے راجح قرار دیا ہے۔

آپؓ کے شوہر کا مرتد ہو جانا

ایک رات حضرت امِ حبیبہؓ نے خواب میں اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کو انتہائی بدصورت حالت میں دیکھا۔ اس وحشت ناک خواب کو دیکھتے ہی آنکھیں کھل گئیں اور اسی خوف و گھبراہٹ اور شش و پنج میں رات گذر گئی کہ کیا ہوگا؟ دامنِ شب چاک ہوا، صبح ہوئی، روشنی کی سیمیں چادر افق پر پھیلنے لگی کہ آپؓ کے شوہر عبید اللہ بن جحش کے منہ سے نکلا: اے رملہ! پہلے میں نصرانی تھا، پھر مسلمان ہو گیا؛ لیکن حبشہ میں آکر تمام مذاہب میں غور و فکر کیا؛ لیکن مجھے نصرانیت سے بہتر کوئی مذہب سمجھ میں نہیں آیا؛ لہٰذا میں اسلام کو

چھوڑتا ہوں، اور میں تم سے بھی کہتا ہوں کہ تم بھی نصرانیت اختیار کرلو۔ خاوند کی یہ بیہودہ باتیں سن کر آپؓ حیران وششدر رہ گئیں، آپ کا سر چکرانے لگا، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ کیا ہورہا ہے۔ بالآخر ہمّت کرکے اسے اپنا خواب سنایا؛ تاکہ وہ اس اقدام سے باز آجائے، اس کو سمجھانے بجھانے کی ہر ممکن کوشش کی؛ لیکن اس نے کوئی پروانہیں کی اور خلعتِ اسلام اتارکر نصرانیت کا طوق گلے میں ڈال دیا۔

حافظ افروغ حسن صاحب نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ: عبیداللہ کا یہ رویہ حضرت امِ حبیبہؓ کے لیے کتنا تکلیف دہ اور کتنا اذیت ناک تھا اوران کے دل پر ہر لمحہ اور ہر آن حزن وملال کی کتنی تیز دھاردار آریاں چلتی رہی ہوں گی، اس کا اندازہ صرف وہی کرسکتا ہے جس کو اس قسم کے الم انگیز حالات سے واسطہ پڑا ہو؛ مگر سیدہ موصوفہ کو ایک طویل عرصہ اسی ہلاکت خیز حالت میں گزارنا پڑا۔

جلاوطنی میں ماں باپ اور دوسرے تمام محبت کرنے والوں سے دور ایک شریف اور باحیا خاتون کے لیے اپنے شوہر کی بے وفائی، بدمستی اور فتنہ انگیزی کسی طرح بھی قیامت کے منظر سے کم نہ تھی، اس کی شخصیت کو توڑ پھوڑ دینے اور اس کے مزاج کے اعتدال کو تباہ وبرباد کردینے کے لیے کسی اور حادثے کی ضرورت نہیں تھی؛ مگر یہ سیدہ امِ حبیبہؓ کے کردار کی عظمت کا وہ لاثانی شاہکار ہے کہ انہوں نے ان تمام جاں گسل حالات کا مقابلہ بڑے صبر وتحمّل اور عزیمت واستقامت سے کیا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے نور نے جو نورانیت ان کی فطرت اوران کی شخصیت میں پیدا کردی تھی، اسی کے سہارے زندگانی کی تنگ اور تاریک گذرگاہوں میں بھی اپنے قدم کو جادۂ مستقیم سے ادھرادھر نہ ہونے دیا۔

شوہر کی موت

نصرانیت اختیار کرنے کے بعد عبیداللہ کی حالت یہ ہوگئی کہ رندانہ زندگی گذارنے

لگا، ہمہ وقت میخانہ کی زینت بنا رہتا تھا، جام پر جام چڑھاتا اور ہمیشہ مدہوش و بدمست رہتا، آخر کار اس کثرتِ شراب نوشی نے ایک دن بسترِ مرگ پر لا دھکیلا، اور اسی بدنصیبی کی حالت میں دنیا سے چل بسا۔ اس حادثۂ فاجعہ نے حضرت امِ حبیبہؓ کے دل و دماغ پر بہت گہرے نقوش چھوڑے، ہر وقت غم واندوہ کی کیفیت طاری رہتی، فکر وحزن تھا کہ روز بہ روز بڑھتا جاتا، بالآخر خدا خدا کر کے آزمائش کا دور ختم ہوا اور مسرّتوں کا موسمِ بہار شروع ہوا۔ (ازواجِ مطہرات:۲/ ۱۲۹-۱۳۰، سیرتِ مصطفیٰ:۳/ ۲۴۶)

خواب میں بشارت

حضرت امِ حبیبہؓ ایک رات محوِ استراحت تھیں، خواب دیکھا کہ کوئی شخص آپ کو ’’یا اُمّ المؤمنین‘‘ کہہ کر پکار رہا ہے۔ یہ خواب دیکھ کر آپؓ چونک اٹھیں، ایک بار پھر آنکھیں کھل گئیں، دل دھڑکنے لگا، طبیعت بے قرار ہوگئی؛ مگر اب کے یہ دھڑکن، یہ بے قراری مسرّت کی پیغامبر تھی، آپ کی رگ رگ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، رواں رواں جذباتِ تشکّر سے سرشار تھا۔

اُن دنوں رسول اللہ ﷺ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینۂ منورہ جاچکے تھے، اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جاچکی تھی، کسی نے رسولِ اقدس ﷺ کو حبشہ میں آباد مہاجرین کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا: یارسول اللہ! امِ حبیبہؓ مشکل ترین حالات سے دو چار ہیں، رئیس خاندان کی بیٹی بڑی تنگی کے دن گزار رہی ہیں، خاوند مرتد ہو چکا ہے، گود میں چھوٹی سی معصوم بچی ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ کو جب اس صورتِ حال کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے امِ حبیبہؓ کی عدت کے پورا ہوتے ہی ایک صحابی حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ کو نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ امِ حبیبہ اگر پسند کرلے تو اس کا نکاح میرے ساتھ کردیا جائے۔ (صحابیات مبشرات:۱۷۶)

نجاشی کا آپ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دینا

یہ حکم ملتے ہی نجاشی نے اپنی مخصوص باندی ''ابرہ'' کے ذریعہ حضرت امِ حبیبہؓ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ شہنشاہِ بطحیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ حکم بھیجا ہے کہ ان کے ساتھ تمہارا نکاح کردوں، اگر تمہیں یہ منظور ہو تو اپنی طرف سے کوئی وکیل مقرر کرلو۔ جب یہ الفاظ سیدہ امِّ حبیبہؓ کے پردۂ سماعت سے ٹکرائے، تو آپ خوشی سے پھولے نہ سمائیں، اور بے ساختہ بول پڑیں، ''بشرك الله بالخير بشرك الله بالخير'' اللہ تم کو خوش خبری سنائے، اللہ تم کو خوش خبری سنائے۔ اور بطورِ انعام ابرہ کو اپنے دونوں ہاتھ کے کنگن، انگوٹھیاں اور پیروں کے پازیب اتار کردے دیے۔ (طبقات ابن سعد، مترجم: ۸/۸۱)

حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ کو وکیل بنانا

ابرہ کے جانے کے بعد آپؓ نے حضرت خالد بن سعید بن عاص - جو آپ کے قریبی رشتہ دار تھے- کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ آپؓ کی طرف سے نکاح کے وکیل بنے، حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ نے وکالت قبول فرمائی۔ (زندگیاں صحابہؓ کی: ۴۱۰)

شاہِ نجاشی کے دربار میں تقریبِ نکاح

جس دن صبح حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خوشخبری ملی اسی دن شام کو نجاشی نے حضرت جعفرؓ اور حبشہ میں مقیم تمام مسلمانوں کو بلایا، جب تمام لوگ حاضر ہوگئے تو نجاشی نے نکاح کی تقریب شروع کرتے ہوئے خطبہ پڑھا:

''الحمد لله الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار، أشهد أن لا إلٰه إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله، وأنه الذي بشر به عيسىٰ بن مريمؑ، أما بعد: فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب إلي أن أزوّجه أم حبيبة بنت أبي سفيان، فأجبت إلىٰ ما دعا إليه رسول الله ﷺ

وقد أصدقتها أربع مائة دينار".

میں شکر ادا کرتا ہوں اس خدائے بزرگ و برتر کا جو ہر قسم کے عیوب سے پاک، اپنے بندوں کو امن واطمینان بخشنے والا اور لامحدود طاقت وقوت کا سرچشمہ ہے، اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی دوسرا بندگی اور عبادت کا حقدار نہیں ہے اور اس بات کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس بات کی کہ وہ ان ہی کی ذاتِ پاک ہے جس کی بشارت عیسیٰ بن مریمؑ نے دی تھی۔ امابعد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ امِ حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے عقد میں دے دوں، سو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں اور ان کی طرف سے امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چار سو دینار بطورِ مہر ادا کرتا ہوں۔

خطبے سے فارغ ہونے کے بعد نجاشی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر کی رقم حضرت خالد بن سعیدؓ کے حوالے کی۔ اس کے بعد خالد بن سعیدؓ نے یہ تقریر کی:

"الحمد لله أحمده وأستعينه واستغفره وأشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله،، أرسله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون.

أما بعد! فقد أجبت إلىٰ ما دعا إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وزوجته أم حبيبة بنت أبي سفيان فبارك الله لرسوله ﷺ".

ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں، اسی سے اعانت طلب کرتا ہوں، اسی سے استغفار کرتا ہوں، اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت اور حق دے کر اس لیے بھیجا ہے کہ اس کو پوری جنسِ دین پر غالب کردیں، خواہ یہ بات کفار کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گذرے۔ امابعد! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بجا

لاتا ہوں اور اپنی مُوکلہ امِ حبیبہ بنتِ ابی سفیان کو ان کے نکاح میں دیتا ہوں، خداوندِ قدوس اسے رسول اللہ ﷺ کے بابرکت بنائے۔

دعوتِ ولیمہ

تقریبِ نکاح سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں نے اٹھ کر جانا چاہا تو نجاشی نے اُنہیں بٹھایا اور کہا: انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت نکاح کے بعد دعوتِ ولیمہ کی ہے، چناں چہ دستر خوان لگا اور تمام حاضرین خوشگوار ماحول میں اس تقریب سے لطف اندوز ہوئے۔ (امہات المؤمنین: ۶۰۷-۶۰۹)

بعض سیر کی کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ نجاشی نے نہیں؛ بلکہ حضرت خالد بن سعید بن عاص نے دعوتِ ولیمہ کی تھی، جونسی بھی روایت صحیح ہو؛ مگر اس میں کیا شک ہے کہ اپنوں سے دور، وطن سے بچھڑے ہوئے لوگوں کے لیے خوشی کی دو چار گھڑیاں بھی سیروں خون بڑھادیتی ہیں۔ (ازواجِ مطہرات، حیات وخدمات: ۱۷۷)

حضرت امِ حبیبہؓ کے نکاح کی ایک اور روایت

تمام اصحابِ تاریخ وسیر اس بات پر متفق ہیں کہ حضور انور ﷺ کا حضرت امِ حبیبہؓ سے نکاح حبشہ ہی میں ہوا، آپ ﷺ کی طرف سے وکیلِ نکاح شاہِ حبشہ نجاشی اور اُمّ المؤمنین کی طرف سے ان کے چچازاد بھائی حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ تھے۔ لیکن حضرت قتادہؒ اور امام زہریؒ کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ عقد مدینۂ منورہ میں ہوا، اور حضرت امِ حبیبہؓ کے وکیلِ نکاح حضرت عثمان بن عفانؓ تھے، ولیمہ کا انتظام بھی انہوں نے کیا تھا جس میں گوشت اور روٹی تھی۔

اس روایت کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ ممکن کہ ہے حضرت امِ حبیبہؓ جب مدینۂ منورہ پہنچی ہوں تو پہلے حضرت عثمانؓ کے یہاں اتری ہوں اور پھر وہیں حضور انور ﷺ

نے ان سے ملاقات کی ہو، اور ملاقات کے بعد حضرت عثمانؓ نے دعوتِ ولیمہ کا انتظام کیا ہو۔ (امہات المؤمنین:۶۱۱)

حضرت امِ حبیبہؓ کا ابرہ کو مزید انعام دینا

مہر کی رقم جب اُمّ المؤمنین حضرت امِ حبیبہؓ کے پاس پہنچی تو ابرہ کو بطورِ انعام پچاس دینار اور دینا چاہے؛ لیکن اس نے انہیں لینے سے منع کر دیا اور وہ تمام زیورات جو نکاح کا پیغام سناتے وقت دیے تھے وہ بھی لوٹا دیے اور کہا کہ: مجھے بادشاہ نے بہت تاکید کے ساتھ یہ حکم دیا ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں اور انہوں نے اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا کہ ان کے پاس جتنی خوشبوئیں ہوں وہ سب آپؓ کی خدمت میں پیش کر دے۔ چناں چہ اگلے روز ابرہ نے عود، عنبر و زعفران وغیرہ عطریات آپ کی خدمت میں پیش کر دیے، اور کہا کہ: مجھے تم سے ایک ضرورت ہے، آپؓ نے پوچھا: بتائیے کیا ہے؟ ابرہ نے بتلایا کہ: حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا اور اس بات کی اطلاع دینا کہ میں خداوندِ قدوس کے نازل کردہ دینِ اسلام کی پیرو ہوں اور آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لا چکی ہوں، دیکھیے: اس پیغام کو بھول مت جانا۔ (امہات المؤمنین:۶۰۹)

حضرت امِ حبیبہؓ کے حقِ مہر کے بارے میں اختلاف

تمام مؤرخین نے اُمّ المؤمنین حضرت امِ حبیبہؓ کے مہر کی مقدار چار سو دینار لکھی ہے؛ مگر اصحابِ تحقیق نے اسے محلِّ نظر قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امام احمد ابنِ حنبلؒ اور حافظ ابنِ عبد البرؒ نے یہ تحریر کیا ہے کہ خیر الوریٰ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور آپ ﷺ کی صاحبزادیوں کا مہر چار سو درہم تھا؛ لہٰذا حضرت امِ حبیبہؓ کے مہر میں چار سو دینار کا تذکرہ شاید کسی راوی کا وہم ہے کہ اس نے درہم کو دینار ذکر کر دیا۔

مگر یہاں اس کا بھی امکان ہے کہ چار سو دینار ہی اصحّ ہو؛ کیوں کہ مہر کی رقم نہ تو

سرورِ کائنات ﷺ نے متعین فرمائی ہے اور نہ خود ادا فرمائی ہے؛ بلکہ اس کی تعیین بھی شاہِ حبشہ نے کی اور ادا بھی خود انہوں نے ہی کیا۔

مستدرکِ حاکم کی ایک روایت میں چار ہزار دینار کا بھی تذکرہ ہے اور ابوداؤد کی ایک روایت میں چار ہزار درہم کا، اور ابوخیثمہ نے امام زہری سے بعض لوگوں کا رجحان چالیس اوقیہ بھی ذکر کیا ہے۔

فائدہ: سونے کا سکہ ''دینار'' اور چاندی کا سکہ ''درہم'' کہلاتا ہے، ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، تو اس حساب سے چالیس اوقیہ کی مقدار سولہ سو درہم ہوئی۔

(امہات المؤمنین: ۶۱۰)

مدینہ کی طرف روانگی

حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ جہاں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے شاہِ حبشہ کے نام سیدہ امِ حبیبہؓ کے لیے نکاح کا پیغام لے کر آئے تھے، وہیں ان کے آنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کریں کہ اپنے ملک میں موجود مہاجرین کو مدینۂ منورہ پہنچانے کا مناسب اور تسلّی بخش انتظام کردے، چناں چہ بادشاہ نے دو مناسب کشتیوں کا انتظام کیا۔

۶ھ کے اواخر یا ۷ھ کے اوائل میں تقریباً تیرہ یا چودہ سال کی مدتِ مدید کے بعد حضرت جعفرؓ کی قیادت میں سترہ مسلمان مہاجرین کا یہ قافلہ حبشہ سے روانہ ہوا، ویسے تو اُمّ المؤمنین سیدہ امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس سفر میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں؛ بلکہ روحانی بیٹوں کی معیّت حاصل تھی؛ لیکن شاہِ حبشہ نے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خاص طور پر ان کی دیکھ بھال اور خدمت کے لیے مامور کیا تھا۔ حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب ہم مدینہ پہنچے اُس وقت آپ ﷺ اور اکثر

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خیبر میں تھے، چناں چہ میں مدینہ میں ٹھہر گئی۔

دربارِ رسالت میں شرفِ باریابی

رسول اللہ ﷺ خیبر کی مہم سے فارغ ہو کر مدینۂ منورہ تشریف لائے۔ سیدہ کو اپنی عقیدتوں اور محبتوں کی مرجع شخصیت کی خدمت میں باریابی حاصل ہوئی، گویا اب انہیں دین و دنیا کی سب سے بڑی دولت مل گئی تھی۔ خیبر سے واپسی کے بعد جب حضور انور ﷺ سے ملاقات ہوئی تو پیش آمدہ تمام حالات بیان کر دیے اور ہدایا وغیرہ خدمتِ اقدس میں پیش کیے، نیز شاہِ حبشہ کی کنیز ابرہ کا سلام پیش کیا، اور عرض کیا کہ: میری روانگی تک ابرہ کا یہ حال رہا کہ جب بھی آتی تو یہی کہتی کہ: دیکھو! میری درخواست کو بھول مت جانا، تو آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: علیہا السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ (ازواجِ مطہرات: ۲/۱۳۳-۱۳۴)

حرمِ نبوی کی صورتِ حال

جب سیدہ امِ حبیبہؓ حرمِ نبوی میں داخل ہوئیں اُس وقت درجِ ذیل خوش قسمت خواتین پہلے ہی اس حرمِ مقدس میں بہ حیثیتِ امہات المؤمنین موجود تھیں:

سیدہ سودہ بنتِ زمعہؓ، سیدہ عائشہ صدیقہؓ، سیدہ حفصہؓ، سیدہ زینبؓ بنت جحش، سیدہ امِ سلمہؓ، سیدہ جویریہؓ بنتِ حارث، سیدہ صفیہؓ۔

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ گھرانہ سادگی کا مثالی نمونہ تھا، ہر بیوی کے لیے علیحدہ مکان یا حجرہ تھا؛ لیکن یہ سب مکان کچے تھے، چھتیں کھجور کی شاخوں اور ٹہنیوں سے تیار کی گئی تھیں، دروازوں پر ٹاٹ کے پردے آویزاں تھے۔ گھر والوں کا اکثر گذارا دودھ، کھجور اور جو کی روٹی پر تھا، فتوحات اور مالِ غنیمت کی آمد کے باوجود فقر و قناعت اور توکّل ہی ان کا امتیازی نشان رہا۔

محمد بن عمر کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے بہ طور سالانہ گذارے کے امِّ حبیبہ کے لیے خیبر کی آمدنی سے اسّی وسق کھجوریں اور بیس وسق جَو طے کیے تھے۔

(طبقات ابنِ سعد مترجم: ۸/۸۳)

سیدہ امِ حبیبہؓ جب اُمّ المؤمنین کے اعزاز سے سرفراز ہوئیں، تو ان کی عمر تقریباً ۳۷/ سال تھی۔ ان کی بیٹی حبیبہ بھی ان کے ساتھ تھیں، جنہیں رسول اللہ ﷺ کے گھر میں تعلیم وتربیت کے زرّیں مواقع حاصل ہوئے۔

سیدہ امِّ حبیبہؓ کی دل جوئی وخبر گیری اور ذکرِ حبشہ

سیدہؓ ایک سمجھ دار، بلند ہمت اور سلیقہ شعار خاتون تھیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کی دل جوئی اور خبر گیری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، سیدہ خود فرماتی ہیں:

رسول اللہ ﷺ اکثر مجھ سے حبشہ میں پیش آنے والے حالات وواقعات کے متعلق دریافت کیا کرتے تھے، اسی طرح شاہِ حبشہ نجاشی کے رویے اور طرزِ عمل کے بارے میں مختلف سوالات کرتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ اس کے حسنِ سلوک کے واقعات معلوم کرکے بہت خوش ہوتے تھے اور اس کے حق میں خیر وبرکت کی دعا فرماتے تھے۔ (ازواجِ مطہرات: ۲/۱۳۴-۱۳۵)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت امِ حبیبہؓ اور حضرت امِ سلمہؓ نے ہم سے حبشہ کے گرجا گھروں اور ان میں بنے مجسّموں اور تصویروں کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھے تھے، پھر ہم نے اس کا آپ ﷺ کے سامنے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا ہے تو ان کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیتے ہیں اور اس کی تصویر اور مجسمہ بنا کر وہاں نصب کردیتے ہیں، کل قیامت کے دن خداوندِ قدوس کی نگاہ میں ایسا کرنے والے بدترینِ خلائق ہوں گے۔ (سیرتِ امِ حبیبہؓ: ۶۷)

صحیح مسلم کی ایک روایت پر تنقید

صحیح مسلم میں ہے کہ لوگ ابوسفیان کو نظر اٹھا کر دیکھنا اوران کے پاس بیٹھنا ناپسند کرتے تھے، اسی بنا پر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے تین چیزوں کی درخواست کی جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ امِ حبیبہؓ سے شادی کر لیجیے، آں حضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان کے مسلمان ہونے کے وقت حضرت امِ حبیبہؓ ازواجِ مطہرات میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔

لیکن یہ راوی کا وہم ہے، چناں چہ ابنِ سعد، ابنِ حزم، ابنِ جوزی، ابنِ اثیر، بیہقی اور عبدالعظیم منذری نے اس کے خلاف روایتیں نقل کی ہیں اور ابنِ سعد کے سوا سب نے اس روایت کی تردید کی ہے۔ (سیر الصحابیاتؓ: ۸۳)

حضرت امِ حبیبہؓ کے نکاح کی اطلاع اور ابوسفیان کا تبصرہ

جب اس نکاح کی اطلاع حضرت ابوسفیان کو پہنچی جو اس وقت تک نہ صرف یہ کہ مسلمان نہیں ہوئے تھے؛ بلکہ دشمنانِ اسلام کے لیڈر اور سپہ سالار بنے ہوئے تھے اور کفارِ مکّہ ان ہی کی زیرِ قیادت مسلمانوں سے نبرد آزما تھے۔ ابوسفیان چاہتے تھے کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کا نام تک مٹا دیں؛ مگر اب جب کہ بیٹی خود دشمن کے گھر کی زینت ورونق قرار پائی تو دل پر کیسے سانپ لوٹے ہوں گے! تاریخ بتاتی ہے کہ ابوسفیان نکاح کی خبر سن کر بے ساختہ یہ پکار اٹھے: ”محمد جواں مرد ہیں، ان کی ناک نہیں کاٹی جاسکتی۔ یعنی اِدھر تو ہم ان سے لڑ رہے ہیں اور اُدھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی“۔ یہ بات کہنا گویا اپنی ہار تسلیم کر لینا ہے، یہ گویا پہلی ضرب تھی جو ابوسفیان کے کفر وشرک پر پڑی اور رفتہ رفتہ ہوتے ہوتے کفر وشرک کی نجاست دھل دھلا کر فتحِ مکّہ کے موقع سے آئینۂ دل اسلام کے آفتابِ عالمتاب سے جگمگانے لگا۔ (ازواجِ مطہرات، خدمات وحیات: ۱۷۷)

نکاح کے اسباب

نکاح کا پہلا سبب یہ تھا کہ ان کا پہلا خاوند مرتد ہوگیا، وہ تنہا رہ گئیں، ان کے عقیدے اور دین کی حفاظت ضروری تھی کہ کہیں وہ مجبور ہوکر مکۂ معظّمہ کی طرف واپس نہ چلی جائے اور وہاں ان کا خاندان انہیں اسلام سے منحرف ہونے پر مجبور نہ کرے؛ کیوں کہ وہ اپنے والدین کی رضا کے خلاف اسلام قبول کرچکی تھیں، شادی کرکے انہیں تحفظ فراہم کیا گیا۔

شادی کا دوسرا سبب یہ تھا کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان دیرینہ عداوت پائی جاتی تھی، اس شادی سے وہ عداوت جاتی رہی اور نبیٔ کریم ﷺ نے جن مقاصد کو حاصل کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ آپ کو حاصل ہوگئے۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۴۲۶)

آپؓ کا اپنے والد اور بھائی کے اسلام کی تمنا کرنا

ام المؤمنین حضرت امِ حبیبہؓ کی دلی تمنا تھی کہ کاش! میرے باپ اور بھائی دائرۂ اسلام میں داخل ہوکر نعمتوں بھری جنّت کے مستحق بن سکیں، اور ہمیشہ ڈرتی تھیں کہ کہیں یہ بھی ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، عتبہ بن ربیعہ، اور شیبہ بن ربیعہ کی طرح حالتِ کفر ہی میں دنیائے فانی سے کوچ نہ کرجائیں۔

ایک دن سیدہ امِ حبیبہؓ نے اس طرح دعا کی: اے اللہ! مجھے، میرے شوہر نبی ﷺ، میرے والد ابوسفیان، میرے بھائی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دے۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا: تم نے اللہ تعالیٰ سے ایسی باتوں کا سوال کیا جن کی میعاد مقرر ہیں، قدم تک لکھے ہوئے ہیں، روزیاں مقسوم ہوچکی ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ کسی چیز کو مقدم یا مؤخر نہیں کرے گا، اگر تم اللہ سے یہ مانگتی کہ اے اللہ! مجھے جہنم اور قبر کے عذاب سے عافیت دے تو بہتر ہوتا۔ (ازواجِ مطہرات، حیات وخدمات: ۱۷۸)

جب فتحِ مکّہ کے موقع پر ابوسفیانؓ اورامیرِ معاویہؓ نے اسلام قبول کرلیا تو حضرت امِ حبیبہؓ بہت خوش ہوئیں ۔قرآنِ مجید کی آیتِ کریمہ:

﴿عسى الله أن يجعل بينكم وبين الذين عاديتم منهم مودة، والله قدير، والله غفور رحيم﴾ (سورۂ ممتحنہ:۷) ترجمہ: امید ہے کہ اللہ تمہارے اوران کے درمیان جن سے تمھیں عداوت ہے محبت پیدا کردے اور اللہ قدرت والا ہے اور اللہ بہت زیادہ بخشنے والانہایت رحم والا ہے۔ (اضواء البیان)

کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ: یہ آیتِ امِ حبیبہ بنتِ ابوسفیان کی رسولِ اقدس ﷺ کے ساتھ شادی کے موقع پر نازل ہوئی؛ کیوں کہ اس مبارک شادی کی وجہ سے ابوسفیان، امیرِ معاویہ، یزید بن ابی سفیان رسول اللہ کے حلقۂ عقیدت میں شامل ہوگئے۔

مدینہ میں حضرت ابوسفیانؓ کی آمد اور آپؓ کا ان سے رویہ

صلحِ حدیبیہ کے بعد مشرکینِ مکّہ نے صلح کی خلاف ورزی کی، قبیلۂ خزاعہ کے مقابلہ میں بنوبکر کا ساتھ دے کر معاہدۂ صلح کوتوڑ دیا؛ مگر پھر جلد ہی ہوش آ گیا کہ ہم نے حماقت کی ہے تو تجدیدِ صلح کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے اُمّ المؤمنین سیدہ امِ حبیبہؓ کے والد حضرت ابوسفیانؓ (جو اس وقت کافر تھے) مدینۂ منورہ حاضر ہوئے اور بیٹی سے ملاقات کے لیے ان کے مکان پر گئے۔

یادرہے کہ باپ بیٹی کی یہ ملاقات تقریباً پندرہ سال بعد ہورہی تھی، خونی رشتے کی قرابت کی وجہ سے اس ملاقات میں جذبات کی شدّت کا پیدا ہوجانا فطری امر تھا؛ مگر اس طوفانی کیفیت میں بھی بیٹی نے خونی رشتے کے جذبات کو اپنے ایمانی اور دینی احساسات پر غالب نہ ہونے دیا۔

چناں چہ تاریخ نے نوٹ کیا کہ جب باپ حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو بیٹی نے بستر لپیٹ دیا، اس پر ابوسفیان بڑے خفا ہوئے، پوچھا: بیٹی! بستر میرے لائق نہیں ہے یا میں بستر کے لائق نہیں ہوں! بیٹی کی جانب سے صاف اور دوٹوک جواب ملا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ کفر وشرک کی گندگی سے آلودہ ہیں، سب سے مقدس ومطہر ہستی کے بستر پر میں کفر وشرک کی گندگی میں ملوّث شخص کو بیٹھنے دوں یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے، آپ میرے والد ضرور ہیں مگر حضور ﷺ کے حق میں کسی بے ادبی کو برداشت کرلوں، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، آپ ﷺ کی رضا کے مقابلہ میں مجھے کسی کی ناراضگی کی کوئی پروا نہیں ہے۔اس پر ابوسفیان آگ بگولہ ہوگئے اور کہنے لگے کہ: تم میرے پیچھے بڑی خرابیوں میں مبتلا ہوگئی ہو؛ مگر حضرت امِ حبیبہؓ نے اس خفگی کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہیں کی اور اپنے موقف پر قائم رہیں۔(امہات المؤمنین:۶۱۴)

اطاعت اور اتباعِ سنت

ام المؤمنین حضرت امِ حبیبہؓ نے حضور ﷺ کے ایک ایک قول وعمل کو حرزِ جاں بنائے رکھا تھا، جس طرح خود حضور ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ پر عمل کرتی تھیں، اسی طرح دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ان کے بھانجے حضرت ابوسفیان بن سعید بن مغیرہ حاضرِ خدمت ہوئے تو آپ نے ان کے سامنے ستّو رکھا، وہ ستو کھا کر فارغ ہوئے تو انھوں نے پانی منگوا کر کلی کی، آپؓ نے ان سے کہا کہ: کیا اچھا ہوتا کہ تم وضو کرلیتے؛ کیوں کہ سرورِ دوعالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کیا کرو۔

فائدہ: احناف کے نزدیک یہ حکم پہلے تھا؛ لیکن بعد میں منسوخ ہوگیا، چناں چہ متعدد احادیث میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے آگ پر پکی ہوئی چیز کھائی، پھر نماز کے لیے

کھڑے ہو گئے اور دوبارہ وضو نہیں کیا۔(امہات المؤمنین:۶۱۶)

تین دن سے زیادہ سوگ نہ منانا

ام المؤمنین امِ حبیبہؓ کے والد ابوسفیان کے انتقال کے تین دن کے بعد آپؓ نے خوشبو منگوائی اور اسے لگا کر فرمایا کہ: مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں تھی، اس کے باوجود میں نے اسے استعمال کیا؛ اس لیے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: کسی ایسی عورت کے لیے جائز نہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ اپنے خاوند کے علاوہ کسی کا تین دن سے زیادہ سوگ منائے، خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن ہے۔(امہات المؤمنین:۶۱۸)

بارہ نفل پڑھنے پر دوام

ایک مرتبہ خیر الوریٰ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص دن رات میں فرض نماز کے علاوہ بارہ رکعت پڑھے گا تو اس کے لیے جنّت میں ایک گھر بنا دیا جائے گا۔ حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: اس ارشادِ گرامی کے سننے کے بعد سے میں نے اس پر نہایت پابندی سے عمل کیا۔ اسی اہتمام اور پابندی کا نتیجہ تھا کہ آپ سے اس روایت کو اخذ کرنے والے تمام شاگردان بھی اس پر خوب عمل پیرا رہے، اور آپ کے بھائی عتبہ اور عتبہ کے شاگرد عمرو بن ادریس اور عمرو کے شاگرد نعمان بن سالم سب اپنے اپنے زمانہ میں برابر نمازیں پڑھتے رہے۔(امہات المؤمنین:۶۱۷، سیر الصحابیات:۸۶)

سادہ مزاجی

ام المؤمنین حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فطرتاً نیک اور نہایت سادہ مزاج تھیں؛ سادگی اور بھولے پن کا یہ عالم تھا کہ بابِ نکاح میں اپنی بہن کو بھی وہی مقام دلانا چاہا جو خود انہیں حاصل تھا، حالاں کہ اس باب میں کوئی عورت کسی کو بھی گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوا کرتی۔ چناں چہ انہوں نے حضورِ انور ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ

کے رسول! آپ میری بہن کو اپنے نکاح میں لے لیجیے، آپ ﷺ نے دریافت کیا: کیا تم اسے پسند کرتی ہو؟ کہنے لگی کہ: تنہا میں ہی آپ کی بیوی تو ہوں نہیں، میں چاہتی ہوں کہ آپ کے نکاح کی سعادت میں میرے ساتھ میری بہن بھی شریک ہو جائے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ایسا کرنا میرے لیے حلال نہیں ہے۔ (امہات المؤمنین: ۶۱۹)

حضرت امِ حبیبہؓ کی شجاعت ودلیری

حضرت عثمان بن عفانؓ کے دورِ خلافت میں جب بلوائیوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا تو وہ اپنے گھر میں قید ہوکر رہ گئے، ان کے پاس ضرورت کی کوئی شیٔ نہیں پہنچ سکتی تھی، اپنے ماموں زاد بھائی حضرت عثمانؓ کی یہ حالت دیکھ کر اُمّ المؤمنین حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تڑپ اٹھیں۔

ایک دن اُمّ المؤمنینؓ پانی کا ایک مشکیزہ اور کچھ کھانا لے کر اپنے گھر سے نکلی اور خچر پر سوار ہوکر حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف چل دی، آپؓ نے کھانے پینے کا سامان چھپا کر رکھا تھا؛ تاکہ بلوائی اسے دیکھ کر چھین نہ لے؛ مگر فسادیوں نے ان کو روکا اور خچر کے منہ پر طمانچہ مارا۔ سیدہ امِ حبیبہؓ نے فرمایا: مجھے عثمان تک پہنچنے دو، میں ان کے پاس بنو امیّہ کی امانت کے طور پر رکھے ہوئے اموال کے بارے میں گفتگو کرنے آئی ہوں؛ تاکہ یتیموں اور بیواؤں کا مال یونہی برباد نہ ہوجائے، ان میں سے کسی نے کہا: یہ جھوٹ بول رہی ہے۔ اسی دوران کسی نے ان کے خچر کی رسی کاٹ ڈالی جس کی وجہ سے آپ گرتے گرتے بچیں۔ اس پر اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت رنج وغم ہوا، اس کے بعد کچھ لوگوں نے آپ کو گھر تک پہنچا دیا۔ (ازواجِ مطہرات: ۲/ ۱۳۸-۱۳۹)

قاتلِ عثمان کے لیے بددعا

حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب یہ خبر ملی کہ حضرت عثمان بن عفانؓ کو ان

کے گھر میں محاصرہ کے بعد شہید کر دیا گیا ہے تو دلی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: عثمان کے قاتل کا ہاتھ کٹ جائے، وہ سرِ عام رسوا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات کی لاج رکھ لی، کسی شخص نے قاتل کے مکان میں گھس کر تلوار سے اس پر حملہ کیا، اس نے اپنے بچاؤ کے لیے اپنا دایاں ہاتھ آگے کیا جو کٹ کر نیچے گر گیا، اس نے اپنی چادر کو دانتوں سے سہارا دیا اور گھر سے نکل کر باہر دوڑ پڑا، دوڑتے ہوئے وہ چادر سنبھال نہ سکا جس کے باعث بر سرِ عام وہ برہنہ ہو گیا۔ (صحابیات مبشرات: ۱۸۵)

جنّت کی بشارت

ابو القاسم ابن عساکر حضرت حسنؓ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ: ایک روز امیر معاویہ نبیٔ اقدس ﷺ کے پاس آئے، آپ کے پاس ان کی بہن ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں، امیرِ معاویہؓ واپس پلٹے تو رسول اللہ ﷺ نے آواز دی: معاویہ! آؤ اور ہمارے ساتھ بیٹھو۔ وہ واپس آئے اور آپ کے پاس بیٹھ گئے۔

رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری دلی تمنّا ہے کہ جنّت میں تم، امِ حبیبہ اور میں اکٹھے جامِ طہور نوش کریں۔ اس فرمان میں حضرت امِ حبیبہؓ کے لیے جنّت کی بشارت کا تذکرہ ہے۔

نیز اسی طرح ایک دوسرے موقع پر آپ نے عمومی بیان دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے جنّتی خاتون سے شادی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس فرمان سے بھی ثابت ہوا کہ اُمّ المؤمنین حضرت امِ حبیبہؓ بنتِ ابی سفیانؓ سمیت تمام ازواجِ مطہرات کے جنّتی ہونے کی بشارت دنیا میں ہی دے دی گئی تھی۔ (صحابیات مبشرات: ۱۸۳)

اپنے بھائی کے دورِ حکومت میں دمشق میں قیام

آپ اپنے بھائی حضرت امیرِ معاویہؓ کے دورِ امارت میں دمشق تشریف لے گئیں

اور وہاں کچھ عرصہ رہ کر واپس مدینۂ منورہ تشریف لے آئیں۔

روایتِ حدیث اور شاگردان

حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علم میں بھی اونچا مقام رکھتی تھیں، چناں چہ آپ سے ۶۵/روایتیں منقول ہیں۔

آپ کے تلامذہ کی ایک بڑی جماعت ہے جس میں سے خاص تلامذہ کے نام یہ ہیں: حضرت حبیبہؓ یہ آپ کی بیٹی ہیں، حضرت معاویہؓ وحضرت عتبہؓ یہ دونوں آپ کے بھائی ہیں، عبداللہ بن عتبہ بن ابی سفیان، ابوسفیان بن سعید بن مغیرہ، سالم بن سوال (سالم بن سوار، اس طرح کا نام بھی ملتا ہے)۔ ابوالجراح (بعض حضرات نے ابن الجراح لکھا ہے)۔ صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ام سلمہؓ، عروہ بن زبیرؓ، ابوصالح السمان (بعض مؤرخین نے ''سمان'' کی بجائے ''ثمان'' لکھا ہے)۔ آپ کی بہن عقیلہ بنتِ ابی سفیان کا نام بھی ملتا ہے۔ (سیرت امِ حبیبہؓ: ۸۸، امہات المؤمنین: ۲۲۵)

روایتِ حدیث کے معاملہ میں تیسرا نمبر

ام المؤمنین امِ حبیبہ بنتِ ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم وفضل اور فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ پر فائز تھیں، جیسا کہ اوپر گذرا کہ آپ سے کل ۶۵/ روایتیں منقول ہیں، اس اعتبار سے آپ امہات المؤمنین میں علمِ حدیث کے حوالے سے تیسرے درجہ پر فائز ہیں؛ کیوں کہ پہلا درجہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ہے اور دوسرا درجہ اُمّ المؤمنین ام سلمہؓ کا ہے۔ (صحابیات مبشرات: ۱۸۴)

آپؓ کی مرویات کے چند نمونے

آپؓ نے حضور ﷺ سے کئی احادیث کو روایت کیا ہے، چناں چہ مسندِ ابویعلیٰ میں ابوالجراح قرشی کے حوالے سے امِ حبیبہؓ کی روایت منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اگر میری امّت پر یہ دشوار نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا جیسا کہ وہ ہر نماز کے لیے وضو کرتے ہیں۔اسی طرح یہ روایت بھی منقول ہے کہ حضور ﷺ نے ارشادفرمایا: جس نے ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعت اور بعد میں چار رکعت نوافل ادا کیے اللہ تعالیٰ اسے جہنم پر حرام قرار دے دیتا ہے۔(صحابیات مبشرات:۱۸۵)

فکرِ آخرت

وفات کے قریب آپؓ نے اپنی دونوں سوکنوں -حضرت عائشہؓ اور حضرت امِ سلمہؓ- کو بلایا اور کہا کہ: ہم آپس میں سوکنیں تھیں،اور ہمارے درمیان کبھی تنازع ہوجاتا تھا؛اس لیے تم مجھے معاف کردو،حضرت عائشہؓ نے کہا کہ: ہم نے تمھیں معاف کردیا اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی،اس پر آپؓ نے کہا کہ: جس طرح تم نے مجھے خوش کیا خداتمھیں خوش کرے۔حضرت امِ سلمہؓ نے بھی جواب میں اسی قسم کی عفو ودرگذر والی بات کی۔(امہات المؤمنین:٦۲۰،خواتینِ اسلام کی دینی وعملی خدمات:۱۵٦)

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد حضرت مولانا انور صاحب احمد اعظمی مدت فیوضہم رقم طراز ہیں: یہ وہ مقدس خواتین ہیں جن کے متعلق آپ ﷺ نے اپنی زبانِ فیض ترجمان سے ان کے جنّتی ہونے کی بشارت دی ہے،ان کے فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں، ان کی عظمت وتوقیر کا اظہار فرمایا ہے؛مگران تمام باتوں کے باوجود انہیں آخرت کے حساب وکتاب کا فکر دامن گیر ہے اور اس بات کا پورا پورا خیال ہے کہ آپس میں پیش آنے والا کوئی معاملہ ایسا باقی نہ رہ جائے جس کا حساب وکتاب آخرت میں چکانا پڑے، کیا ان مقدس ماؤں کا اسوہ اپنے اندر ہمارے لیے کوئی نمونہ رکھتا ہے؟ اور کیا ہمیں بھی معاملات کے سلسلہ میں اسی طرح آخرت کے حساب وکتاب کی فکر دامن گر رہتی ہے؟(امہات المؤمنین:٦۲۳)

وفات

ام المؤمنین حضرت امِ حبیبہؓ کا انتقال ۴۴ھ میں ان کے بھائی امیر معاویہؓ کے دورِ امارت میں ہوا، اس وقت آپؓ کی عمر مبارک ۷۳ یا ۷۴ برس تھی۔ (امہات المؤمنین: ۶۲۳)

تجہیز و تکفین اور نمازِ جنازہ

ام المؤمنین حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل کن عورتوں نے دیا؟ ایسے ہی تجہیز و تکفین میں کن کی شرکت رہی؟ قبر میں کون لوگ اترے؟ اور نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی؟ کتابوں میں اس کی کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے، نمازِ جنازہ کے بارے میں اغلب یہی ہے کہ مروان بن حکم نے پڑھائی ہوگی؛ کیوں کہ وہی اُس وقت مدینۂ منورہ کے حاکم تھے۔

تدفین

بعض حضرات نے آپ کا انتقال دمشق میں لکھا ہے؛ مگر صحیح یہی ہے کہ آپ کا انتقال مدینہ میں ہوا اور آپ کی قبر مبارک بھی مدینۂ منورہ میں ہے؛ مگر مدینہ کے مشہور قبرستان جنّت البقیع میں ہونے کی کوئی روایت نہیں مل سکی۔

حضرت زین العابدین سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں اپنے مکان میں گیا جو سیدنا حضرت علیؓ کی حویلی میں واقع تھا، میں نے کسی ضرورت کی وجہ سے اس کے ایک گوشے کو کھدوایا تو اس میں سے ایک پتھر نکلا جس پر لکھا ہوا تھا: "هذا قبر رملة بنت صخر" (یہ رملہ بنتِ صخر کی قبر ہے) تو اس پتھر کو وہیں رکھ کر اس پر مٹی ڈال دی۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ کی قبر حضرت علیؓ کی حویلی میں واقع کسی مکان میں ہے۔ (امہات المؤمنین: ۶۲۴)

حلیہ مبارکہ

جس طرح آپؓ خوب سیرت تھیں اسی طرح خوبصورت بھی تھیں، خود آپ کے والد حضرت ابوسفیان کی زبانی منقول ہے: "عندي أحسن العرب وأجمله أم حبيبة بنت أبي سفيان" میرے نزدیک عرب کی حسین وجمیل ترین عورت امِ حبیبہ بنت ابی سفیان ہے۔(امہات المؤمنین:۶۲۴)

اولاد

پہلے شوہر سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ''حبیبہ'' رکھا گیا، اُمّ المؤمنین اسی حبیبہ کو لے کر حضور ﷺ کے گھر آئی تھیں، حبیبہ نے آپ ﷺ کی صحبت پائی، بلوغت کے بعد یہ قبیلۂ ثقیف کے رئیس داؤد بن عروہ بن مسعود ثقفی کے ساتھ بیاہی گئیں۔

(امہات المؤمنین:۶۲۵، سیر الصحابیات ۸۴)

ایک بیٹے عبداللہ کا تذکرہ بھی بعض کتابوں میں مذکور ہے۔(سیر الصحابیات:۸۴)

یہ تھیں حضرت امِّ حبیبہؓ کی حیاتِ مبارکہ کی چند جھلکیاں، اگر آج کا مسلمان ان ہی جھلکیوں کو عملی جامہ پہنا دیں تو یہی جھلکیاں اسے منزل تک پہنچانے کے لیے کافی وشافی ہیں۔ یہ جھلکیاں نہیں، ستارے ہیں؛ یہ نقوش نہیں، منزل کے نشان ہیں؛ اس پر چلتے رہنے سے مؤمن سیدھا اپنے حقیقی گھر تک پہنچنے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔کاش! یہ بات چودھویں صدی کی امتِ مسلمہ کو سمجھ میں آجائے۔

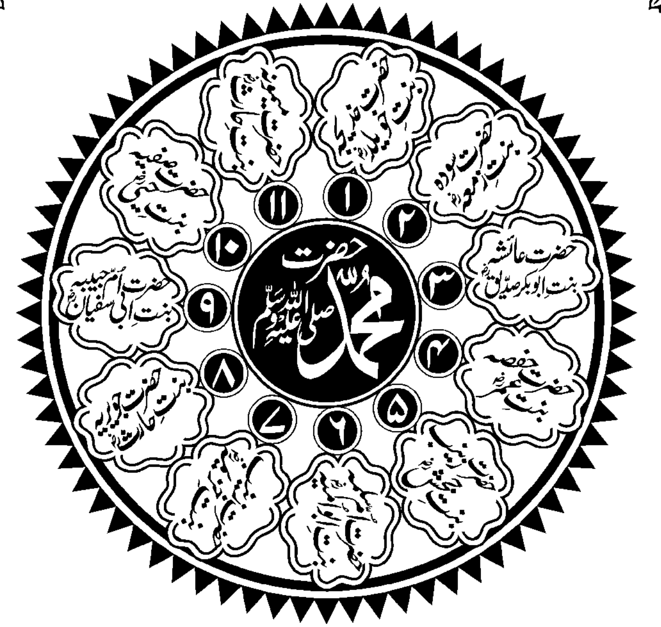

۱۰

اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ بنتِ حیی رضی اللہ عنہا

سوانحی خاکہ

نام	:	صفیہ بنت حیی
کنیت	:	ام یحییٰ قبیلہ: بنونضیر
ولادت	:	ہجرت سے دس سال قبل مدینہ میں ہوئی۔
پہلا نکاح	:	سلام بن مکشم سے ہوا۔
دوسرا نکاح	:	کنانہ بن ربیع بن آبی الحقیق سے ہوا۔
قبول اسلام	:	۷ھ میں حضور ﷺ کی دعوت پر آپ نے اسلام قبول کیا۔
حضور سے نکاح	:	محرم ۷ھ میں مقام الصہبا میں ہوا۔
مہر	:	بہ قول ثابت بنانیؒ آزادی ہی بہ طور مہر طے پائی۔
حج بیت اللہ	:	۱۰ھ میں آپ ﷺ کے ساتھ حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئی۔
مرویات	:	۹ یا ۱۰/احادیث
وفات	:	مشہور قول کے مطابق رمضان المبارک ۵۰ھ
نمازِ جنازہ	:	حضرت سعید بن العاصؓ نے پڑھائی اور ایک قول کے مطابق امیر معاویہؓ نے پڑھائی۔
مدفن	:	جنّت البقیع۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ بنتِ حیی رضی اللہ عنہا

انور الاسلام مفید الاسلام ترکیسری

اس کرۂ ارض پر سب سے معزز ترین مقدس ہستیاں انبیائے کرام ہیں، ان میں بھی سب سے افضل واعلیٰ سرتاجِ انبیا، محبوبِ کبریا، فخرِ کون ومکاں، سردارِ دوجہاں، باعثِ تخلیقِ ارض وسما، احمدِ مرتضیٰ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، جن سے نبوت کے سلسلۂ مبارکہ کا تکملہ ہوا، جو قیامت تک آنے والے ہر شخص کے لیے اسوہ اور نمونہ قرار پایا، جن کی ذاتِ گرامی ساری دنیا کے لیے رحمت بن کے آئی تھی، خدا فراموشی اور شرک وکفر کے ظلمت کدوں کے لیے روشنی کا پیغام تھی، کائنات کی ساری خوبیاں جن کے کاسے میں سمودی گئی، جن کے زمان ومکان اور جن کے جسمِ منور کی خلاقِ اعظم نے قسم کھائی، جن کے تمام اقوال و افعال قیامت تک آنے والے ہر انسان کے لیے مشعلِ راہ ہیں، جنہوں نے اپنی جان توڑ محنت، شب وروز کے مجاہدے، دن کے اجالے میں تبلیغی سرگرمی اور رات کی تاریکیوں میں گریہ وزاری کے ذریعے ایک ایسی جماعت تیار کی تھی، جنہوں نے نبوی پیغام کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے ایک ایک قول وعمل کو کائنات کے گوشے گوشے میں عام کردیا۔

ایک عام انسان کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بھی دو پہلو ہیں: ایک بیرونی زندگی اور دوسری اندرونی زندگی جس کو ''خانگی زندگی'' بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ رب العزّت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بیرونی زندگی کو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذریعہ پھیلایا تو خانگی زندگی کے پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے ''امہات المؤمنین'' کے ایک مبارک گروہ کا انتخاب کیا، جن کی حیات وخدمات امتِ مسلمہ کے لیے تا صبحِ

قیامت مشعلِ راہ قرار پائی۔

اسی خوش قسمت اور سعادت مند طبقے کی ایک فردِ فرید اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ بنت حیی﷞ کی ذات بابرکت ہے، راقم الحروف ان ہی کے حالاتِ زندگی ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے سعادت حاصل کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما کر امتِ مسلمہ کے لیے ذریعۂ نجات اور راقم کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

نام ونسب

سیدہ صفیہ کا اصل نام بقول زرقانی ''زینب'' تھا۔

چونکہ وہ غزوۂ خیبر میں قیدی کی حیثیت سے آئی تھیں اور آں حضرت ﷺ نے ان کو اپنے لیے منتخب کرلیا تھا اور جس چیز کا امیرِ وقت یا بادشاہ اپنے لیے انتخاب کرلے اس کو اہلِ عرب ''صفی یا صفیہ'' کہتے ہیں، اس لیے آپ کا نام ''صفیہ'' پڑ گیا اور پھر آپ﷞ اسی نام سے مشہور ہوگئیں۔ (امہات المؤمنین: ۲۲۸، سیر الصحابیات: ۹۰)

ابن زبالہ نے المنتخب میں ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدہ صفیہ کا اصل نام ''حبیبہ'' تھا؛ لیکن چوں کہ جنگِ خیبر میں وہ آپ ﷺ کے حصہ میں آئی تھیں؛ اس لیے ان کا نام ''صفیہ'' مشہور ہوگیا۔ (پیغمبرِ اسلام اور اہلِ بیت: ۴۴۳، ۱۰۰ بڑی زاہد خواتین اور ان کی سردار فاطمہ بنتِ محمد ﷺ: ۱۴۳)

ایک اور روایت کے مطابق آپ﷞ کا اصلی نام ہی ''صفیہ'' تھا۔

''اسد الغابہ'' میں آپ﷞ کا سلسلۂ نسب اس طرح مذکور ہے: ''صفیہ بنتِ حیی بن اخطب بن سعید بن عامر بن عبید بن کعب بن خزرع بن ابی حبیب بن نضیر بن نجام بن میخوم''۔

آپ﷞ کا نسب بنی اسرائیل کے معزز نبی سیدنا ہارون﷣ سے جا ملتا ہے جو الوالعزم پیغمبر سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے۔

حافظ ابنِ حجر﷫ کے بیان کے مطابق آپ﷞ کی کنیت ''امِّ یحییٰ'' تھی۔ (پیغمبرِ اسلام اور اہل بیت: ۴۴۳، ۱۱۰، بڑی زاہد خواتین اور ان کی سردار فاطمہ بنت محمد ﷺ: ۱۴۳)

آپؓ کی ماں کا نام برّہ یا ضرّہ بنت سموئیل (سَمَوَاَل) تھا۔ سموئیل پورے عرب میں اپنی شجاعت اور دلیری کی بنا پر مشہور و معروف تھا، یہ مدینہ میں آباد یہودی قبیلۂ بنو قریظہ کا سردار بھی تھا۔

سیدہ صفیہ کا باپ حیی بن اخطب قبیلۂ بنو نظیر کا سردار تھا، اس کی حد سے زیادہ قدر و منزلت کی جاتی تھی، پورا قبیلہ اس کی سرداری و وجاہت کے آگے سرنگوں رہتا تھا۔ حیی بن اخطب اپنے قبیلہ کا سردار ہونے کے ساتھ ساتھ تورات کا ایک متبحر عالم بھی تھا، سیادت، علمی وجاہت اور خاندانِ نبوت کے ساتھ نسبت کی بنا پر عرب کے تمام یہودیوں میں اسے ایک اہم اور منفرد مقام حاصل تھا۔ (ازواج مطہرات ۱۵۳/۲، تذکارِ صحابیات: ۹۷)

مذکورہ بالا سطور سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ صفیہؓ کے دادا اور نانا دونوں خاندانی اعتبار سے اونچا اور بلند مقام رکھتے تھے، اپنی اپنی قوم کے سردار مانے جاتے تھے، اور بنی اسرائیل کے تمام عرب قبائل کے مقابلہ میں ان کو ایک امتیازی شان اور اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

ولادت

اہلِ سیر نے سیدہ صفیہؓ کی ولادت باسعادت کے بارے میں مستقل کوئی صراحت نہیں کی ہے۔ البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کی ولادت باسعادت ہجرت سے دس سال قبل سنہ ۳ نبوی میں یثرب (مدینہ) کے قبیلۂ بنو نظیر میں ہوئی، جن کو مدینہ میں آباد یہودیوں کے دو اور قبیلے بنو قریظہ اور بنو قینقاع کے مقابلے میں ہر لحاظ سے برتری حاصل تھی۔ اس طرح آپؓ نے جس گھرانے میں جنم لیا وہ عزّت و شرافت، سیادت و نجابت، زعام و سرداری کا گہوارہ تھا، مال و دولت کی بھی فراوانی تھی؛ اس لیے آپ کا نشو و نما اور پرورش و پرداخت پورے ناز و نعم اور عیش و عشرت کے ساتھ ہوئی۔ (امہات المؤمنین: ۶۳۰)

مدینہ میں آباد یہودی قبائل

واقعۂ ہجرت کے وقت مدینہ میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے: (۱) بنو قینقاع

(۲) بنونظیر (۳) بنوقریظہ۔ان کی مالی اوراقتصادی حالت مدینہ کے دوسرے قبائل کے مقابلہ میں بڑی مستحکم تھی ، دفاعی اور عسکری لحاظ سے بھی انہیں برتری حاصل تھی ،جنگی سازوسامان کی بھی ان کے پاس فراوانی تھی۔

جب سرورِدوعالم ﷺ مدینہ ہجرت کر کے تشریف لے آئے تو آپ ﷺ نے معاشرتی امور کو منظّم کرنا شروع کر دیا، آپ ﷺ کی تمنا تھی کہ پورے معاشرے کی بنیاد عدل و انصاف،مساوت وبرابری اور آپسی تعاون و بھائی چارگی پر قائم ہو۔

چنانچہ آپ ﷺ نے ایک بالغ النظر مصلح اورداعی کی حیثیت سے ان کو پہلے اسلام کی دعوت دینے میں خصوصی شفقت وعنایت سے کام لیا، ان کی عزت افزائی کی ، پھر آپ ﷺ نے خیرخواہ اوردوراندیش مدبّر ہونے کی حیثیت سے مدینہ کے تمام قبائل کو امن وسلامتی کیا جتماعی معاہدے میں شریک کر کے ایک نئی اسلامی فلاحی مملکت کی بنیاد رکھی ،اس معاہدے میں تمام یہودیوں کو بھی شریک کیا،انہیں جان ومال کا تحفظ دیا اور ان کی مذہبی آزادی تسلیم کی۔اس معاہدے کی رو سے رضا کارانہ طور پرانہیں اس امر کا پابند کیا گیا کہ سب آپس میں امن کے ساتھ مل جل کر رہیں گے،اوراس نئی ریاست پر بیرونی حملے کی صورت میں سب متحد ہو کراس کا دفاع کریں گے۔

مدینہ سے یہویوں کی جلاوطنی

رسول اللہ ﷺ کے اس ہمدردانہ،فیّاضانہ اور مشفقانہ سلوک کے باوجود یہود اپنے فطری طرزِعمل پر باقی رہے،اوران کی معاندانہ روش بدستور جاری رہی ، بدر کے میدان میں فتح وکامرانی ان کی آتشِ حسد کو مزید بھڑکانے کا موجب بن گئی،ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے،آہوں میں نفرتوں کا کالادھواں اورانتقام کی آگ روشن ہوئی ، دلوں میں عداوت کے شعلے بھڑک اٹھے اوردماغ میں انتقام کی بجلیاں کوندنے لگیں،بغض وحسد کی اس آگ نے ان کی سمجھ بوجھ اوران کی ہوش مندی اوردانش مندی کی تمام صلاحیتوں کو

خاکستر کر کے رکھ دیا، جنون اور دیوانگی کی حالت میں وہ اوچھے اور کمینے ہتھیاروں پر اتر آئے، اور امن وسلامتی اور بقائے باہمی کے معاہدے کی دھجیاں بکھیرنے لگے۔

اس کا اندازہ اس روایت سے بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے جس کو سیرت ابنِ ہشام، دلائل النبوۃ للبیھقی اور دلائل النبوۃ للاصبھانی میں اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، فرماتی ہیں کہ: میرے ابا اور چچا ابو یاسر کو میرے ساتھ بہت پیار تھا، ہم مدینہ میں رہائش پذیر تھے، جس روز حضور اکرم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور بنو عمرو بن عوف کی وادی قبا میں پڑاوٗ ڈالا تو آپ ﷺ کی آمد کا شہرہ سن کر یہ دونوں آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، انہوں نے سارا دن آپ ﷺ کے ساتھ گزارا، مختلف سوالات کرتے رہے، اور آپ ﷺ کے حسنِ سلوک اور آپ ﷺ کی حرکات وسکنات کا بہ چشمِ خود مشاہدہ کرتے رہے اور آپ ﷺ کے مواعظِ حسنہ سے مستفید ہوتے رہے۔ لیکن جب واپس گھر آئے تو میں کیا دیکھتی ہوں کہ ان کے چہروں پر تھکاوٹ، اکتاہٹ اور مایوسی کے آثار نمایاں تھے، انہوں نے خلافِ معمول میری طرف بھی کوئی توجہ نہیں دی، حالانکہ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ ان کے مابین درج ذیل گفتگو ہوئی:

چچا: کیا محمد واقعی وہی نبی ہے جس کی خبر ہماری کتابوں میں دی گئی ہے؟

ابا: ہاں! بہ خدا یہ تو واقعی وہی ہے۔

چچا: تم اچھی طرح جانتے ہو؟

ابا: ہاں! یہ وہی ہے۔

چچا: تمہارے دل میں اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

ابا: میں زندگی بھر اس سے عداوت کا رویّہ اختیار کیے رہوں گا۔ (صحابیات مبشرات: ۱۵۸)

ان قبائل میں سب سے پہلے بنو قینقاع اپنی غداری اور عہد شکنی کی پاداش میں جلاوطن ہوئے، اس کے بعد ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سیدہ صفیہؓ کے قبیلہ بنو نظیر

نے بھی بغاوت اور سرکشی کا علم بلند کیا اور خدا کے غضب کے مستحق ہوئے۔

اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ سید المرسلین ﷺ اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ ان کے علاقہ میں تشریف لے گئے؛ تاکہ ایک مسلمان شہید کے خون بہا کے سلسلہ میں ان سے کچھ بات چیت کی جائے، جب وہاں حضور ﷺ پہنچے تو انہوں نے اندر ہی اندر انتہائی گھناؤنی سازش رچی کہ حضور ﷺ جس مکان کے سائے میں تشریف فرما ہیں، اس کی چھت سے آپ ﷺ پر ایک بڑا پتھر گرا کر نعوذ باللہ آپ ﷺ کو شہید کر دیا جائے، مگر

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

قبل اس کے کہ وہ لوگ اپنے اس ارادۂ بد اور ناپاک سازش پر عمل پیرا ہوتے، کشّافِ غیب نے اس راز کو طشت از بام کر دیا، جیسے ہی آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ہوئی آپ ﷺ فوراً وہاں سے اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے گویا کسی ضرورت سے جانا ہو اور وہاں سے سیدھے مدینہ تشریف لے گئے۔اب ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کا کوئی سوال باقی نہیں رہا تھا، چاہیے تو یہ تھا کہ توریت اور عام اصول کے تحت ان کی گردنیں اڑانے سے کمتر کوئی سزا تجویز نہ کی جاتی؛ مگر نبیٔ آخر الزماں ﷺ نے اس وقت بھی ان کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ فرمایا اور یہ الٹی میٹم بھیجا کہ: تم نے جو غداری اور عہد شکنی کا ارداہ کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر مجھ تک پہنچا دی ہے، لہٰذا اس عہد شکنی کی وجہ سے دس دن کے اندر اندر مدینہ سے نکل جاؤ، اس کے بعد بھی اگر تم یہاں ٹھہرے رہے تو جو شخص بھی پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔

چناں چہ انہوں نے مدینہ سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا، لیکن منافقوں کے سردار، عیّار و مکّار عبداللہ بن اُبی بن سلول نے یہ صورتِ حال دیکھی تو ان کو پیغام بھیجا کہ: تم ڈٹ کر رہو اور اپنی جگہ ہرگز نہ چھوڑو، میں اپنے دو ہزار ساتھیوں کو تمہاری مدد کے لیے بھیجوں گا اور بنو قریظہ اور بنو غطفان کو بھی تمہاری مدد کے لیے آمادہ کروں گا۔

اس جھوٹے وعدہ پر انہوں نے آں حضرت ﷺ کو جواب میں کہلوا بھیجا: ”انا لا نخرج دیارنا فاصنع مابدا لك“ ترجمہ: ہم یہاں سے نہیں نکلیں گے، آپ سے جو کچھ ہو سکے کر لیجیے۔

بس! اب کیا تھا! اس متکبرانہ جواب کے ملنے پر حضورِ انور ﷺ نے ربیع الاول ۴ھ میں ان کا محاصرہ کر لیا، صرف چند دن کے محاصرہ سے ان کے قدم لڑکھڑا گئے، اور وہ اس شرط کے ساتھ شہر چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے کہ اسلحہ کے علاوہ جو سامان وہ اپنی سواری میں لاد کر لے جا سکیں گے لے جائیں گے، سردارِ قبیلہ حیی بن اخطب نے یہ بھی عہد کیا کہ: آئندہ وہ نہ بذاتِ خود اسلام کی مخالفت میں آئے گا اور نہ کسی اور طاقت کو اسلام کی مخالفت پر ابھارے گا۔ ان فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے جلاوطن ہونے والوں میں اس کا خاندان، ماں، باپ اور سیدہ صفیہؓ بھی تھیں۔ اس ان کی وقت چودہ سال تھی۔ (ازواج مطہرات ۲/۱۶۴-۱۶۵)

بنو نظیر خیبر میں

بنو نظیر والے مدینہ سے جلاوطن ہو کر کچھ تو جنوبی شام کے ”جرش“ نامی علاقہ میں پناہ گزیں ہوئے، اور مابقیہ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔ حیی بن اخطب بھی اپنے خاندان کے ساتھ خیبر میں جا بسا۔ خیبر مدینہ سے آٹھ منزل کے فاصلہ پر شمالی مغرب میں نہایت خوبصورت اور زرخیز مقام ہے، یہودیوں نے اسے اپنا مرکز بنا رکھا تھا، اور بہت سارے مستحکم قلعے یہاں تعمیر کر رکھے تھے۔ اہلِ خیبر نے اس قبیلے کا والہانہ استقبال کیا اور ان کے سردار حیی بن اخطب کو دل و جان سے اپنا سردار تسلیم کر لیا، اس لیے کہ اس کا تعلق خاندانِ نبوت سے تھا۔ اس قبیلہ کے یہاں آباد ہو جانے کے بعد یہ مقام پورے عرب میں یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔

اس کے بعد مدینہ میں یہودیوں کا ایک ہی قبیلہ بنو قریظہ باقی رہا، سابقہ دو قبیلہ والوں کا انجام ان کے لیے سبق آموز بھی تھا اور عبرتناک بھی، لیکن یہ لوگ اپنی عادت کے

مطابق اپنی روش پر باقی رہے، چنانچہ انہوں نے غزوۂ احزاب کے موقع پر غداری کی جس کی پاداش میں ان کے تمام مرد قتل کردیے گئے، عورتوں اور بچوں کو باندی غلام بنالیا گیا، پھر نجد اور ملکِ شام کے علاقوں میں لے جا کر فروخت کردیا گیا۔ (امہات المؤمنین: ۱۳۶)

سیدہ صفیہؓ کا پہلا نکاح

تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت صفیہؓ کی پہلی شادی عرب کے مشہور ومعروف شاعر اور نامور شہسوار سلاّم بن مشکم سے ہوئی، اُس وقت آپؓ کی عمر تقریباً چودہ برس تھی، ان دونوں میں نبھ نہ سکی جس کی وجہ سے طلاق واقع ہوگئی۔

دوسرا نکاح

اس کے بعد حیی بن اخطب نے آپؓ کا نکاح بنوقریظہ کے ایک نامور سردار کنانہ بن ربیع بن ابی الحُقیقؓ سے کردیا جو تاجرِ حجاز اور خیبر کے رئیس ابورافع کا بھتیجا تھا، اور کنانہ خود بھی کوئی کم مرتبہ نہیں رکھتا تھا؛ وہ ایک چوٹی کا شاعر اور خیبر کے مشہور اور مظبوط قلعہ ”القموص“ کا سردار تھا، اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ یہیں سکونت پذیر تھا، ان دونوں شوہروں سے آپؓ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۴۵۶، ازواجِ مطہرات حیات وخدمات: ۱۸۵)

جنگِ خیبر

جب ۶ھ میں صلحِ حدیبیہ کے بعد حضور اکرم ﷺ مدینہ واپس لوٹے تو پورے عرب میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی کہ مسلمانوں نے دب کر صلح کی ہے، کمزور پڑ گئے ہیں، اوراب ان کی ہمتیں پست ہوگئی ہیں۔ چنانچہ اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول فوراً خیبر پہنچا، اور یہودیوں کو بھڑکانے، اکسانے اور برانگیختہ کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا اوران کواس بات پر آمادہ کرلیا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہوگئے ہیں اوران میں کمزوری پیدا ہوگئی ہیں، اس لیے اس نازک موقع کو بالکل

ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے اور موقع غنیمت سمجھ کر ان پر جان توڑ حملہ کر دیا جائے۔

ویسے بھی یہ لوگ یہیں بیٹھ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے، ان کا ارادہ مدینہ پر قبضہ کر کے اسلام کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنا تھا۔

چنانچہ اسی مقصد کے لیے وہ طویل مدت سے لشکر و آلاتِ حرب و ضرب مہیا کر رہے تھے اور انہوں نے عرب کے دو بڑے قبیلوں: بنو غطفان اور بنو اسد کو بھی مدد کے لیے نصف نخلستانِ مدینہ کے وعدہ پر اپنے ساتھ شریک کر لیا تھا۔ (سیر الصحابیات: ۹۸)

جب نبیٔ کریم ﷺ کو ان کی تیاریوں کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے یہودیوں کی مکاریوں اور سازشوں کا قلع قمع کرنے کے ارادہ سے ۷ھ میں اپنے چودہ سو جاں نثار و وفا شعار صحابہؓ کے ہمراہ خیبر کا رخ کیا۔ مسلمانوں کا یہ لشکرِ جرّار اپنے سربراہِ اعظم ﷺ کی قیادت میں طوفانِ باد بن کر راتوں رات خیبر کے قریب خیمہ زن ہوا۔

صبح سویرے جب اہلِ خیبر اپنے کام کاج کے لیے باہر نکلے تو اس عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گئے، ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مسلمان اتنی جلدی آ دھمکیں گے، یہ بھیانک صورتِ حال دیکھ کر خیبر کے یہودی گھبرا اٹھے اور سرپٹ اپنے گھروں کی طرف بھاگ نکلے، کھلے میدان میں لڑنے کی ہمت نہ جٹا پائے اور قلعہ بند ہو کر مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسانے لگے۔ مسلمانوں نے جواں مردی کا ثبوت پیش کیا اور سیسہ پلائی دیوار بن کر زمین میں گڑ گئے۔ قلعوں کی فصیلیں ٹوٹیں اور اسلامی شاہین کفر کے زاغوں پر جھپٹ پڑے، محمدی شیروں نے کفر کی لومڑیوں کو آڑے ہاتھوں لیا، ان کی تلواریں برقِ بے اماں بن کر کافروں کے سر پر پڑنے لگیں، یکے بعد دیگرے ان پر ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ ان کی کمر توڑ کر رکھ دی اور ہمیشہ کے لیے ان کے غرور کو خاک میں ملا کر رکھ دیا اور آخر کار ''القموص'' سمیت ان کے تمام قلعوں پر مسلمان قابض ہو گئے۔

اس جنگ میں یہودیوں کے ترانوے افراد جہنم رسید ہوئے اور پندرہ مجاہدینِ

اسلام اللہ کی راہ میں شہید ہو کر پروانۂ جنت کے مستحق ٹھہرے۔

یہ لڑائی یہودیوں کے لیے نہایت تباہ کن ثابت ہوئی، ان کے کئی نامور اور بڑے بڑے سردار جن میں سیدہ صفیہؓ کا باپ، چچا، بھائی اور شوہر بھی شامل تھے مارے گئے، اور ان کے اہل وعیال جن میں سیدہ صفیہؓ بھی تھیں قید کیے گئے، یہ لڑائی یہودیوں کے لیے اس قدر تباہ کن ثابت ہوئی کہ اس کے بعد کبھی وہ دوبارہ سر اٹھانے کے قابل ہی نہ رہے۔ (تذکار صحابیات:۹۹)

سیدہ صفیہؓ کے خواب

حضور انور ﷺ کی زوجیت میں داخل ہونے سے قبل ہی سیدہ صفیہؓ نے کئی ایسے خواب دیکھے تھے، جن سے اس بات کی بشارت مل رہی تھی کہ وہ اُمّ المؤمنین کے شرف سے مشرف ہوں گی۔

سیدہ صفیہؓ اپنے خواب کے متعلق خود فرماتی ہیں کہ میں نے خواب دیکھا: میں اور ایک شخص جسے لوگ ''اللہ کا رسول'' کہتے ہیں، ایک ساتھ ہیں اور ایک فرشتہ ہمیں پروں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے گھر والوں کو جب یہ خواب سنایا تو انہوں نے مجھے برا بھلا کہا اور سخت لعن طعن کی۔ (طبقات ابن سعد ۸/ ۸۷، ازواج مطہرات ۲/ ۱۷۵)

اسی طرح حضرت عبداللہؓ کی روایت سے طبرانی میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے میرے چہرے پر ایک نشانی دیکھی تو اس کے متعلق دریافت فرمایا: ''صفیہ! یہ کیا ہے؟'' میں نے جواب میں عرض کیا کہ: یارسول اللہ! میں اپنے شوہر کنانہ کی گود میں سر رکھے ہوئے سو رہی تھی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ یثرب سے ایک چاند طلوع ہوا اور میری گود میں آ گرا۔ میں نے اس خواب کا ذکر اپنے شوہر کنانہ سے کیا تو اس نے کہا: ''ما هذا الا انك تمنين ملك الحجاز محمدا'' ترجمہ: اچھا! تو حجاز کے اس بادشاہ کی ملکہ بننے کا خواب دیکھ رہی ہے جو ابھی

ہمارے علاقہ میں خیمہ زن ہے۔ پھر اس نے جذبۂ غیرت وعداوت سے بھڑک کر میرے رخسار پر ایک ایسا طمانچہ رسید کیا جس کا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ہے۔(السیر • النبویہ لابن ہشام:۵۶۳،ازواج مطہرات ۲/ ۱۷۵)

یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب حضور ﷺ جنگ سے قبل خیبر کے قریب خیمہ زن تھے۔

الغرض سیدہ صفیہؓ کو فی الجملہ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ آں حضرت ﷺ کی صحبت ومعیت انہیں حاصل ہوگی اور وہ اندرونی طور پر اس کی متمنی اور منتظر بھی تھیں، چنانچہ شرحِ زرقانی میں سیدنا حضرت انسؓ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہؓ سے فرمایا جب وہ قیدی کی حیثیت سے دربارِ رسالت میں آں حضرت ﷺ کے روبرو کھڑی تھیں: ”ھل لك رغبة فیّ“ ترجمہ: کیا تو مجھے پسند کرتی ہے،تو سیدہ صفیہؓ نے جواب میں عرض کیا:”لقد آتمنی ذالك فی الشرك فكيف اذا امكننى الله منه فى الآسلام“ ترجمہ: آپ کی صحبت ومعیت کی تمنا تو مجھے کفر وشرک کے زمانے سے ہی تھی اور اب تو اللہ نے مجھے اسلام کی دولت سے نواز کر اس کا موقع عنایت فرمایا تو میں اپنے آپ کو اس سے کیسے محروم رکھ سکتی ہوں۔(شرح الزرقانی ۴/۴۳۳۔نساء حول الرسول ﷺ:۹۴،امہات المؤمنین:۶۴۳)

سیدہ صفیہؓ دربارِ رسالت میں

علامہ ابن سعدؒ اپنی کتاب طبقات میں حضرت ابو ہریرہؓ، انس بن مالکؓ اور امّ سنان اسلمیہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ: جب سرورِ کائنات ﷺ نے خیبر فتح کرلیا،اور مالِ غنیمت آپ ﷺ کے ہاتھ لگا تو اسیروں میں سیدہ صفیہؓ بھی تھیں، حضورِ انور ﷺ نے حضرت بلالؓ کو انہیں دربارِ رسالت میں پیش کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ حضرت بلالؓ ان کو اور ان کی ایک چچازاد بہن کو اُس راستہ سے لے کر آئے جہاں مقتولینِ یہود کی خون آلود لاشیں پڑی تھیں، جن میں سیدہ صفیہؓ کے باپ، شوہر اور چچا بھی تھے، یہ منظر دیکھ کر ان کی بہن کا دل کانپ اٹھا، بے قابو ہوگئی، اور آہ وزاری کرنے لگی، لیکن حضرت صفیہؓ نے

صبر وتحمل سے کام لیا اور حسرت بھری نگاہ سے صرف ان کو دیکھا؛ لیکن ان کی جبینِ تحمّل پر ادنیٰ سی شکن تک نہیں ابھری اور چپ چاپ آ کر ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں۔ (سیر الصحابیات:۹۳)

فخرِ دوعالم ﷺ نے حضرت بلالؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: ”انزعت منك الرحمة یا بلال حین تمر بامرآتین علی قتلی رجالھما“ ترجمہ: اے بلال! کیا تمہیں رحم نہیں آیا کہ تم ان عورتوں کو ایسی جگہ سے لے کر آئے جہاں ان کے باپ، بھائی اور عزیز ترین اقربا خون میں لتھڑے پڑے ہیں۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام،ص:۵۶۳۔نساء حول الرسول:۹۳۔تذکارِ صحابیات:۱۱۰)

سیدہ صفیہؓ کا قبول اسلام

جب سرورِ کائنات ﷺ کو سیدہ صفیہؓ کے بارے میں کہا گیا کہ: یہ سیدہ ہے اور معزز ترین خاتون ہیں، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: میں تمہیں آزاد کرتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم اسلام قبول کر لیتی ہو تو میں تمہیں عزت واحترام سے اپنے پاس رکھ لوں گا اور اگر تم اپنے آبائی مذہب پر ہی قائم رہنے کو ترجیح دیتی ہو تو تم آزادی کے ساتھ بہ رضا ورغبت اپنی قوم میں واپس جا سکتی ہو۔

سیدہ صفیہؓ جواباً عرض گزار ہوئیں:

”یا رسول اللہ! لقد ھویت الاسلام وصدقت بك قبل ان تدعونی حیث صرت الی رحلك وما لی فی الیھودیة ارب ومالی فیھاوالد ولا اخ و خیرتنی الکفر والاسلام فاللّٰہ ورسولہ احب الیّ من العتق وان ارجع الی قومی“

ترجمہ: میں نے اپنے قلب کو ایمان کے نور سے منوّر کر لیا اور آپ ﷺ کے اسلام کی دعوت دینے سے قبل ہی تہِ دل سے آپ ﷺ کی تصدیق کی، اب میرا یہودیوں کے ساتھ کوئی رشتہ ناتا نہیں اور نہ ہی مجھے اپنے باپ، بھائی سے کچھ لینا دینا، آپ نے مجھے کفر اور اسلام میں سے ایک چیز پسند کرنے کا اختیار دیا ہے، مجھے اللہ اور اس کا رسول سب

چیزوں سے حتیٰ کہ اپنی آزادی سے بھی زیادہ محبوب ہے، میں اپنی قوم کے پاس نہیں جانا چاہتی، میرا جینا مرنا آپ ہی کے ساتھ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ خود سیدہ صفیہؓ نے آں حضرت ﷺ کے نکاح میں آنا اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھا۔(طبقات ابن سعد ۸/ ۸۸)

دورانِ گفتگو فخرِ موجودات ﷺ نے فرمایا:"لم يزل ابوك من اشد يهود لی عداوة حتى قتله الله" ترجمہ: تمہارا باپ تمام یہودیوں میں میرا سب سے بڑا دشمن تھا اس کی غداری کی پاداش میں اللہ نے اس کو قتل کر دیا۔یہ سن کر سیدہ صفیہؓ نے فوراً عرض کیا: یا رسول اللہ! خداوندِ کریم نے خود اپنی کتاب میں فرمایا:"ولا تزر وازرة وزر اخرىٰ" (الانعام) ترجمہ: کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اس لیے میرے باپ کا عمل اس کے ساتھ اور میرا عمل میرے ساتھ۔(طبقات ابن سعد۔۸/ ۸۸)

سیدہ صفیہؓ کا یہ جواب اور اپنی صفائی میں ان کا یہ بیان اتنا وزنی اور مدلل تھا کہ آپ ﷺ نے نہ صرف ان کے ظاہری پہلو ہی کو شرفِ قبولیت بخشا؛ بلکہ ان کی زبان اور ان کے دل کی ہم آہنگی و یک رنگی کا بھی کھلے دل سے اعتراف کیا۔چنانچہ محدّثین اور سیرت نگار اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے پھر کبھی ان کے سامنے ان کے باپ اور ان کے رشتہ داروں کی ریشہ دوانیوں اور اخلاق سے گری ہوئی حرکتوں کا ذکر نہیں کیا۔

چناں چہ اسی موقع سے آں حضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنے لیے مختص فرمالیا۔

دوسری روایت کچھ محدثین سیدنا حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے اس طرح بیان کرتے ہیں (اس روایت کا ذکر صاحبِ طبقات نے بھی کیا ہے) کہ خیبر کی فتح کے بعد جب گرفتار شدہ قیدی جمع کیے گئے تو حضرت دحیہ کلبیؓ نے حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایک کنیز کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان کو اختیار دیا کہ وہ جسے چاہے اپنے لیے منتخب کرلیں، چنانچہ انہوں نے حضرت صفیہؓ کو اپنی تحویل میں

لے لیا، چونکہ وہ تمام اسیرانِ جنگ میں سب سے زیادہ ذی وقعت تھی ؛اس لیے بعض صحابۂ کرامؓ نے آپ اکی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! صفیہ تو قبیلۂ بنونظیر کی رئیسہ میں سے ہیں، وہ ایک سردار کی بیٹی اور ایک سردار کی بیوی ہے، خاندانی وقار و وجاہت، شرافت و نجابت ان کے چہرے سے عیاں ہے، آپ نے اسے دحیہ کلبیؓ کے حوالہ کردیا؛ حالانکہ وہ ان کے لیے بالکل مناسب نہیں، وہ تو ہمارے آقا (آپ ﷺ) کے علاوہ کسی اور کے لائق نہیں ، ان کا مقصد یہ تھا کہ رئیسۂ عرب کے ساتھ دوسری عورتوں کا سا برتاؤ کرنا مناسب نہیں۔ (سیر الصحابیات:۹۱)

بعدازاں آنحضرت ﷺ نے حضرت دحیہ کلبیؓ کو مع اس لڑکی کے بلاوا بھیجا اور ان کو اس کے بدلہ دوسری سات باندیاں عطا کیں جس پر وہ راضی ہو گئے، پھر آں حضرت ﷺ اور حضرت صفیہؓ کے مابین وہ گفتگو ہوئی جس کو ابھی اوپر نقل کیا گیا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد سیدہ صفیہؓ کو حضرت انس بن مالکؓ کی والدۂ محترمہ حضرت ام سلیمؓ کی تحویل میں دے دیا گیا، سیدہ صفیہؓ نے انہیں کے پاس عدت گذاری۔

(طبقات ابن سعد ۸/۸۷)

خیبر سے روانگی

صحابۂ میں سے ہر کسی کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ آپ ﷺ نے سیدہ صفیہؓ کو اپنے لیے خاص کرلیا ہے، لیکن ان کی حیثیت کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ کیا وہ آپ ﷺ کی کنیز کی حیثیت سے ہیں یا شرفِ زوجیت سے بہرہ یاب ہوں گی، بالآخر لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہؓ کے لیے پردہ کا اہتمام کیا تو وہ ''امّ المؤمنین'' کے شرف سے مشرف ہوگی اور اگر پردہ کا اہتمام نہیں کیا تو پھر وہ کنیز ہوگی۔

چناں چہ خیبر کے معاملات سے فارغ ہو چکنے کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ کوچ کرنے کا ارادہ فرمایا، اور سیدہ صفیہؓ کو اپنے ساتھ اونٹ پر سوار کرانے کے لیے اپنی ران

مبارک آگے کی تاکہ وہ اس پر پاؤں رکھ کر آسانی کے ساتھ سوار ہو جائیں، لیکن سیدہ صفیہؓ ایک شائستہ، مہذب اور حفظِ مراتب کے آداب سے واقفیت رکھنے والی خاتون تھیں، وہ اس بات کو کیسے گوارا کر سکتی تھیں کہ اللہ کے معزّز و محترم رسول ﷺ کی مقدس رانوں پر پاؤں رکھنے کی گستاخی کی مرتکب ہو، اس لیے انکار کر دیا، پھر آپ ﷺ کے حکم واصرار پر اپنا گھٹنا آپ ﷺ کی ران مبارک پر رکھ کر سوار ہو گئیں، آپ ﷺ نے انہیں اپنے پیچھے بٹھالیا اور خود اپنی عبا مبارک سے انہیں پردہ میں کر لیا۔ (طبقات ابن سعد ۸/ ۸۶، ازواجِ مطہرات ۲/ ۱۸۴)

یہ اس بات کی علامت تھی کہ اس زخم خوردہ اور بے سہارا خاتون کی قسمت کا ستارہ اوجِ ثریا پر پہنچ چکا ہے، اور وہ ''اُمّ المؤمنین'' کے اعزاز واکرام سے بہرہ ور ہونے والی ہے۔

نکاح ورسمِ عروسی

خیبر کی فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینۂ منورہ روانہ ہونے کے ارادہ سے نکلے، کئی منزلیں طے کر چکنے کے بعد راستہ میں مقام ''الصہبا'' پہنچ کر بحکمِ آقائے نامدار ﷺ حضرت انسؓ کی والدہ، محترمہ حضرت ام سلیمؓ اور ام سنانؓ نے سیدہ صفیہؓ کا دلہن کے روپ میں بناؤ سنگھار کیا، ان کے بالوں کی کنگھی وچوٹی کی اور انہیں خوشبوؤں میں بسایا، پھر رحمۃ للعالمین ﷺ نے حضرت صفیہؓ سے نکاح فرمایا۔ یہ ۷ھ محرم کا مہینہ تھا، اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ سال تھی۔

اسی مقام پر رسمِ عروسی کا اہتمام کیا گیا، حضرت امِ سلیمؓ فرماتی ہیں کہ: اُس وقت ہمارے پاس نہ خیمے تھے اور نہ قناتیں، میں نے دو کمبل اور چادریں لیں اور ایک درخت کی شاخوں پر لٹکا کر پردے کا انتظام کیا، پھر میں نے صفیہ کی کنگھی وچوٹی کی اور انہیں خوشبوؤں سے معطر کیا۔

جب آپ ﷺ خیمے میں داخل ہوئے تو سیدہ نے آگے بڑھ کر پُرتپاک انداز میں سرورِ کائنات ﷺ کا استقبال کیا۔ (طبقات ابن سعد ۸/ ۸۶۔ ازواج مطہرات ۲/ ۱۸۵)

سیدہ صفیہ ؓ کا مہر

سرورِکونین ﷺ کے خادم خاص سیدنا حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ اعتق صفیۃ وتزوجھا“ ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہ ؓ کو آزاد کرنے کے بعد آپ ؓ سے نکاح فرمایا۔ثابت بنانیؒ نے حضرت انس ؓ سے دریافت کیا: ”ما اصدقھا“ ترجمہ: آپ ؓ کا مہر کیا تھا، تو انہوں نے فرمایا: ”نفسھا اعتقھا وتزوجھا“ ترجمہ: ان کی آزادی ہی ان کا مہر قرار پایا۔

(طبقات ابن سعد ۸/ ۸۹، سو بڑی زاہدہ عورتیں اور ان کی سردار فاطمہ الزہرا : ۱۴۷)

موہوم خطرات

مسلسل چھ سالوں تک یہویوں کی ایذارسانی وریشہ دوانی کی بنا پر مسلمانوں کے نزدیک یہودیت کا لفظ اس قدر ناپسندیدہ بن چکا تھا کہ وہ اسے سننا تک گوارا نہیں کرتے تھے، وہ اپنے تجربات ومشاہدات کی بنا پر اس امر کا یقین کر چکے تھے کہ یہودیوں کا کوئی بھی فرد خواہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا جوان بالکل نا قابلِ اعتماد ہے، چونکہ حضرت صفیہ ؓ کا تعلق بھی اس خاندان سے تھا اور وہ اس وقت ایک ستم رسیدہ خاتون بھی تھیں، ان کا باپ، چچا، بھائی، شوہر سب کے سب باطل کی پیروی کرتے ہوئے موجودہ شوہر محبوب کبریا ﷺ کے جاں باز سپاہیوں کے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچ چکے تھے، ایسی زخم خوردہ عورت کی طرف سے انتقامی جذبے کے تحت کسی قسم کی خطرناک کارروائی کا ارتکاب خلافِ قیاس نہیں تھا۔

سیدنا ابوایوب انصاری ؓ کا پہرادینا

شمعِ رسالت کے پروانوں کی حضورِ انور ﷺ سے محبت والفت اور جاں نثاری کا بھلا کون انکار کرسکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ جب شادی کے بعد نبیٔ اکرم ﷺ سیدہ صفیہ ؓ کے پاس خیمے میں داخل ہوئے تو سیدنا ابوایوب انصاری ؓ برہنہ تلوار ہاتھ میں لیے خیمے کے

دروازے کے قریب پہرے پر کھڑے ہو گئے اور ساری رات پہرا دیتے ہوئے جاگ کر گزار دی، صبح کو جب رحمۃ للعالمین ﷺ نے انہیں خیمے کے پاس دیکھا تو فرمایا: "ما لك یا آبا ایّوب" ترجمہ: اے ابوایوب! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟، انہوں نے محبت وعقیدت کے جذبات سے سرشار ہو کر عرض کیا: "یا رسول اللہ! خفت عليك من هذه المرأة، وكانت امرأة قد قتلت اباها وزوجها وقومها، وكانت حديثة عهد بكفر، فخفتها عليك" ترجمہ: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو، صفیہؓ کے باپ، چچا اور شوہر وغیرہ کے ناپاک وجود سے آپ کے جانباز، وفاشعار ساتھیوں نے سینۂ گیتی کو پاک کر دیا، اور صفیہ کو کفر کی گندگی سے نکلے زیادہ زمانہ نہیں ہوا، اس لیے میں آپ ﷺ کے معاملہ میں اس کی جانب سے خطرات محسوس کر رہا تھا، اسی وجہ سے پہرے پر کھڑا ہو گیا کہ اگر کچھ انہونی ہو تو فوراً آپ کی حفاظت کے لیے آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔

آنحضرت ﷺ اپنے جاں نثار رفیق کی بات سن کر مسکرائے اور انہیں سراہتے ہوئے دعاؤں سے نوازا اور تین مرتبہ فرمایا: "اللّٰهم احفظ آبا آيوب كما بات يحفظني" ترجمہ: خدایا! جس طرح ابوایوب نیرات بھر میری حفاظت کی ہے تو بھی اسی طرح ان کی حفاظت فرما۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۵۶۵، طبقات ابن سعد ۸/ ۹۰، ازواج مطہرات ۲/ ۸۶۱)

دعوت ولیمہ

نکاح کے اگلے روز مقامِ صہبا میں ہی سرورِ کائنات ﷺ نے ولیمہ کا اہتمام فرمایا اور اپنے فداکار ساتھیوں کو دعوت دی، یہ ولیمہ بھی سادگی میں اپنی مثال آپ تھا۔

علامہ ابنِ سعد نے حضرت انسؓ کی روایت کے حوالے سے اس تقریب کا روح پرور منظر کچھ اس طرح نقل کیا ہے کہ: حضورِ انور ﷺ نے دوسرے دن صبح کو اعلان فرمایا: "من كان عنده فضل زاد فليآتنابه" ترجمہ: جس کے پاس زائد توشہ میں جو چیز ہو اسے لے آئے۔ اس کے بعد لوگوں نے اپنے اپنے زادِ راہ لا کر چمڑے کے دسترخوان

پر ڈھیر کر دیے، پھر کھجور، پنیر اور گھی سے مالیدہ تیار کیا گیا، اسی مالیدے سے جنابِ رسول اکرم ﷺ نے ولیمہ کیا اور سب نے مل کر آپ ﷺ کے ساتھ خوب سیر ہو کر کھایا۔

(طبقات ابن سعد ۸/ ۸۸، ازواج مطہرات ۲/ ۱۸۸)

یہ اُس مقدس ہستی کے نکاح کا ولیمہ ہے جو باعثِ تکوینِ عالم ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ ولیمہ اس وقت ہو رہا تھا جب فاتحِ اعظم اخیبر سے فاتح بن کر واپس ہو رہے تھے اور وہاں کا سارا سرمایہ آپ ﷺ کے قدموں تلے ڈھیر ہو چکا تھا۔ مقامِ صہبا میں حضور اکرم ﷺ نے تین دن قیام فرمایا اور تینوں راتیں آپ ﷺ نے سیدہ صفیہؓ کے ساتھ بسر فرمائیں۔

دورانِ سفر مدارات

بلا شبہ آں حضرت ﷺ سب سے اعلیٰ اور اچھے اخلاق والے تھے، آپ ﷺ نے اچھے اخلاق اختیار کرنے کی نہ صرف تعلیم دی؛ بلکہ اس کا عملی نمونہ بن کر دنیا کو دکھایا، اثنائے راہ آپ ﷺ سیدہ صفیہؓ کے ساتھ نہایت شفقت و محبت اور انتہائی لطف و کرم کے ساتھ پیش آتے رہے۔ چناں چہ بخاری شریف میں یہ مذکور ہے کہ سفر کے درمیان جہاں کہیں پڑاؤ ہوتا اور پھر کوچ کرنے کا وقت آتا تو آں حضرت ﷺ سواری کا اونٹ بٹھا کر زمین پر بیٹھ جاتے اور سیدہ صفیہؓ آپ ﷺ کی بابرکت رانوں پر اپنا گھٹنا رکھ کر سوار ہو جاتی تھیں۔

یہ شرف بھی خاص طور پر ان ہی کو میسر ہوا کہ آپ ﷺ نے ان کو اپنے ساتھ اپنی سواری پر بٹھایا، ورنہ عام طور پر حضور اکرم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ الگ سواری پر سوار ہوتے اور ازواجِ مطہرات الگ سواری پر سوار ہوتیں۔ اس حسنِ اخلاق اور شفقت و محبت کا کیا اثر ہوا اسے خود حضرت صفیہؓ کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتی ہیں کہ:

”مارآیت قط احسن خلقا من سول الله“ ترجمہ: میں نے رسول اللہ سے بڑھ کر اچھے اخلاق والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (صحابیات مبشرات: ۱۶۲)

زرقانی میں یہ روایت مذکور ہیں کہ سیدہ صفیہؓ فرماتی ہیں: جب میں گرفتار کر کے

حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں لائی گئی تو میری نظروں میں آپ ﷺ سے زیادہ نا پسندیدہ کوئی اور شخص نہ تھا، میری آنکھوں میں نفرت وعداوت کے شعلے رقص کررہے تھے؛ کیوں کہ میرے باپ، بھائی اور خاوند کا قتل آپ ﷺ کے رفقا کے ہاتھوں انجام پایا تھا۔ پھر آں حضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ: جو کچھ تیری قوم کے ساتھ ہوا اس کا مجھے افسوس ہے، لیکن انہوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے، اہلِ اسلام کو اذیت دینے اور ان کا قلع قمع کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد جب میں نے آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ اور سیرتِ طیبہ کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا تو اس کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ جب میں اس جگہ سے اٹھی تو اس وقت آپ ﷺ کی محبت اس قدر قلب وجگر میں موجزن ہوگئی تھی کہ اب آپ اسے زیادہ کوئی محبوب اور پسندیدہ شخص میری نظروں میں نہیں تھا۔ (سو بڑی زاہد خواتین اوران کی سردار فاطمہ • بنت محمد ﷺ: ۱۴۹)

خود اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ کا بیان ہے کہ: جب آں حضرت ﷺ مجھے خیبر سے لے کر روانہ ہوئے تو میں بار بار نیند سے بے قابو ہو جایا کرتی تھی اور میرا سر کجاوے سے لگنے لگتا تھا، تو آپ ﷺ اپنے دست بابرکت سے میرے سر کو سہارا دیتے تھے اور فرماتے: حیی کی بیٹی! دھیان سے سوار رہنا۔ (امہات المؤمنین: ۶۳۸، ازواج مطہرات حیات وخدمات: ۱۹۱)

شادی کے اسباب

نبیٔ کریم ﷺ کی سیدہ صفیہؓ کے ساتھ شادی کرنے کی متعدد وجوہ اور اسباب ہیں:

ایک سبب تو یہ ہے کہ سیدہ صفیہؓ کی تالیفِ قلبی پیش نظر تھی، وہ ایک بادشاہ کی بیٹی تھی، ان کا باپ اور خاندان جنگِ خیبر میں قتل ہوگئے تھے جس کا ان کو غم تھا، آپ ﷺ کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے پر غم کافور ہوگیا۔

ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہیں اعزاز سے نوازا جائے؛ کیوں کہ وہ ایک بادشاہ کی بیٹی تھی، ان کی ہمت افزائی اسی میں تھی کہ انہیں ممتاز مقام پر فائزہ کیا جائے۔

اور ایک وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اس رشتے کے بعد بنونظیر اور بنوقریظہ کے دلوں میں اسلام کے بارے میں نرم گوشہ پیدا ہو جائے گا۔ چناں چہ بعد میں ایسا ہی ہوا کہ ایک اسی شادی سے مذکورہ تمام فوائد حاصل ہوئے جن کا ادراک دانشمند لوگوں کو ہی میسر ہوتا ہے۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۴۵۸)

باہمی الفت ومحبت

حضرت انس بن مالک ؓ کی والدۂ محترمہ حضرت ام سلیمؓ نے شبِ عروسی کی صبح کو اُمّ المؤمنین حضرت صفیہؓ سے پوچھا کہ: تم نے رسول اللہ کو کیسا پایا؟، وہ بولیں: ”انه سرّ بي ولم ينم تلك الليلة ولم يزل يتحدث معي“ ترجمہ: آپ ﷺ مجھ سے بے حد خوش تھے، آپ ﷺ سوئے نہیں؛ بلکہ مجھ سے پوری رات باتیں کرتے رہے، اور میرے غم زدہ دل کے زخموں کو اپنی رحمت وشفقت کے مرہم سے مندمل کرنے کی کوشش فرماتے رہے۔

دورانِ گفتگو امّ المؤمنینؓ نے یہ بھی بتایا کہ آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا: ”ما حملك على الذى صنعت حين اردت ان انزل المنزل الآول فادخل بك“ ترجمہ: تم سے جب پہلی منزل (مقام تبار) پر رسمِ عروسی کے لیے کہا گیا تو تم نے کیوں انکار کر دیا؟ تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ مقام خیبر سے چھ منزل کے فاصلے پر تھا، مجھے اس بات کا ڈر محسوس ہوا کہ کہیں یہودیوں کی جانب سے آپ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، اس لیے میں یہ چاہتی تھی کہ میں اور آپ جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے دور ہو جائیں۔ یہ جواب سن کر آپ ﷺ بے حد مسرور ہوئے اور میری خیر اندیشی کی تحسین فرمائی، اس کی وجہ سے آپ ﷺ کی نگاہ میں میری قدر ومنزلت اور بڑھ گئی۔

(طبقات ابن سعد ۸/ ۸۷، ازواج مطہرات ۲/ ۱۸۷)

مدینہ کی طرف روانگی

دو تین دن مقامِ صہبا میں قیام فرمانے کے بعد نبی آخر الزماں ﷺ نے مدینہ کوچ

کرنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ: ہماری یہ عادت رہی کہ جب بھی ہم سفر سے مدینہ کی طرف لوٹتے تو ہم اپنے محبوب شہر کو قریب سے دیکھ کر خوشی کے مارے اپنی سواریوں کو تیز کر دیتے، خیبر سے واپسی پر بھی ہم نے ایسا ہی کیا، رسول اللہ ﷺ اور اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ ایک ساتھ سوار تھے، میں اپنے سوتیلے والد حضرت ابوطلحہؓ کے ساتھ اونٹ پر ان کے پیچھے بیٹھا تھا، ہمارے اور حضور ﷺ کے اونٹ بالکل قریب قریب تھے، اتفاق سے آں حضرت ﷺ کی سواری کا پاؤں پھسل گیا اور آپ ﷺ اور اُمّ المؤمنینؓ دونوں گر گئے، حضرت ابوطلحہؓ فوراً دوڑ کر آپ ا کے پاس پہنچے اور دریافت کیا:

”یارسول الله! هل ضارك شیء؟“ ترجمہ: آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟

آں حضرت ﷺ نے فرمایا: ”نہیں میں ٹھیک ہوں، البتہ تم عورت (صفیہ) کی خبر لو“، چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے اپنے چہرہ پر چادر ڈالی اور اُمّ المؤمنین کے قریب جا کر ان پر چادر ڈال دی، پھر وہ کھڑی ہو گئی اور کہا: ”مجھے کوئی چوٹ نہیں لگی“، پھر رسول اللہ ﷺ جلدی سے کھڑے ہو گئے، سیدہ صفیہؓ کو اپنی سواری پر بٹھایا اور خود بھی سوار ہو گئے۔

پھر ہم سب مدینہ کی طرف چل پڑے، جب ہم مدینہ منورہ کے قریب ہوئے تو آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر یہ کلمات جاری ہوئے: ”آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون“ ترجمہ: ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، اپنے پروردگار کی عبادت کرنے والے ہیں، اس کی ثناخوانی کرنے والے ہیں۔

یہ کلمات کہتے ہوئے آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے۔ (طبقات ابن سعد ۸/ ۸۸-۸۹)

مدینہ میں آمد

مجاہدینِ اسلام اپنے سپہ سالار، خاتم النّبیین ا کی قیادت میں خیبر فتح کر کے اپنے محبوب شہر مدینۂ طیبہ میں داخل ہوئے، ان کے آنے کی اطلاع کسی نے باشندگانِ مدینہ کو دے دی تو لوگ جوق در جوق ان کے استقبال کے لیے نکل آئے، پورا مدینہ مارے

خوشی کے جھوم رہا تھا، مدینہ کے گلی کوچوں میں خوشی کے شادیانے بج رہے تھے، خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، ہر ایمان والے کا دل فرحت ومسرت میں ڈوبا ہوا تھا، چہروں سے انبساط کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں، گویا مسرتوں کا ایک جہاں ان کے دامن میں سمٹ آیا، اور دوسری طرف منافقوں کا یہ حال تھا کہ ان کے چہرے پھیکے پڑ گئے تھے اور کیوں نہ پڑتے کہ جھٹکا ہی کچھ ایسا تھا۔

حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے آشیانے میں

حضرت حارثہ بن نعمان انصاریؓ حضور ﷺ کے نہایت جاں نثار و وفا شعار صحابی تھے، اللہ رب العزت نے ان کو مال ودولت سے بھی نوازا تھا، ایسے موقع پر وہ سبقت لے جایا کرتے تھے، آپ ﷺ کی ضروریات کا خیال رکھنا اپنے لیے سعادتِ دارین اور باعثِ نجات سمجھتے تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے 'بیس جنتی صحابہ' از ص:۳۹۲ تا ص:۳۴۸، ناشر: شعبۂ تقریر وتحریر جامعہ ڈابھیل)

اِس وقت بھی ان ہی کا ایثار کام آیا اور انھوں نیا پنے دروازے آں حضرت ﷺ کے لیے کھول دیے، سیدہ صفیہؓ کچھ عرصے تک آپؓ کے مکان پر ہی مقیم رہیں۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے، خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

تم نے اس کو کیسا پایا؟

مدینہ کی مسلم خواتین کو اس پُر مسرت موقع پر اس خبر نے حیرت وتعجب میں ڈال دیا کہ حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ اب ان کے سالارِ اعظم ﷺ کی زوجۂ محترمہ بن کر ان کے پاس آرہی ہے، یہ سترہ سالہ خاتون ان کے لیے اجنبی نہیں تھی، وہ ان ہی کے شہر میں پلی اور بڑھی تھی ان کی خوبصورتی اور حسن وجمال کا چرچا پورے مدینہ میں تھا۔ اپنے سربراہِ اعظم ﷺ کی نئی نویلی دلہن کو دیکھنے کے لیے اطرافِ مدینہ سے جوق در جوق عورتیں آئیں، ان میں چار ازواجِ مطہرات: سیدہ زینب بنتِ جحشؓ، سیدہ عائشہؓ، سیدہ

حفصہؓ،سیدہ جویریہؓ بھی نقاب اوڑھے ہوئے تھیں، جب وہ دیکھ کر جانے لگیں تو آں حضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو پہچان لیا اوران سے پوچھا:”کیف رآیتها یا عائشة“ ترجمہ:اے عائشہ!تم نے اس کو کیسا پایا،تو وہ مارے غیرت کے بول اٹھیں:”رآیت یهودیة“ ترجمہ: میں نے ایک یہودی عورت کو دیکھا ہے،تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: ”لاتقولی هذا فانها آسلمت وحسن اسلامها“ ترجمہ:ایسا مت کہو وہ اسلام قبول کرچکی ہےاوران کااسلام اچھااور بہتر ہے۔(طبقات ابن سعد ۸/۹۰،نساءحول الرسول ﷺ:۹۶)

حضورِاکرم ﷺ کے ساتھ حج بیت اللہ کی سعادت

۱۰ھ میں جب نبی آخرالزماں ﷺ نے حجِ بیت اللہ کی ادائیگی کا فریضہ انجام دیا تو دیگرازواج مطہراتؓ کے ساتھ اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں اور خداکے آخری اورمحبوب رسول ﷺ کی رفاقت میں حج وعمرہ کی بےکراں سعادت سے بہرہ یاب ہوئیں ،انہوں نے جملہ مناسکِ حج کے متعلق حضورانور ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کی ہدایات کو پوری طرح اپنی ذہن میں محفوظ کرلیا؛تاکہ وہ امتِ مسلمہ کی خواتین کوپورے شرحِ صدر کے ساتھ ان کی تعلیم دے سکیں۔(ازواج مطہرات ۲/۱۹۹)

حلیۂ مبارکہ

سیدہ صفیہؓ قدرے کوتاہ قامت ؛مگرنہایت حسین وخوبصورت تھیں،مسلم شریف کی روایت میں آپ کے لیے”جاریة جمیلة“ کاجملہ مذکور ہے۔

آپؓ کی رہائش

دیگرازواجِ مطہرات کی طرح اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ کے لیے ایک علاحدہ حجرہ مسجدِنبوی کے قریب تیارکیا گیا جوکچی اینٹوں کا بنا ہوا تھا، بادشاہِ یہود کی بیٹی جو عالیشان اورپُرتعیش محلات میں رہنے کی عادی تھی وہ مضبوط و مستحکم،خوش رنگ اوردیدہ ذیب عمارتیں

اس کے دل اور اس کی روح کو سکون واطمینان کی دولت مہیا کرنے سے قاصر رہیں، لیکن اس مختصر سے کچے حجرے میں قلب وروح کی سکینت وطمانینت کا پورا پورا سامان موجود تھا۔ (ازواجِ مطہرات۲/۱۹۱)

اخلاقِ حسنہ اور عاداتِ مبارکہ

مجسمۂ اخلاق اور سرچشمۂ کمالات پیارے نبی ﷺ کی ہر آن دید اروزیارت اور ہمہ دم معیت ورفاقت نے اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ کو شمائلِ حمیدہ اور خصائلِ حسنہ کا ایسا حسین گلدستہ بنا دیا تھا جس میں قسم قسم کے رنگ بہ رنگے پھول کھلے ہوئے تھے، آپؓ کا دامن اخلاقی جواہر پاروں سے مالا مال تھا، حبِّ رسول، صدق، وفاشعاری، احسان پذیری اور صاف گوئی ان کے مخصوص اوصاف تھے، آپ عاقلہ، فاضلہ، حلیم الطبع، خلیق، کشادہ دل، سیر چشم، ذاکرہ اور صبر وتحمل کی پیکر تھیں، آپ نے عفو ودرگذر، مظلوموں کی مدد واعانت، صلہ رحمی اور صدقات وخیرات کی دولت سے بھی وافر حصہ پایا تھا۔

صاحبِ اصابہ تحریر فرماتے ہیں: ”كانت صفية عاقلة حليمة فاضلة“

ترجمہ: صفیہؓ عاقلہ، فاضلہ، حلیم وبردبار تھیں۔

علامہ ذہبیؒ- جوفن اسماء الرجال میں گراں قدر مقام رکھتے ہیں- اپنی کتاب ”سیر اعلام النبلاء“ میں اُمّ المؤمنینؓ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”كانت شريفة عاقلة ذات حسب وجمال ودين وكانت ذات حلم ووقار“ ترجمہ: وہ شریفہ، عقلمند، خاندانی، خوبصورت، دین دار، بردبار، اور باوقار خاتون تھیں۔ (صحابیات مبشرات:۱۶۱)

آپؓ کے محاسن اور اخلاق کو بیان کرتے ہوئے علامہ زرقانی رقمطراز ہیں:

”كانت عاقله من عقلاء النساء“

ترجمہ: وہ عقل مند خاتونوں میں بہت ہی زیادہ عقلمند تھیں۔

سخاوت وفیّاضی

سیدہ صفیہؓ بہت سخی اور نہایت فیّاض واقع ہوئی تھیں۔ چنانچہ زرقانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سردارِ دو جہاں ﷺ کی پیاری اور لاڈلی بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ جب پہلی مرتبہ سیدہ صفیہؓ کی ملاقات کے لیے تشریف لائیں تو آپؓ نے اپنے محبوب ﷺ کی شہزادی کے ساتھ بخشش و مروّت سے بھرپور سلوک کیا اور اپنے کانوں سے بیش قیمتی طلائی جھمکے اتار کر انہیں بطورِ تحفہ دیدیے اور ان کے ساتھ آنے والی خواتین کو بھی کوئی نہ کوئی زیور عنایت فرمایا۔ (طبقات ابن سعد ۸/۹۱، ازواجِ مطہرات ۲/۱۹۰، سیر الصحابیات: ۹۴، تذکارِ صحابیات: ۱۰۱)

بخاری شریف میں اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ کی روایت ہے کہ: ”عمدہ اور مزیدار کھانا تیار کرنے میں صفیہؓ سے بڑھ کر میں نے اور عورت کو نہیں دیکھا“ بخاری اور نسائی کی روایت میں ہے کہ جب حضورِ اکرم ﷺ دوسری ازواجِ مطہرات کے وہاں ہوتے تو سیدہ صفیہؓ لذیذ کھانا تیار کر کے بطورِ تحفہ بھیجا کرتی تھیں۔ (سیر الصحابیات: ۹۴)

خشیتِ الٰہی

حضورِ پُرنور ﷺ کی نظرِ کیمیا اثر سے جو نمایاں اوصاف آپ کو حاصل ہوئے ان میں سے ایک اہم وصف خوفِ خداوندی اور خشیتِ ایزدی بھی تھا، خدا کی عظمت و بزرگی اور بڑائی و کبریائی کا تصور گوشۂ خیال میں آتے ہی آپؓ لرزہ براندام ہو جائیں اور دل ہیبت اور ڈر کے مارے کانپ اٹھتا۔ چنانچہ اُمّ المؤمنینؓ کثرت سے تلاوت کیا کرتی تھیں بسا اوقات آپ کے دل پر خشیتِ الٰہی کا ایسا اثر ہوتا تھا کہ آپ زاروقطار رونا شروع کر دیتی تھیں۔

حضرت عبد اللہ بن عبیدہ؁ فرماتے ہیں کہ ایک دن کچھ لوگ اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ کے حجرے میں جمع ہو کر نوافل ادا کرنے لگے اور قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے لگے، سیدہ صفیہؓ نے ان سے فرمایا: یہ سب کچھ تو ٹھیک ہے؛ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ڈر کی وجہ

سے تم روتے کیوں نہیں، تمہارا رونا کہاں گیا؟" (رسول اللہ کی پاکباز بیویاں:۴۶۲،صحابیات مبشرات:۱۶۵)

زہد وتقویٰ

اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ زہد وتقوی کی صفت سے بھی خوب خوب آراستہ وپیراستہ تھیں،اور عبادت وبندگی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھیں۔ حافظ ابنِ کثیر اپنی مشہور کتاب ''البدایۃ والنہایۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں:"وکانت من سیدات النساء عبادۃ و وراعا وزھادۃ وبرا وصدقۃ" ترجمہ:وہ زہد وتقوی،عبادت وبندگی اور صدقات وخیرات میں عورتوں کے درمیان سرداری کا مقام رکھتی تھیں۔ (امہات المؤمنین:۶۴۵)

سیدہ صفیہؓ کی ذکر الٰہی میں دلچسپی

ام المؤمنین سیدہ صفیہؓ فرماتی ہیں کہ:ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میرے سامنے اس وقت چار ہزار گٹھلیاں پڑی ہوئی تھیں جن کے ذریعے میں تسبیح کیا کرتی تھی، آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: یہ گٹھلیاں ہیں، میں ان کے ذریعے تسبیح پڑھتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تجھے اس سے بہتر عمل نہ بتاؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں ضرور بتا دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس طرح کہا کرو:"سبحان اللہ عدد خلقہ"۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں:۴۶۳)

آپ ﷺ کی سیدہ صفیہؓ سے محبت ودل جوئی

محبوبِ کبریا ﷺ کو جس طرح دوسری ازواج مطہراتؓ سے محبت تھی، اسی طرح آپ ﷺ سیدہ صفیہؓ سے بھی غایت درجہ محبت فرماتے تھے، انہیں عزیز رکھتے، ان کا بہت زیادہ خیال فرماتے اور ہر موقع پر ان کی دل جوئی کا پورا پورا خیال فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ کئی ازواجِ مطہرات تھیں ان میں سیدہ صفیہؓ بھی شامل تھیں، سوئے اتفاق سے راستہ میں آپؓ کا اونٹ بیمار ہو گیا اور اس قابل نہ

رہا کہ اس پر سواری کی جا سکے، جس کی وجہ سے آپؓ سخت پریشان ہوئیں، اُس وقت سیدہ زینبِ بنت جحشؓ کے پاس ضرورت سے زائد اونٹ موجود تھا، آں حضرت ا نے سیدہ زینبؓ سے فرمایا:"ان بعيرا لصفية اعتلّ فلو اعطيتها بعيرا من ابلك" ترجمہ: صفیہ کا اونٹ بیماری کی وجہ سے اس لائق نہیں رہا کہ اس پر سواری کی جائے؛ اس لیے اگر تم ایک اونٹ سواری کے لیے اسے دے دو تو بہتر ہوگا۔ سیدہ زینبؓ ویسے تو طبعاً سخی، فیّاض اور بامروت تھیں لیکن اس وقت ان کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا:"انا آعطى تلك اليهودية؟" ترجمہ: میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟

سیدہ زینبؓ کا یہ اندازِ کلام تعلیماتِ الٰہی کے صریح خلاف تھا، جس کی وجہ سے حضورِ انور ﷺ نے اس پر سخت برہمی کا اظہار فرمایا اور سیدہ زینبؓ سے بول چال بند کردی؛ بلکہ سیدہ عائشہؓ کی روایت کے مطابق جسے علامہ ابن سعد نے اپنی کتاب ''طبقات'' میں نقل کیا ہے قطع تعلق کا یہ سلسلہ ذی الحجہ اور محرم کے دو مہینوں پر محیط رہا، سیدہ عائشہؓ نے بڑی مشکل سے ان کی خطا معاف کروائی۔

خود سیدہ زینبؓ فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ کی ناراضگی کی شدت نے قریب قریب مجھے ناامید ہی کردیا تھا، پس ایک دن اچانک کیا دیکھتی ہوں کہ آں حضرت ﷺ دوپہر کے وقت میرے پاس تشریف لا رہے ہیں، جس کے بعد میں نے یہ عہد کرلیا کہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گی۔ (طبقات ابنِ سعد ۸/۹۰، ازواج مطہرات ۲/۱۹۶، تذکار صحابیات: ۱۰۲)

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے سیدہ صفیہؓ کے کوتاہ قامت ہونے کو ہاتھ کے اشارے سے بیان کیا، نبیٔ کریم اکو یہ بات سخت ناگوار گذری، اور آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: عائشہ! تم نے اس قدر بری بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر میں ڈال دیا جائے تو اس کے کھارے پن اور کڑواہٹ پر غالب آجائے (یعنی سمندر کو بھی گدلا کردے)۔ (امہات المؤمنین: ۶۴۰)

مسندِ احمد اور ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت سے مذکور ہے کہ سیدہ صفیہؓ تک یہ بات پہنچی کہ سیدہ حفصہؓ نے انہیں یہودی کی بیٹی کہا ہے، یہ بات سن کر وہ رونے لگیں جب نبیِ کریم ﷺ ان کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں، آپ ﷺ نے پوچھا: "مـا يبكيك؟" ترجمہ: کیوں رو رہی ہو؟، انہوں نے بتایا کہ "قالت لی حفصه: انی بنت يهودى" ترجمہ: حفصہؓ نے مجھے یہودی کی بیٹی کہہ کر پکارا ہے، تو آپ ﷺ نے دل جوئی کرتے ہوئے فرمایا: "انك لابـنـة نبى، وان عمك نبى، وانك لتحت نبى، ففيما تفخر عليك" ترجمہ: تم تو ایک نبی کی بیٹی ہو اور ایک نبی تمہارے چچا ہیں اور تم ایک نبی کی بیوی ہو تمہارے لیے اس سے بڑھ کر کیا اور فخر کی بات ہو سکتی ہے، پھر آں حضرت ﷺ نے سیدہ حفصہؓ سے فرمایا: "اتـقـى الـلـه يا حفصة" ترجمہ: حفصہ! اللہ سے ڈرو تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ (نساء حول الرسول ﷺ: ۹۶، رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۴۵۸)

اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ کے حوالے سے یہ واقعہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ سیدہ عائشہؓ اور سیدہ زینبؓ نے ان پر اپنی برتری کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ہم تمام ازواج میں سب سے افضل ہیں؛ کیوں کہ ہم آں حضرت ﷺ کی بیویاں بھی ہیں اور قرابت دار بھی، جب کہ تمہارا تعلق قوم یہود سے ہے۔ یہ بات سیدہ صفیہؓ کو نہایت ہی ناگوار گذری اور وہ کبیدہ خاطر ہو کر رونے لگیں، جب سرکارِ دو عالم ﷺ گھر تشریف لائے اور ان کو روتے ہوئے دیکھا تو ان سے رونے کی وجہ دریافت کی، سیدہ صفیہؓ نے شکایت کے انداز میں آپ ﷺ سے اس پورے واقعہ کا تذکرہ کیا تو آپ نے ان کی دل جوئی کرتے ہوئے فرمایا: "الا قـلـت وكيف تـكـونـان خيـرا مـنـى وزوجى محمد ا،وابى هـارون، وعـمـى موسىٰ" ترجمہ: اگر عائشہ اور زینب کو خاندانِ نبوت سے قرابت کی بنا پر فضیلت کا دعوی ہے تو تم نے ان سے کیوں نہ کہہ دیا کہ تم میرے مقابلہ میں کیوں کر افضل ہو سکتی ہو جب کہ میرے والد ہارون، میرے چچا موسیٰ اور میرا شوہر سید الانبیاء، فخرِ

دو جہاں احمدِ مرتضٰی محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔(ازواج مطہرات ۲/ ۱۹۷،امہات المؤمنین:۶۴۱)

اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ کا بیان ہے کہ: حجۃ الوداع کے موقع پر آں حضرت ﷺ اپنی ازواج کے ساتھ تھے،سفر کے درمیان میرا اونٹ بیٹھ گیا اور میں سب سے پیچھے ہوگئی، اس کی وجہ سے میں نے زاروقطار رونا شروع کردیا،آنحضرت ﷺ میرے پاس سے ہوکر گذرے اور مجھے اس حال میں دیکھا تو اپنی مبارک چادر اور بابرکت ہاتھوں سے میرے آنسو پوچھنے لگے،آپ اکی شفقت ومہربانی کودیکھ کر میں اور زیادہ رونے لگی تو آپ ﷺ نے مجھے رونے سے منع فرمایا اور خاموش رہنے کی تلقین کی۔(امہات المؤمنین:۶۴۱)

سیدہ صفیہؓ کی حضورِ انور اسے والہانہ محبت اور تعلق

جس طرح نبیٔ آخرالزماں ﷺ کو سیدہ صفیہؓ سے غایت درجہ محبت تھی ،اسی طرح سیدہ صفیہؓ بھی جنابِ مصطفیٰ ﷺ پر ہزار دل وجان سے فدا تھیں اور ہر وقت آپ ﷺ کی خدمت کے لیے مستعد اور ہر گھڑی آپ ﷺ پر جان نچھاور کرنے کو تیار رہتی تھیں،ان کے محرابِ جگر میں عشق کے فانوس اور محبت کے چراغ روشن تھے،آپ ﷺ کی ہلکی سی ناراضگی اور ادنیٰ سی تکلیف سے وہ بے چین وبے قرار ہوجاتی تھیں۔

ایک دفعہ کسی بنا پر حضورِ اکرم ﷺ آپؓ سے ناراض ہوگئے ،آپ کے لیے یہ ناراضگی ناقابل برداشت تھی ،اس لیے سیدہ عائشہؓ کے پاس گئیں اور ان سے کہا: تم یہ بات خوب جانتی ہیں کہ میں اپنی باری کسی بھی قیمت پر کسی کو نہیں دے سکتی مگر میں آپ کو دیتی ہوں ،لیکن شرط یہ ہے کہ تم رحمۃ للعالمین اکو مجھ سے راضی کروادوگی۔سیدہ عائشہؓ اس کام کے لیے تیار ہوگئیں، چنانچہ انہوں نے زعفران میں رنگا ہوا ایک دوپٹہ لیا اور اس پر ہلکا ہلکا پانی چھڑکا؛ تاکہ اس میں خوشبو مہک اٹھے اور ماحول کو معطّر کردے، پھر جب حضورانور ﷺ تشریف لائے تو آپ نے حضرت عائشہؓ کو دیکھ کر دریافت فرمایا: عائشہ! آج تو تمھاری باری نہیں ہے،تم یہاں کیسے؟ سیدہ عائشہؓ نے جواب دیا:"یا رسول

اللہ! ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء“ ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کو نوازتا ہے، پھر پورا ماجرا کہہ سنایا، جس پر آپ ﷺ مسکرئے اور اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ ؓ سے راضی ہو گئے۔ (ازواجِ مطہرات ۲/ ۱۹۸، تذکار صحابیات: ۱۰۲)

آنحضرت ﷺ سے محبت کا ایک اور خوبصورت واقعہ مؤرخین نقل کرتے ہیں کہ جب سرورِ کونین ﷺ مرض الوفات میں سیدہ عائشہ ؓ کے حجرے میں اقامت گزیں ہو گئے تھے، تو تمام ازواجِ مطہرات • خدمت وعیادت کی غرض سے وہیں تشریف لاتیں۔ ایک دفعہ ایسے ہی موقع پر آپ ﷺ بیماری کی شدت کی وجہ سے بے چین و بے قرار ہو گئے تو یہ حالت دیکھ کر اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ ؓ سے برداشت نہ ہو سکا اور بے ساختہ نہایت حسرت سے پکار اٹھیں، ”اما والله يا نبی الله لوددت ان الذی بك بی“ ترجمہ: یارسول اللہ! کاش! یہ تکلیف آپ کی بجائے مجھے ہو جاتی۔ اس پر دوسری ازواج مطہرات ؓ نے ایک دوسرے کی طرف اس طرح دیکھنا شروع کر دیا کہ ان کی بات میں صداقت نہیں بلکہ محض تصنّع ہے، حضورِ اکرم ﷺ کو اس کا احساس ہو گیا تو آپ نے فرمایا: ”مضمضن“ ترجمہ: تم سب کلی کرو، انہوں نے عرض کیا: ”من ای شیء يا نبی الله“ ترجمہ: یارسول اللہ! کیوں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من تغامزكن بصاحبتكن، والله انها لصادق؟“ ترجمہ: اس لیے کہ تم نے اشارۂ چشم سے ایک دوسرے کو دیکھ کر اس کی بات کو مصنوعی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، قسم بہ خدا! یہ بالکل سچ کہہ رہی ہے۔

(طبقات ابن سعد ۸/ ۹۱، امہات المؤمنین: ۶۴۲، ازواج مطہرات ۲/ ۱۹۸)

حضرت عائشہ ؓ کا قولِ فیصل

طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ رسولِ اقدس ﷺ غزوۂ خیبر کی جائیداد میں سے تمام ازواجِ مطہرات کو برابر مال تقسیم فرماتے تھے۔ حضورِ اکرم ﷺ کے اس دارِ فانی سے کوچ کر جانے کے بعد خلیفۂ اول حضرت ابوبکر ؓ بھی تمام ازواجِ مطہرات کے اخراجات

کے لیے برابر رقم فراہم کرتے رہے۔لیکن ان کے بعد خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ نے دیگر ازواجِ مطہرات کے لیے بارہ، بارہ ہزار درہم مقرر فرمائے،لیکن اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ اور اُمّ المؤمنین سیدہ جویریہ بنتِ حارثؓ کا وظیفہ چھ چھ ہزار درہم مقرر فرمایا۔ چنانچہ ان دونوں نے اپنا وظیفہ لینے سے انکار کردیا۔حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے دیگر ازواجِ مطہرات کا دوگنا وظیفہ ان کی ہجرت کی بنا پر مقرر کیا ہے؛ مگر ان دونوں نے نہیں مانا اور کہا: آپ نے ان کے مرتبہ اور مقام کو ہم سے ترجیح دیتے ہوئے ایسا کیا۔اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ نے امیر المؤمنینؓ کو کہلوا بھیجا کہ رسول اکرم ﷺ تو ہمیشہ ہمارے درمیان برابر سرابر تقسیم فرمایا کرتے تھے۔یہ بات سن کر امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے بھی تمام ازواجِ مطہرات کے لیے بارہ، بارہ ہزار درہم یکساں وظیفہ مقرر فرمادیا۔

(صحابیات مبشرات:۱۵۱)

اعتکاف کی حالت میں حضورا سے ملاقات

بخاری شریف میں سیدنا علی بن حسینؓ کے حوالہ سے یہ روایت مذکور ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت صفیہؓ فرماتی ہیں: حضور اکرم ﷺ رمضان کے اخیر عشرہ میں معتکف تھے، میں بہ وقتِ شام آپ ﷺ سے ملنے کے لیے گئی، تھوڑی دیر بات چیت کرنے کے بعد واپس جانے کے لیے اٹھی تو آپ ﷺ بھی رخصت کرنے کے لیے میرے ساتھ مسجد کے دروازے تک تشریف لے آئے۔اتفاق سے دو انصاری صحابہؓ کا وہاں سے گذر ہوا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام پیش کیا اور چلنے لگے، آں حضرت ﷺ نے فرمایا :”علی رسلکما،انما ھی بنت حیی“ ترجمہ: ذرا ٹھہرو، سنو! یہ میری بیوی صفیہ بنت حیی ہے۔وہ دونوں کہنے لگے: سبحان اللہ! بھلا یہ بتلانے کی کیا ضرورت تھی! تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:”ان الشیطان یبلغ من ابن آدم مبلغ الدم وانی خشیت آن یقذف فی قلو بکما شیئا“ ترجمہ: بلاشبہ شیطان ابن آدم کے خون میں رچ بس جاتا

ہے اور مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ تمہارے دل میں کوئی چیز نہ ڈال دے۔ (صحابیات مبشرات:۱۶۴)

علامہ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ علمائے دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کا خصوصی خیال رکھیں کہ ان سے کوئی ایسا عمل نہ ہو جائے جس کی وجہ سے عوام الناس میں شکوک وشبہات پیدا ہوں، کیوں کہ علمائے دین کے بارے میں دین کے خلاف کسی عمل کی بدگمانی کی وجہ سے ان کے علم سے کما حقہ استفادہ نہیں کیا جا سکتا، اس طرح لوگ علم سے محروم رہ جائیں گے۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں:۴۶۲)

دل کی فیاضی اور عفوودرگذر

زرقانی اور اصابہ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ آپؓ کے پاس ایک کنیز تھی، ایک مرتبہ اس نے خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت عمر فاروقؓ سے شکایت کرتے ئے کہا: اے امیر المؤمنین! اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ میں اب تک یہودیت کی بو پائی جاتی ہے، وہ ابھی بھی ’’یوم السبت‘‘ کی تعظیم کرتی ہے اور یہودیوں سے قلبی تعلق رکھتی ہے اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرتی ہے۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے صحیح صورتِ حال معلوم کرنے کی غرض سے ایک آدمی بھیج کر معاملہ کی تحقیق کروائی، (بعض کتابوں میں ہے کہ آپ ص بذاتِ خود تشریف لے گئے)

حضرت صفیہؓ نے جواب میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: جب سے خدائے عز وجل نے مجھے ہفتہ کی جگہ جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے تب سے یوم السبت کی تعظیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور رہا یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ تو ان سے لگاؤ ضرور ہے، اگرچہ وہ کافر ہیں؛ مگر وہ میرے خونی رشتہ دار اور قرابت دار ہیں، مجھے صلہ رحمی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد اُمّ المؤمنینؓ نے اس باندی سے دریافت کیا کہ: تجھے امیر المؤمنین کے پاس میرے خلاف شکایت کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟، تو اس نے کہا: شیطان نے مجھے پھسلا دیا۔ یہ جواب سن کر وہ خاموش ہو گئیں اور باندی سے کہا: جا! میں نے

تجھے اللہ کے واسطے آزاد کردیا۔ (تذکار صحابیات:۱۰۳، ازواج مطہرات ۲/۲۰۱، سیر الصحابیات:۹۳)

دل کی دردمندی

اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ ؓ کا دل خیر خواہی، ہمدردی اور سوز وگداز کے پاکیزہ جذبات سے لبریز تھا، کسی کو تکلیف ومصیبت میں دیکھ کر آپ ؓ کا دل بے چین ومضطرب ہوجاتا تھا اور اپنی طرف سے جہاں تک ہوسکے ہر ممکن کوشش فرماتیں کہ مصیبت زدہ کی مصیبت جلد از جلد ختم ہوجائے، اسی سے آپ ؓ کے قلبِ مضطر کو تسکین اور حقیقی مسرّت حاصل ہوتی تھی۔

چناں چہ عہدِ عثمانی میں جب ۳۵ھ میں کاشانۂ خلافت کا بلوائیوں نے محاصرہ کرلیا اور محاصرہ کی شدت یہاں تک بڑھ گئی کہ باہر سے کھانے پینے کا سامان اندر پہنچنا بھی مشکل ہوگیا تو اس وقت سیدہ صفیہ ؓ اس ضعیف العمر امیر المؤمنین کی حالت اور بے بسی و بے کسی پر تڑپ اٹھیں اور بڑی دلیری اور جرآت کا مظاہرہ کرتے ہوئے امیر المؤمنین کی بھرپور امداد واعانت کی۔

چنانچہ ایک مرتبہ وہ بہ ذات خود خچر پر سوار ہوکر اپنے غلام کنانہ کو ساتھ لیے ہوئے امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی ؓ کے مکان کی طرف چلیں، مگر اشترِ نخعی نامی ایک شخص نے اس غلام کو پہچان لیا اور آگے بڑھ کر خچر کو مارنا شروع کردیا، حالات اتنے بگڑ گئے کہ اس باغی کا مقابلہ کرنا بڑا ہی مشکل معلوم ہونے لگا تو سیدہ صفیہ ؓ نے کہا: ”ردونی لا یفضحنی“ ترجمہ: مجھے واپس لے چلو، ذلیل نہ ہونے دو۔ گھر آنے کے بعد سیدنا حضرت حسن بن علی ؓ کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ امیر المؤمنین ؓ کے یہاں خورد ونوش کا سامان پہنچاتے رہے۔ (امہات المؤمنین:۶۴۶، ازواجِ مطہرات ۲/۲۰۲)

طبقات ابن سعد میں اس کا بھی اضافہ ہے کہ اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ ؓ نے اپنے گھر اور امیر المؤمنین حضرت عثمان ؓ کے گھر کی دیوار پر لکڑی کا ایک تختہ رکھ دیا تھا جس سے آنے جانے کا ایک راستہ بن گیا تھا، چناں چہ پھر اسی راہ سے سامانِ خورد ونوش پہنچایا

کرتی تھیں۔(طبقات ابن سعد ۸/۹۱)

فضل وکمال

سخاوت وفیاضی، زہدوتقوی اور تمام تر اخلاقی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ اعلیٰ درجہ کی صاحبِ فضل وکمال بھی تھیں، علم وفضل میں سیدہ کا مقام ومرتبہ بلند وبالا تھا، حضورِ اکرم ﷺ کے وصال کے وقت اُمّ المؤمنینؓ کی عمر اکیس اور بائیس سال کے درمیان تھی ،قدرت نے آپ کو ذہانت و فطانت اور نکتہ سنجی و معاملہ فہمی کے عجیب و غریب جوہر سے نوازا تھا۔

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ اور اُمّ المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ کے علاوہ یہ بھی اپنے زمانے میں علم کا مرکز تھیں، مدینہ کی عورتیں تو مسائل کی توضیح وتشریح کے لیے آپؓ کی خدمت میں آتی ہی تھیں، ساتھ ہی باہر سے آنے والے وفود بھی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔

حضرت صہیرہ بنتِ جعفرؓ کا بیان ہے کہ: وہ حجِ بیت اللہ سے فارغ ہونے کے بعد مدینۂ منورہ ان کی خدمت میں کسی مسئلہ کے سلسلہ میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں بہت ساری عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں ،ان عورتوں نے متعدد مسائل کی تفصیلی معلومات حاصل کیں ،ان میں سے ایک مسئلہ نبیذ کے بارے تھا، اس پر اُمّ المؤمنینؓ نے فرمایا: اہلِ عراق نبیذ کا مسئلہ عموماً پوچھتے ہیں۔معلوم ہوا کہ ان کی خدمتِ اقدس میں کوفہ کی عورتیں اکثر مسائل دریافت کرنے کے لیے آیا کرتی تھیں۔(امہات المؤمنین: ۶۴۷،ازواج مطہرات ۲/۲۰۰)

حضورِ انور ﷺ سے احادیث کی روایت کرنے کی سعادت

اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ نے رحمۃ للعالمین ﷺ سے نو یا دس احادیث روایت کی ہیں جن میں سے ایک متفق علیہ ہے یعنی شیخین (امام بخاریؒ، امام مسلمؒ) نے اسے اپنی صحیحین

میں نقل کیا ہے اور مابقیہ، احادیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔

آپؓ سے احادیث نقل کرنے والوں میں آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت کنانہؒ، حضرت یزید بن متعبؒ، حضرت زین العابدین علی بن حسینؒ، حضرت اسحاق بن عبداللہ بن حارثؒ اور حضرت مسلم بن صفوانؒ جیسے جلیل المرتبت تابعین کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ (ازواجِ مطہرات ۲/۲۰۰، امہات المؤمنین: ۶۴۹، تذکار صحابیات: ۱۰۳)

وفات اور نماز جنازہ

اُمّ المؤمنینؓ کے سنِ وفات کے بارے میں ایک قول ۵۲ھ ہے، مگر راجح قول جو طبقات ابنِ سعد اور استیعاب کی روایت کے مطابق ہے وہ یہ ہے کہ اُمّ المؤمنینؓ رمضان المبارک ۵۹ھ میں اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئیں۔ یہ امیرِ معاویہؓ کا زمانہ تھا، وفات کے وقت آپؓ کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی۔

آپؓ کی نمازِ جنازہ حضرت سعید بن عاصؓ نے پڑھائی تھی اور بعض مؤرخین کے مطابق آپؓ کی نمازِ جنازہ سیدنا امیر معاویہؓ نے پڑھائی تھی، جنت البقیع میں سپردِ خاک ہوئیں۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۴۶۶)

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے سبزۂ نورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ترکہ اور وصیت

اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہؓ کا ایک ذاتی مکان تھا جسے آپؓ نے اپنی زندگی میں ہی راہِ خدا میں صدقہ کر دیا تھا۔

علامہ ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ سیدہ صفیہؓ نے اپنے پیچھے ایک لاکھ درہم کا ترکہ چھوڑا تھا، جس کی ایک تہائی (تقریباً تینتیس ہزار درہم) اپنے یہودی بھانجے کے حق میں وصیت کی تھی۔ ان کی وفات کے

بعدلوگوں نے وصیت پرعمل کرنے کے سلسلہ میں تأمل سے کام لیا؛ کیوں کہ جس بھانجے کی وصیت کی تھی وہ مسلمان نہیں تھا، بات اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا: ”اتقوااللہ واعطوہ وصیتہ“ ترجمہ: اللہ سے ڈرو اور صفیہ کی وصیت پوری کرو۔ سیدہ عائشہؓ کے اس ارشاد کے بعد وصیت کی تعمیل کردی گئی۔ (طبقات ابن سعد ۹۲/۸)

اختتام

حضرت صفیہؓ کی حیاتِ مبارکہ کے مختلف پہلو قارئین نے ملاحظہ فرمائے، آپ کی زندگی کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ حق طلبی کا جوش اور سچا راستہ پانے کی تمنا ہو تو قدرت خود راستے ہموار کرتی ہے اور جادۂ حق پر قائم رہنے کے لیے نصرتِ غیبی اور تائید ایزدی شاملِ حال ہوتی ہے۔ یہی وہ سبق ہے جو اس وقت امت مسلمہ کے مردوزن کو آپ کی زندگی پڑھ کر یاد رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ پوری امتِ مسلمہ کو حضرت صفیہؓ کی مبارک زندگی پڑھنے اور پڑھ کر اسے برتنے اور عملی جامہ پہنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

۞۞

مآخذو مراجع:

(۱) السیرۃ النبویہ لابن ہشام (عربی)
(۲) طبقات ابن سعد (عربی)
(۳) نساء حول الرسول ﷺ (عربی)
(۴) امہات المؤمنین
(۵) ازواجِ مطہرات
(۶) صحابیات مبشرات
(۷) رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں
(۸) ازواجِ مطہرات حیات وخدمات
(۹) سو بڑی زاہد خواتین اور ان کی سردار فاطمہؓ بنت محمد ﷺ
(۱۰) پیغمبر اسلام اور اہلِ بیت
(۱۱) سیر الصحابیاتؓ
(۱۲) صحابیات
(۱۳) سیرۃ المصطفیٰ ﷺ (جلد سوم)
(۱۴) اُمت مسلمہ کی مائیں

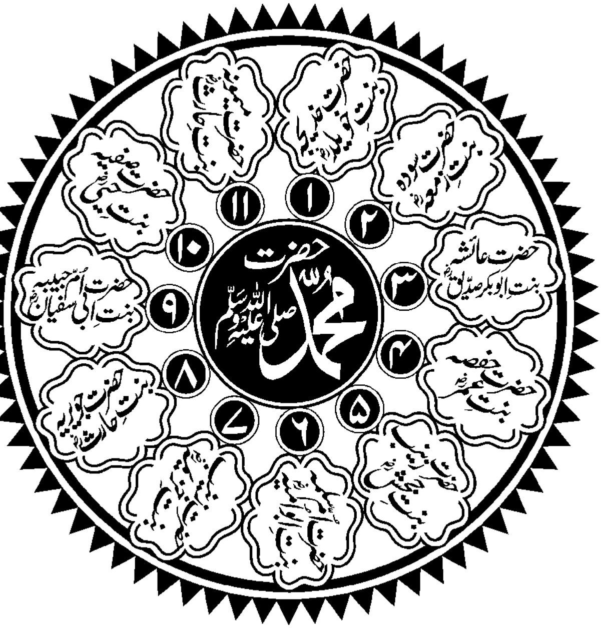

۱۱

اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا

سوانحی خاکہ

نام	:	میمونہ (برّہ)۔
والد کا نام	:	حارث بن حزن۔ والدہ کا نام: ہند بنتِ عوف۔
قبیلہ	:	بنو ہلال بن عامر۔
ولادت	:	بہ قول ابنِ سعد: نبوت سے چھ یا سات سال قبل۔
قبولِ اسلام	:	دو قول: (۱) قدیم الاسلام ہیں۔ (۲) ۷ھ عمرۃ القضا کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئیں۔
پہلا نکاح	:	مسعود بن عمرو ثقفی سے۔ دوسرا نکاح: ابورُہم بن عبد العزیٰ سے۔
تیسرا نکاح	:	۷ھ میں عمرۃ القضا کے موقع پر ۳۶/سال کی عمر میں سید الکونین ﷺ سے نکاح ہوا۔
مقدارِ مہر	:	چار سو یا پانچ سو درہم۔
مدتِ رفاقت	:	تقریباً سوا تین سال۔
اولاد	:	کتبِ سیر خاموش ہیں، اغلب یہ ہے کہ کسی شوہر سے کوئی اولاد نہ تھی۔
حج	:	۱۰ھ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ حج کی سعادت نصیب ہوئی۔
مرویات	:	۷۶/احادیث۔
وفات	:	۵۱ھ۔
نمازِ جنازہ	:	حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔
مدفن	:	مکّہ سے دس میل دور مقامِ ''سرف'' میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا

فہیم بشیر بیلگامی

چند مقدس ہستیاں جنہیں رسالت مآب ﷺ سے قریب بلکہ قریب تر رہ کر فیضیاب ہونے کا شرف حاصل ہوا، اور جنہوں نے آپ ﷺ کی ایک ایک ادا اور ہر ہر جنبشِ زبان کو پوری امانت و دیانت کے ساتھ امتِ مسلمہ تک پہنچایا، اور اس مقدس خدمت کی انجام دہی کے لیے جنہوں نے اپنی زندگی رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں گذار دینا اپنے لیے دین و دنیا کی سعادت و نیک بختی کا ذریعہ سمجھا، ان پاکباز ہستیوں میں ''امہات المؤمنین'' کا نام سرِ فہرست لیا جاتا ہے، عظمت کی نگاہوں سے دیکھا اور تقدس کے ہونٹوں سے چوما جاتا ہے۔ ان ہی قابلِ تقدس اور لائقِ تحسین ماؤں میں سے ایک ماں اور آپ ﷺ کی سب سے آخری زوجۂ محترمہ حضرت میمونہ بنتِ حارثؓ ہیں۔ ان اوراق کے لیے میں نے ان ہی کی سیرتِ مبارکہ کا انتخاب کیا ہے۔

نام و نسب

سیدہ کا اصل نام ''بَرّہ'' تھا۔ والد کا نام ''حارث'' اور والدہ کا نام ''ہند'' تھا۔ آپؓ کا تعلق قبیلۂ قیس بن عیلان سے تھا، اور والدہ قبیلۂ حِمیَر سے تعلق رکھتی تھیں، اصحابِ سیر آپ کا سلسلۂ نسب یوں بیان کرتے ہیں:

والد کی طرف سے سلسلۂ نسب: میمونہ بنتِ حارث بن حَزن بن بُحیر بن ہُزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور

بن عکرمہ بن حصیفہ بن قیس بن عیلان بن مُضر۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب: میمونہ بنتِ ہند بنتِ عوف بن زہیر بن حارث بن حُماطہ بن حمیر الحمریہ۔ (ازواج مطہرات وصحابیات انسائیکلوپیڈیا)

حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہنیں

آپؓ کی چار حقیقی بہنیں تھیں جو وقت کے معزز اور با اثر خاندانوں سے منسلک تھیں:

(۱) ایک بہن ''لبابۃ الکبریٰ'' ہیں جو اپنی کنیت ''ام الفضل'' سے مشہور ہوئیں، یہ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کے نکاح میں تھیں، ان ہی کی گود کو مشہور مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا گہوارہ بننے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت عباس قبیلۂ ہاشم کے معزز آدمی اور حضور ﷺ کے محترم چچا تھے۔

(۲) ''لبابۃ الصغریٰ''، یہ عرب کے معزز خاندان قبیلۂ بنی مخزوم کے چشم وچراغ ''ولید'' کے نکاح میں تھیں، ان کی گود میں بھی وقت کے جرنیلِ اعظم؛ بلکہ مجاہدِ اعظم نے آنکھ کھولی جس کو دنیا ''خالد بن ولید'' کے نام سے جانتی ہے اور رہتی دنیا تک زبانِ رسالت سے نکلا ہوا لقب ''سیف من سیوف الله'' ان کے ساتھ جڑ گیا۔

(۳) تیسری بہن عصماء بنتِ حارث ہیں جو قریش کے مشہور سردار ''ابی بن خلف'' کے عقد میں تھیں، یہ وہی مشہور دشمنِ اسلام ہے جو غزوۂ احد میں حضور ﷺ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

(۴) چوتھی بہن ''حفیدہ''، یہ عبداللہ بن مالک ہلالی کے نکاح میں تھیں۔ بعض مؤرخین نے چوتھی بہن کا نام ''ہزیلہ'' ذکر کیا ہے۔ (امہات المؤمنین: ۶۵۱)

اخیافی بہنیں

حقیقی بہنوں کے علاوہ آپؓ کی چار اخیافی بہنیں بھی تھیں، حقیقی بہنوں کی طرح یہ

بھی اپنے زمانے کی مایۂ ناز شخصیات کے نکاح میں تھیں:

(۱) اسماء بنتِ عمیس: ان کا پہلا نکاح حضور ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب سے ہوا، جن سے عبداللہ، محمد اور عون پیدا ہوئے۔ جنگِ موتہ میں حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے نکاح کیا، جن سے محمد بن ابی بکر صدیقؓ پیدا ہوئے۔

(۲) سلمٰی بنتِ عمیس: ان کا پہلا نکاح حضور ﷺ کے محبوب چچا اور رضاعی بھائی حضرت حمزہؓ سے ہوا۔ پھر ان کی شہادت کے بعد حضرت شداد بن اسامہ الہاد نے ان سے نکاح کیا جن سے عبداللہ اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔

(۳) سَلَامہ بنتِ عمیس: ان کی شادی عبداللہ بن کعب سے ہوئی۔

(۴) زینب بنتِ خزیمہ: ان کی پہلی شادی طفیل بن حارث بن مطلب سے ہوئی تھی، ان سے طلاق ہونے کے بعد حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب نے انہیں اپنی زوجیت میں لیا؛ لیکن جب یہ جنگِ بدر میں نہایت بے جگری سے لڑے تو ان کی زندگی بھی جواب دے گئی۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی زوجیت میں آئیں جو آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، انہوں نے بھی جنگِ احد میں اپنی بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ جان جاں آفریں کے سپرد کر کے ہی دم لیا۔ ان کی شہادت کے بعد سید المرسلین ﷺ کی زوجیت کا شرف عنایت ہوا۔ (ازواجِ مطہرات: ۲/ ۲۰۸-۲۱۱)

ہم نے سیدہ میمونہؓ کی بہنوں کا اجمالی تعارف اس لیے کروایا ہے؛ تا کہ اس امر کا قدرے اندازہ ہو جائے کہ آپؓ کے قریش کے مختلف خاندانوں سے کتنے گہرے اور پائیدار روابط تھے؛ کیوں کہ اُس دور میں کسی شخصیت کی اہمیت کا دار و مدار تعلقات کی وسعت پر تھا، یہی وجہ ہے کہ ابوقُتَیبَہ، سیدہ میمونہؓ کی والدہ ہند بنتِ عوف کے بارے میں

کہتے ہیں کہ: وہ اپنے دامادوں کے لحاظ سے روئے زمین پر بزرگ اور خوش قسمت خاتون تھیں۔ (ازواجِ مطہرات وصحابیات انسائیکلوپیڈیا:۲۲۶)

ولادت

حضرت میمونہؓ کی ولادت کب ہوئی؟ اس کے متعلق کتبِ تاریخ وسیر میں کچھ مذکور نہیں ہے؛ البتہ ابنِ سعد کی ''الطبقات الکبیر'' میں سنِ وفات ۶۱ھ اور بہ وقتِ وفات عمر اسّی یا اکیاسّی برس تحریر ہے۔ اس حساب سے سنِ ولادت چھ یا سات قبل نبوت بنتا ہے؛ مگر راجح قول یہ ہے کہ ۵۱ھ میں انتقال ہوا، جیسا کہ وفات کے بیان میں آئے گا۔

حضرت میمونہؓ کا قبولِ اسلام

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری نے اپنی کتاب ''سیرۃ الرسول'' میں ذکر کیا ہے کہ: حضرت میمونہؓ عمرۃ القضا کے موقع پر اہلِ اسلام کی عظیم شان وشوکت اور ان کے اخلاق وکردار کی پاکیزگی کو دیکھ کر حلقہ بہ گوشِ اسلام ہوئیں۔ (ازواجِ مطہرات:۲/۲۱۱)

البتہ ایک دوسرا نقطۂ نظر جو راجح معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اپنی بہن ''ام الفضل'' (لبابۃ الکبریٰ) کے ساتھ ہی یا ذرا بعد میں مسلمان ہوگئی ہوں گی اور یہ طے ہے کہ حضرت اُمّ الفضل قدیم الاسلام ہیں۔ حضرت میمونہؓ کے قدیم الاسلام ہونے کا ایک قیاسی قرینہ یہ بھی ہے کہ حضور انور ﷺ نے جتنی مکّی عورتوں سے نکاح کیا ہے وہ سب کی سب قدیم الاسلام ہیں۔ اور حضور ﷺ کے ارشاد: ''الأخوات مؤمنات: ميمونة وأم الفضل وأسماء'' سے بھی ان کے قدیم الاسلام ہونے کی تائید ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

(امہات المؤمنین:۶۵۲-۶۵۳)

پہلا اور دوسرا نکاح

سیدہ کے ابتدائی حالات کے سلسلے میں تقریباً اکثر مؤرخین خاموش نظر آتے ہیں؛

البتہ ابنِ ہشام اور ابنِ سعد یہ رقم فرماتے ہیں کہ: سیدہ کا پہلا نکاح زمانۂ جاہلیت میں مسعود بن عمرو ثقفی سے ہوا تھا، جنہوں نے بعد میں کسی وجہ سے آپ کو طلاق دے دی تھی، اس نکاح سے آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس کے بعد قبیلۂ بنی عامر بن لُؤی کے ایک شخص ابورُہم بن عبدالعزّٰی سے آپ کا نکاح ہوا۔

حضرت میمونہؓ کا سید المرسلین ﷺ سے نکاح

ہجرت کا ساتواں سال تھا جب حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے عمرۃ القضا فرمایا۔ اسی سال کے آغاز میں حضرت میمونہؓ کے دوسرے شوہر ابورُہم بن عبدالعزّٰی کا انتقال ہو چکا تھا، اور وہ اپنی حقیقی بہن حضرت عباسؓ کی اہلیہ حضرت اُمّ الفضلؓ (لبابۃ الکبریٰ) کے یہاں قیام پذیر تھیں۔ اسی اثنا میں حضور ﷺ عمرۃ القضا کے لیے مکّہ تشریف لائے، موقع غنیمت جان کر حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ کو حضرت میمونہؓ کے قبولِ اسلام کی خبر دی اور ساتھ ہی اس بات کی ترغیب بھی کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی زوجیت میں لے لیں۔ حضور ﷺ کو بھی یہ تجویز مناسب معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے یہ پیغام قبول کرلیا۔ حضرت عباسؓ نے تعمیلِ ارشاد میں فوراً نکاح کی تیاری شروع کردی اور حضرت میمونہؓ کی طرف سے وکیل بن کر نکاح کروادیا۔ مہر چار سو یا پانچ سو درہم طے پایا۔ اسی موقع پر حضور ﷺ نے آپؓ کا پرانا نام ''برّہ'' تبدیل کرکے ''میمونہ'' رکھ دیا۔ زبانِ رسالت سے نکلا ہوا یہی نام بعد میں آپ کی زندگی کا جزوِ لاینفک بن گیا۔ (ازواجِ مطہرات: ۲/۲۱۰)

نکاح کے وقت حضرت میمونہؓ کی عمر

عام مؤرخین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کے متعلق کچھ بیان نہیں کرتے ہیں؛ البتہ طبقات ابنِ سعد کی ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ سیدہؓ کا انتقال ۶۱ھ میں

ہوا ہے جب کہ ان کی عمر اکیاسّی سال تھی۔ اگر اس روایت کو درست مان لیا جائے تو سیدہ موصوفہ کی عمر اس شادی کے وقت تقریباً ستائیس سال بنتی ہے۔ مگر کچھ مؤرخین ان کی عمر کافی زیادہ بیان کرتے ہیں، مثلاً: مشہور مؤرخ ''اَیرُ فنج'' نے اپنی کتاب ''حیاتِ محمد ﷺ'' میں اس شادی کے وقت سیدہؓ کی عمر اکیاون سال درج کی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ: بعض حضرات نے ابنِ سعد کی ایک روایت کے پیشِ نظر محرم کے مہینے میں حضور ﷺ کے مدینہ رہتے ہوئے نکاح ہونے کا ذکر کیا ہے؛ مگر یہ اکثر ثقہ مؤرخین کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

نکاح

نیز ''یہ نکاح بہ حالتِ احرام ہوا تھا یا احرام کھول دینے کے بعد'' اس بابت مؤرخین کے مابین شروع ہی سے اختلاف چلا آرہا ہے، چناں چہ حضرت مولانا انوار احمد صاحب اعظمی مدظلہ نے اپنی کتاب ''امہات المؤمنین'' میں ص: ۶۵۴ پر تین احادیث نقل کی ہیں، ایک بخاری شریف کی ہے اور دو الطبقات الکبیر کی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عن ابن عباسؓ قال: تزوج النبي ﷺ ميمونة وهو محرم وبنى بها وهو حَلَال وماتت بسرفة، وفي رواية أخر تزوج النبي ميمونة في عمرة القضاء.

(بخاری: ۲/ ۶۱۱، ح: ۴۰۹۶)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ: اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح فرمایا حالیکہ آپ احرام کی حالت میں تھے، اور رسمِ عروسی ادا فرمائی حالانکہ آپ ﷺ احرام کھول چکے تھے اور حضرت میمونہؓ نے مقامِ ''سرف'' میں وفات پائی۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے عمرۃ القضا کے موقع پر نکاح فرمایا۔

(۲) عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ تزوج بنت الحارث بسرف وهو محرم، ثم دخل بها بسرف بعد ما رجع. (الطبقات الكبير: ۱۰/ ۱۳۱)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے حارث کی بیٹی (میمونہ) سے مقامِ سرف میں نکاح فرمایا حالیکہ آپ احرام کی حالت میں تھے، پھر آپ نے مکّہ لوٹنے کے بعد مقامِ سرف ہی میں ان سے رسمِ عروسی ادا فرمائی۔

(۳) وتزوجها رسول الله ﷺ بسرف علىٰ عشرة أميال من مكة. (بحوالۂ سابق)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے مکّہ سے دس میل دور مقامِ ''سرف'' میں نکاح فرمایا۔

ابنِ ہشام، ابنِ اسحاق اور ابنِ سعد وغیرہ مؤرخین کے طرزِ بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا نکاح حضرت میمونہؓ سے مقامِ سرف میں بہ حالتِ احرام ہوا، جب کہ آپ ﷺ ابھی مکۂ مکرمہ جا رہے تھے، اور واپسی میں مقامِ سرف ہی میں ان کے ساتھ بِنا فرمائی جب کہ آپ ﷺ حلال ہو چکے تھے۔ (امہات المؤمنین: ۶۵۴)

رسمِ عروسی

عجیب اتفاق ہے کہ عمرے سے فراغت پر جب رخصتی کا موقع آیا تو اس وقت حضور ﷺ مقامِ ''سرف'' میں مقیم تھے، حضور ﷺ کے غلام ابورافع حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لے کر اسی جگہ آ گئے اور یہیں رسمِ عروسی ادا ہوئی، اور جب سیدہ کی وفات کا وقت آیا تو اسی مقامِ ''سرف'' کو مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس بات کو بیان کرنے کے بعد صاحبِ ''مرقاۃ المفاتیح'' رقم طراز ہیں کہ: "وهذا من عجائب التواريخ" کہ یہ بھی تاریخ کی عجیب کرشمہ سازی ہے۔

مکّہ میں ولیمہ کرنے سے روکنا

عمرۃ القضا کے موقع پر حضور ﷺ معاہدے کے مطابق مکّہ میں صرف تین دن

ٹھہرنے کے مجاز تھے، پہلا دن آتے ہی مناسک کی ادائیگی (طواف وسعی اس کے بعد جانور ذبح کر کے حلق کروانا) میں گذرا۔ پھر اسی دن یا اس سے اگلے دن علی الصباح حضرت عباسؓ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح کرنے کے سلسلے میں بات چیت کی، آپ نے اپنے چچا کی تجویز قبول کرتے ہوئے اپنے قیام کے آخری دن یہ نکاح کیا۔

آپ ﷺ اس نکاح کے بعد رسمِ عروسی اور ولیمہ کی تقریب مکّہ میں ہی کرنا چاہتے تھے؛ لیکن قریش کے کچھ آدمی بشمول سردار حُوَیطِب بن عبد العزّٰی کے (جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے) آپ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ: آپ کی مدتِ قیام ختم ہو چکی ہے؛ لہٰذا اب آپ مکّہ چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے کہا بھی کہ مجھے کچھ وقت اور دو تو میں ولیمہ مکّہ ہی میں کرلوں اور تمہیں بھی ولیمے کے کھانے میں شریک کروں؛ لیکن سردارانِ قریش نے مہلت دینے سے انکار کر دیا، لہٰذا آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ چوتھے دن وعدے کے مطابق شرافت کے ساتھ مکّہ سے رخصت ہوگئے، اور دس میل دور مقامِ ''سرف'' پر رسمِ عروسی ادا ہوئی اور وہیں آپ ﷺ نے ولیمہ فرمایا۔ (ازواجِ مطہرات: ۲/۲۲۱، بتغیر یسیر)

اس شادی کے تاریخ ساز اثرات

عمرۃ القضا کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے تربیت یافتہ ساتھیوں کی روحانی، اخلاقی اور معاشرتی لحاظ سے پاکیزہ، منوّر اور روشن زندگی نے اہلِ مکّہ کو یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا کہ واقعی اسلام ہی وہ نظریہ، عقیدہ اور نظامِ زندگی ہے جو انسان گری اور کردار سازی کا کام بہ احسن طریق انجام دے سکتا ہے، ان کی اس سوچ نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی حقانیت اور عظمت کا سکّہ ان کے ذہنوں اور دلوں پر جما دیا؛ لیکن اس موقع پر سیدہ میمونہؓ کے ساتھ حضور ﷺ کی شادی نے انہیں ایک عجیب معاشرتی اور نفسیاتی الجھن میں مبتلا کر دیا، انہیں یہ بات بے حد مضطرب کیے جا رہی تھی

کہ وہ شخص جو اُن کے نزدیک روئے زمین پر سب سے زیادہ مقہور و مغضوب تھا، جس سے عداوت اور دشمنی نے انہیں اس کی جان کا دشمن اور اس کے خون کا پیاسا بنا دیا تھا اور جو نہایت بے بسی اور بے کسی کے عالم میں چھ سال پہلے یہاں سے بہ مشکل اپنی جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہوا تھا اور اپنے بال بچوں کو ساتھ لے جانے کے بجائے دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ جانے پر مجبور ہوا تھا، وہی شخص آج ان کے شہر کی ایک ایسی خاتون کو بیاہ کر ساتھ لے جا رہا ہے جس کے قریش کے اکثر معزز خاندانوں سے قریبی رشتے اور تعلقات تھے۔

اہلِ مکّہ کو حالات کا یہ انقلاب کرب والم کے دہکتے ہوئے انگاروں پر تڑپائے جا رہا تھا کہ جس ہستی کو وہ اللہ کے گھر میں خدائے واحد کی عبادت بجا لانے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہ تھے آج وہی ہستی اپنے ہزاروں پیروکاروں کے ساتھ اسی مقدس گھر میں عجیب شان کے ساتھ اپنے معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں سجدۂ نیاز ادا کر رہی ہے۔ انہیں یہ منظر آتشِ زیر پا کیے جا رہا تھا کہ جس ذات کو انھوں نے ظلم و ستم اور جور و تعدّی کے بل بوتے پر اس شہر سے دیس نکالا دیا تھا وہی ذات اپنے رفقائے کار کے ہمراہ پوری آزادی سے اس مقدس شہر میں گھوم پھر رہی تھی جب کہ وہ خود اپنے گھروں سے اور اپنے شہر سے باہر ٹیلوں اور پہاڑیوں پر خیمہ زن تھے۔ ایک گروہ وہ تھا جو اس انقلابِ حال کے اسباب و عوامل پر غور و فکر کرنے کے بجائے جذبات کی رو میں بہہ کر ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو گیا تھا اور اپنی زبان اور اپنے طرزِ عمل سے اس کا برملا اظہار کر رہا تھا۔

چناں چہ حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافعؓ بیان کرتے ہیں کہ: اس شادی کے بعد مکّے کے چند سر پھروں نے ہمارے سامنے ہمارے آقا و مولا محمد مصطفیٰ ﷺ اور اُمّ المؤمنین سیدہ میمونہؓ کے بارے میں نازیبا الفاظ کہے اور زبان درازیاں کیں، جس پر ہمیں سخت قلبی اذیت پہنچی، میں نے ان سے کہا: تم کیا چاہتے ہو؟

واللہ! ابھی گھوڑے اور ہتھیار ''وادیٔ یَاجُج'' میں موجود ہیں، ''کیا تم بدعہدی اور معاہدہ شکنی پر اتر آئے ہو؟'' میری یہ بات سن کر وہ منتشر ہو گئے۔

نیز یہ واقعہ بھی اسی کا پتہ دیتا ہے کہ حالات کی کشمکش اور مشرکینِ مکّہ کے ہیجانی جذبات کو ختم کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے یہ تدبیر کی تھی کہ انہیں مکّہ میں ولیمہ کر کے کھانے کی دعوت پر مدعو کیا جائے؛ لیکن ان کم بختوں نے اس کو بھی اپنی ذلتی سمجھ کر بڑی بے دردی سے ٹھکرا دیا (جس کی تفصیل ماقبل میں آ چکی)۔

دوسری طرف اس شادی کا یہ اثر ا ہوا کہ جو صاحبِ عقل و دانش تھے اور جن کے اندر حالات کا جائزہ لینے کی صلاحیت تھی، ایسے لوگ عمرۃ القضا کے موقع پر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے مناظر دیکھ کر اپنے آبائی مذہب کے کھوکھلے پن کے معترف ہو چکے تھے، انہیں یقین ہو چلا تھا کہ توحید کی دعوت کا راستہ روکنے کی ان کی جملہ تدابیر اور ان کی تمام جان توڑ جدو جہد بیکار اور بے اثر ثابت ہو چکی ہے، یہ خیالات اور یہ احساسات ہر صاحبِ ہوش شخص کے ذہن میں تلاطم خیز موجوں کی طرح ابھر رہے تھے؛ مگر ان کے اظہار کی جرأت نہ پا کر سکوت اختیار کیے ہوئے تھا۔

لیکن جس شخص نے سب سے پہلے ہمت و جرأت سے کام لے کر اپنے جذبات کو زبان دی وہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے حقیقی بھانجے خالد بن ولید تھے، انہوں نے اپنے دوستوں سے بہ بانگِ دہل کہا: ''ہر صاحبِ عقل و ہوش پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ محمد (ﷺ) نہ ساحر ہیں نہ شاعر، ان کی باتیں خدا کی باتیں ہیں''۔ ابو جہل کے بیٹے عِکرِمہ نے جب یہ بات سنی تو دہشت زدہ ہو گیا، اور اس کی حضرت خالدؓ سے کچھ اس قسم کی بات چیت ہوئی:

عکرمہ: (خالد سے) ''تو صابی ہو گیا ہے''۔

خالد: ''میں صابی نہیں؛ بلکہ خدا کے دین کو قبول کر کے مسلمان ہو گیا ہوں''۔

عکرمہ: ''قریش میں سے جس شخص کی زبان سے ایسے الفاظ کی توقع نہ تھی وہ تو تھا''۔

خالد: ''اس کی وجہ''؟۔

عکرمہ: ''محمد (ﷺ) نے تیرے باپ کو زخمی بھی کیا اور ذلیل وخوار بھی اور جنگِ بدر میں مسلمانوں نے تیرے چچا اوراس کے بیٹے کو تہ تیغ کیا، خدا کی قسم! تیری جگہ اگر میں ہوتا تو کبھی محمد (ﷺ) کے دین کو قبول نہ کرتا''۔

خالد: ''یہ باتیں ایامِ جاہلیت کی عصبیت اور حمیت پر مبنی ہیں۔خدا کی قسم! اب میری آنکھوں سے غفلت کا پردہ ہٹ چکا ہے اور مجھ پر حقیقت ظاہر ہوچکی ہے، اس لیے میں نے دل وجان سے اسلام قبول کرلیا ہے''۔

حضرت خالد کے اسلام لانے کی خبر ابوسفیان کو ملی تو انہوں نے بھی حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاکر بات چیت کی۔ابوسفیان نے کہا: ''تمہارے متعلق جو افواہیں گرم ہیں، کیا ان میں کچھ صداقت ہے؟

خالد: ''ہاں! جو کچھ تم نے سنا ہے وہ درست ہے''۔

ابوسفیان: (برہم ہوکر) ''لات وعزّٰی کی قسم! جو کچھ تم کہہ رہے ہو اگر اس کی سچائی کا مجھے پورا یقین ہوگیا تو محمد (ﷺ) کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے سے پہلے میں تم سے لڑوں گا''۔

خالد: ''یہ سچ ہے کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے، جسے یہ بات پسند نہیں وہ بے شک خفا ہوجائے۔

اس پر ابوسفیان حضرت خالدؓ پر حملہ کرنے کے لیے بڑھا؛ مگر ابوجہل کا بیٹا عکرمہ جو اس وقت وہاں موجود تھا بیچ میں حائل ہوگیا اور بولا: ''ابوسفیان ٹھہرو، مجھے بھی وہی خدشہ ہے جو تمہیں ہے، ورنہ میں بھی وہی بات کہتا جو خالد نے کہی ہے اور اسلام قبول کرلیتا، تم خالد کو اس کے عقیدے اور دین کی بنا پر قتل کرنا چاہتے ہو؟ لیکن شاید تمہیں یہ معلوم نہیں

کہ قریش کا زاویۂ نظر بدل چکا ہے، وہ بھی اسی قسم کے خیالات دل میں لیے بیٹھے ہیں، بہ خدا! مجھے خطرہ ہے کہ ایک سال بھی گذرنے نہ پائے گا کہ تم اہلِ مکّہ اسی عقیدے اور اسی نظام کے پیروکار بن جاؤ گے''۔

یہ وہ خالد بن ولید ہیں جو اسلام کے سخت دشمن تھے اور حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تکلیف پہنچانے میں پیش پیش رہتے تھے، انہوں نے آپ ﷺ کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی اور ساتھ ہی کچھ گھوڑے بھی اپنی وفاداری کے اظہار کی خاطر روانہ کیے۔

اسی طرح کا واقعہ عمرو بن عاص کے ساتھ بھی پیش آیا جو قریش کے معزز خاندان بنی سَہَم کے چشم و چراغ اور بلند پایہ فوجی جرنیل اور بالغ نظر مدبّر اور سیاست دان تھے، قصرِ اسلام کو ڈھانے اور اس کی بیخ کنی میں پیش پیش رہتے تھے، مختصراً یہ کہ اسلام کے خلاف سازش کرنے کے لیے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس گئے ہوئے تھے اور نجاشی کو اسلام کے خلاف ورغلا رہے تھے؛ لیکن نجاشی کے منہ سے ایسی باتیں سنیں کہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے بے تاب ہو گئے اور آخر مسلمان ہو کر ہی دم لیا۔

ان جلیل القدر ہستیوں کے اسلامی کیمپ میں آ جانے سے اس کی فوجی اور عسکری قوت وحشمت میں بے کراں اضافہ ہو گیا، اور دوسری طرف کفر وشرک کے مرکز میں کھلبلی مچ گئی، نامرادی اور مایوسی کے شدید احساس کی وجہ سے صفِ ماتم بچھ گئی؛ کیوں کہ اب ان کے یہاں کوئی ایسا نامور اور تجربہ کار فوجی جرنیل باقی نہیں رہا جس کی فنی مہارت اور غیر معمولی صلاحیت پر اعتماد کر کے میدانِ کارزار میں قدم رکھا جائے۔

بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ مکّہ روحانی، اخلاقی، معاشرتی اور نفسیاتی لحاظ سے ۷ھ عمرۃ القضا کے موقع پر ہی فتح ہو گیا تھا جب سیدہ میمونہؓ کی شادی بیت العتیق کے رب کے آخری رسول کے ساتھ ہوئی تھی، اور سیاسی اور فوجی نقطۂ نظر سے اس فتح کی

تکمیل رمضان ۸ھ میں ہوئی اور عکرمہ بن ابی جہل کا وہ خیال پورا ہوگیا کہ ایک سال کے عرصے میں مکے کے تمام لوگ محمد ﷺ کے دین کو قبول کرلیں گے۔

(ازواجِ مطہرات:۲/۲۱۹-۲۲۷)

نجد کے علاقہ میں اس شادی کے اثرات

یہ شادی جہاں مکے میں ایک انقلاب بپا کرنے کا موجب بنی، وہاں اس کے مثبت اثرات نجد کے علاقے میں بھی ظاہر ہوئے، نجد کے لوگ شروع سے مدینہ کی نوزائیدہ اسلامی ریاست کے مخالف تھے، عرب میں جب اسلام کے خلاف کوئی محاذ قائم ہوتا تو اہلِ نجد اس میں پیش پیش ہوتے، انہوں نے مدینۂ منورہ سے ستّر مبلغین کو اسلام کی تعلیم وتبلیغ کے لیے اپنے یہاں بلایا اور دھوکے سے ان سب کو شہید کردیا۔

مگر اس شادی سے اہلِ نجد کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رشتہ داری قائم ہوگئی، جس کے بعد ان کے لیے مخالفت اور عداوت کی روش پر قائم رہنا ممکن نہ رہا۔

اس شادی کے بعد قبیلۂ ہلال بن عامر نے پورے اخلاص کے ساتھ اپنی وفاداریاں اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے مخصوص کردیں؛ کیوں کہ اس قبیلہ کے سردار کے نکاح میں حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن تھیں جن کا نام ''حفیدہ'' تھا۔ایک روایت کے مطابق ان کا نام ''عِزّہ'' تھا، اس قبیلے کے نمائندہ وفد نے مدینے حاضر ہوکر اپنی اطاعت کا اعلان کیا۔

اسی وفد میں حضرت حفیدہ کے صاحبزادے زیاد بن عبداللہ بن مالک بھی شامل تھے، وہ اپنی خالہ اُمّ المؤمنین سیدہ میمونہؓ کے گھر ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، جب وہ اپنی خالہ کے پاس موجود تھے اسی وقت حضور ﷺ گھر میں تشریف لائے، وہاں ایک اجنبی کو دیکھ کر ناراض ہوئے اور واپس جانے لگے، اتنے میں اُمّ المؤمنین نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! یہ شخص تو میرا حقیقی بھانجا ہے''، اس پر آپ ﷺ زیاد کے قریب تشریف لائے اوران پر شفقت کا اظہار فرمایا۔(ازواجِ مطہرات:۲/۲۱۹-۲۲۸)

خانۂ نبوت میں آپؓ کی بودو باش

ذی الحجہ ۷ھ کی وہ مقدس گھڑیاں تھیں کہ سیدہ میمونہؓ اہلِ ایمان کے قافلے کے ساتھ مدینۂ منورہ پہنچیں، آپ سے پہلے حضور ﷺ کے نکاح میں آٹھ اقبال مند نیک بیبیاں گلزارِ نبوت کی رونق بن چکی تھیں، اس گلِ سرسبد (سیدہ میمونہ) پر یہ چمنستانِ رشکِ جناں کامل ومکمل ہوگیا۔ حضرت میمونہؓ کے بعد آپ نے کوئی اور نکاح نہیں کیا۔

مدینہ پہنچ کر دیگر ازواجِ مطہرات کی طرح آپ کے حصہ میں بھی ایک کمرہ آیا، یہ کمرہ مسجدِ نبوی کی سمتِ شام میں واقع تھا۔ آپ کا سالانہ نان ونفقہ اسّی وسق کھجور اور بیس وسق جَو طے ہوا جس کے استعمال کے سلسلہ میں حضور ﷺ نے آپ کو مکمل اختیار دے رکھا تھا۔(ازواجِ مطہرات:۲/ ۲۲۸-۲۳۹)

سیرت وکردار کی پاکیزگی کی سچی شہادت

ام المؤمنین حضرت میمونہؓ نہایت پرہیزگار، عبادت گزار اور خدا رسیدہ خاتون تھیں، چناں چہ آپ کے متعلق حضرت عائشہؓ کی شہادت مشہور ہے: ''میمونہ ہم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کا خیال رکھنے والی تھیں''۔ جس خاتون کے نیک ہونے کی گواہی خود اس کی سوکن دے تو اس کی پارسائی اور بزرگی میں کیا شک ہوسکتا ہے۔(ازواجِ مطہرات:۲/۲۲۹)

خود زبانِ رسالت ﷺ بھی آپ کے ایمان کی گواہی دیے بغیر نہ رہی، چناں چہ سیدہ کے حالات میں ابنِ سعد بحوالۂ حضرت ابنِ عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تینوں بہنیں (میمونہ، اُمّ الفضل اور اسماء) مؤمنہ ہیں''۔

حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کی معیت

۱۰ھ میں رحمۃ للعالمین ﷺ نے آخری حج فرمایا۔ڈاکٹر حمید اللہ فرماتے ہیں کہ:اس حج میں ایک لاکھ چالیس ہزار اہلِ ایمان اور حضور ﷺ کے جاں باز و جاں نثار رفقا آپ کے ساتھ شریک تھے،اس حج کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان جاں باز رفقا واہلِ ایمان کی جملہ مائیں بھی شریکِ سفر تھیں،ان امہات المؤمنینؓ نے مناسکِ حج کی تعلیم وتربیت بہ راہِ راست آپ ﷺ سے حاصل کر کے اسے محفوظ کرلیا اور امت تک پہنچا کر اپنی ''امومیتِ روحانی'' کا حق ادا کیا،امت قیامت تک حج کے سلسلہ میں ان ہی کے جمع کردہ مسائل سے مستفید ہوتی رہے گی۔

حج سے فراغت کے چند مہینے گذرے تھے کہ حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی وفات کا سانحہ وقوع پذیر ہوا،جس بیماری میں آپ نے وفات پائی اس کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ حضرت میمونہؓ کے حجرے میں تشریف فرما تھے،حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ:"أول ما اشتكىٰ رسول الله ﷺ في بيت ميمونة فاستأذن أزواجه أن يمرض في بيتي فأذنَّ له".

ترجمہ:رسول اللہ ﷺ کو بیماری کی شکایت حضرت میمونہؓ کے گھر سے شروع ہوئی، آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات سے میرے گھر میں بیماری کے دن گزارنے کی اجازت طلب فرمائی،سب نے بہ خوشی آپ کو اجازت دے دی۔(صحابیات مبشرات:۱۹۵)

سیدہ میمونہؓ کی آپ کے ساتھ مدّتِ رفاقت

سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً سوا تین سال آپ کی رفاقت ومعیت سے مستفید ہوتی رہی،آخرکار جب ﴿کل نفس ذائقة الموت﴾ کے خدائی قانون کے تحت ربیع الاول ۱۱ھ کو آپ ﷺ اس فانی دنیا سے پردہ فرما کر رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے،تو

عام مسلمانوں اور دیگر ازواجِ مطہرات کی طرح آپؓ بھی غم واندوہ کی تصویر بن کر رہ گئیں۔ آپؓ نے اپنی بقیہ زندگی جو عام روایات کے مطابق ۴۰/سال اور ایک روایت کے مطابق ۵۰/سال بنتی ہے، اپنی روحانی اولاد کی تعلیم وتربیت میں گزاری۔

ایک غیر معتبر روایت

عقبہ، سیدہ میمونہؓ کے بھانجے یزید بن اصم کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت میمونہؓ اکثر اپنے سر کے بال منڈوالیا کرتی تھیں، عَقَبہ نے راوی (یزید) سے اس کی وجہ پوچھی: تو انہوں نے جواب دیا کہ شاید دنیا سے بے رغبتی کے اظہار میں ایسا کرتی تھیں۔ لیکن اس روایت کی کسی مضبوط تحقیق یا معتبر سند تک ہماری رسائی نہیں ہوسکی ہے۔

حضرت میمونہؓ کی مرویات

لسانِ گوہر فشاں ﷺ سے نکلے ہوئے موتیوں کو دامنِ دل میں سمیٹنا یہ بھی ازواجِ مطہرات کی ایک اہم خدمت اور وفاداری وجاں نثاری کی کھلی دلیل ہے کہ محبوب کی ایک ایک ادا پر لُٹے بھی مٹے بھی اور دل وجان سے فدائیت وفنائیت کا اظہار بھی کیا۔ اس میدان میں آپؓ نے بھی فدائیت وفنائیت کے وہ جوہر دکھلائے جو آج تک احادیث کی بڑی بڑی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ محدثین کی تحقیق کے مطابق ایسی ۷۶/ احادیث ہیں جنہیں سیدہ نے روایت کیا ہے، جن میں سے ایک حدیث ''صحیح بخاری'' میں اور پانچ صحیح مسلم میں منقول ہیں، اور ۶۳/احادیث مسندِ احمد میں منقول ہیں اور بقیہ حدیث کی دیگر متداول کتابوں میں موجود ہیں۔ (امہات المؤمنین: ۶۶۲)

سیدہ میمونہؓ کے شاگردان

آپ سے روایت کرنے والوں میں اپنے وقت کی پُر شوکت وباعظمت شخصیات

شامل ہیں جن میں سے بعض کے اسمائے مقدسہ یہ ہیں: (۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۲) حضرت عبداللہ بن شداد (۳) حضرت عبدالرحمٰن بن السائب (۴) حضرت عبید اللہ خولانی (۵) حضرت یزید بن اَصَمّ (۶) حضرت کُرَیب (۷) حضرت عبیدہ بن سَبّاق (۸) حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ (۹) حضرت عالیہ بنت سُبَیْع (۱۰) حضرت ابراہیم بن عبداللہ بن مَعْبَد بن عباس (۱۱) حضرت بدَیہ، ان سب کا شمار آپ کے گلشنِ علم کے خوشہ چینوں میں ہوتا ہے۔ (امہات المؤمنین: ۶۶۳)

حضرت میمونہؓ کی مرویات میں سے ایک مشہور روایت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیٔ اکرم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ حضرت میمونہؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: نبیٔ اکرم ﷺ ایک روز صبح کے وقت کبیدہ خاطر دکھائی دیے، شام کو بھی وہ اسی حالت میں تھے، پھر دوسری صبح کو بھی آپ کی یہی کیفیت تھی، حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ میں آپ کو رنجیدہ دیکھ رہی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میرے پاس آنے کا وعدہ کیا تھا اور اب تک تشریف نہیں لائے، اس سے پہلے کبھی انہوں نے وعدہ خلافی نہیں کی ہے۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ: اہلِ خانہ نے دیکھا کہ چارپائی کے نیچے کتے کا ایک بچہ بیٹھا ہوا ہے، نبیٔ اکرم ﷺ نے اس جگہ کو پانی سے دھونے کا حکم دیا۔ بعدازاں جبریل علیہ السلام تشریف لائے، نبیٔ کریم ﷺ نے ان سے کہا: آپ نے میرے پاس آنے کا وعدہ کیا تھا؛ لیکن نہیں آئے، پہلے آپ نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں تصویر یا کتا ہو۔ (صحابیات مبشرات: ۱۹۸)

سیدہ میمونہؓ کا اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرنا

سیدہ کے اوصاف وکمالات میں سے ایک قابلِ رشک وصف یہ تھا کہ آپ اپنے رشتہ داروں اور تعلق والوں کے ساتھ بڑی محبت ومودّت کا برتاؤ کرتی تھیں اور نہایت خلوص سے پیش آتی تھیں۔ خود سیدہ فرماتی ہیں کہ: میرے پاس ایک کنیز تھی، میں نے اسے راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔ جب حضور ﷺ نے اسے گھر میں نہ پایا تو اس کے متعلق مجھ سے دریافت کیا، میں نے عرض کیا: اسے رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر آزاد کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا تمہیں جزائے خیر دے، لونڈی صحت منداور طاقتور تھی، اگر تم اسے اپنے کسی عزیز (بعض روایات میں ماموؤں کا تذکرہ ہے) کو دے دیتیں تو بہتر ہوتا۔ (ازواجِ مطہرات: ۲/۲۳۲)

اس کے بعد واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک دن آپ ﷺ حضرت میمونہؓ کے یہاں تشریف فرما تھے، انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں دودھ پیش کیا، آپ نے اسے نوش فرمایا اور پوچھا کہ: یہ کہاں سے آیا؟ تو بتایا کہ میری بہن ہُزَیلہ نے بہ طورِ ہدیہ بھیجا ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم جس باندی کو آزاد کرنے کے بارے میں دریافت کر رہی تھیں اگر اپنی بہن کو دے دیتیں تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہوتا کہ صلہ رحمی بھی ہو جاتی اور ہدایا کا عوض بھی ہو جاتا۔ (امہات المؤمنین: ٦٦٠)

حضور ﷺ کے اس ارشاد کے بعد آپ نے صلہ رحمی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا، پھر پوری زندگی اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ بھر پور دریا دلی اور فیاضانہ رویہ سے پیش آئیں۔ اگر اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تو قرض لے کر اپنے ضرورت مند رشتہ داروں کی حاجت پوری فرماتیں۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ آپ پر بہت ہی بھاری قرض ہو گیا، کسی نے کہا کہ: یہ اتنا بھاری قرض کیسے ادا ہو پائے گا؟ کہنے لگیں: میں نے اللہ کے

رسول ﷺ سے سنا ہے کہ: جو شخص قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ خود اس کے قرض کی ادائیگی کے وسائل مہیا فرما دیتے ہیں۔ (ازواجِ مطہرات حیات وخدمات: ۱۹۹)

خلافِ شرع امور سے نفرت

یہ بات مسلّم ہے کہ آپؓ کو اپنے رشتہ داروں سے بے پناہ محبت اور بے انتہا مودّت تھی؛ لیکن اگر ان سے کسی خلافِ شرع امر کو صادر ہوتے ہوئے دیکھتیں تو فوراً ٹوک دیتیں اور بے تکلّف اپنی خفگی و بیزاری بلکہ برہمی کا اظہار فرما دیتیں، ایسے امور میں کبھی رشتہ داری اور تعلّق آپ کی راہ میں آڑے نہ آتا۔ سیدہ کے خواہر زادے (بھانجے) حضرت یزید بن اصمؓ کا بیان ہے کہ: آپ کے یہاں ایک عزیز آیا، اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی، سیدہ نے اس کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ: جب تک تم اپنے اس جرمِ قبیح کی حد جاری کروا کر اپنے آپ کو پاک وصاف نہیں کر لیتے اس وقت تک ہرگز میرے مکان میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ (امہات المؤمنین: ۶۵۶)

غلو فی الدین اور تشدّد سے بیزاری

شریعتِ مطہرہ کے مزاج وفطرت کے عین مطابق سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غلو فی الدین اور بلاوجہ کے تشدّد سے بھی بڑی نفرت تھی، شرعی امور میں سہولیات فراہم کرنا اور بلاوجہ کے غلو اور تشدّد فی الدین کی راہوں کو مسدود کرنے میں آپ کا اہم کردار رہا ہے، آپ کی سیرت میں اس کے کئی شواہد اور نمونے موجود ہیں۔

ایک دفعہ ایک عورت سفر پر جانے کی تیاری کر کے رخصت ہونے کے لیے سیدہ کے پاس آئی، پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ عورت کہنے لگی: میں سخت بیمار ہوگئی تھی اور صحت سے بالکل ہی ناامید ہو چکی تھی، میں نے اسی حالت میں ایک منّت مانی کہ اگر میں صحت یاب ہوگئی تو بیت المقدس جا کر نماز ادا کروں گی۔ اب چوں کہ میں کامل صحت یاب

ہوچکی ہوں؛ اس لیے منت پوری کرنے کی غرض سے سفر درپیش ہے، اور الوداعی دعا کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ یہ سن کر سیدہ نے ازراہِ شفقت فرمایا: تم بیت المقدس جانے کے بجائے مسجدِ نبوی میں نماز پڑھ لو تو منّت بھی پوری ہوجائے گی اور مزید برآں ثواب بھی ملے گا، اللہ کو مسجدِ اقصیٰ کے مقابلے میں مسجدِ نبوی زیادہ محبوب ہے، اس میں نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے کے مقابلے میں ہزار گنا زیادہ موجبِ اجر و ثواب ہے۔

چناں چہ اس خاتون نے اُمّ المؤمنینؓ کے مشورے پر عمل کیا اور اپنے آپ کو سفر کی مصیبتوں اور صعوبتوں سے باز رکھا۔

اسی تعلّق سے حِبر الامت حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا واقعہ بھی مشہور ہے، یہ سیدہ کے حقیقی بھانجے تھے، ایک مرتبہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کی خدمت میں نہایت پراگندہ بال آئے، آپ نے اس کا سبب دریافت کیا: حضرت ابنِ عباسؓ نے بتایا کہ: امِ عمّار (حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی زوجہ) میرے بالوں کو کنگھا کردیا کرتی تھیں، مگر آج کل ان کے ایام (حیض) کا زمانہ ہے (حضرت ابن عباسؓ ایامِ حیض میں اپنی بیوی سے جدا رہتے تھے) آپؓ نے ان کے قول و عمل پر نکیر کرتے ہوئے فوراً تنبیہ کی اور فرمایا: حضورِ انور ﷺ ہماری گود میں سر رکھ کر سویا کرتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے اور ہم اسی حالت (حیض) میں ہوتے تھے، اور اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر آپ کے نماز کی جگہ رکھ آیا کرتے تھے۔ پیارے بیٹے! کہیں یہ (حیض) ہاتھ میں بھی ہوتا ہے!!۔ روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

"أتـاهـا ابـن عباسؓ فقالت: يابني! مالك شعثا رأسك؟ قال: أم عمار رجّلتني حائض قالت: كان رسول الله ﷺ يدخل علىٰ إحدانا وهي حائض فيضع رأسه في حجرها فيقرأ القرآن وهي حائض ثم تقوم إحدانا بخمرته

فتضعها في المسجد وهي حائض، أي بني! وأين الحيضة من اليد".

ایسے ہی ایک مرتبہ کسی ضرورت سے اپنی تلمیذہ (بدیہ) کو ان کی بیوی (حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بیوی) کے پاس بھیجا تو اس نے دیکھا کہ دونوں میاں بیوی کا بستر الگ الگ لگا ہوا ہے، سوچا کہ شاید دونوں کے درمیان کچھ رنجش ہوگئی ہو؛ مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایامِ ماہواری چل رہے ہیں، اور ابنِ عباسؓ ان ایام میں بیوی سے بالکلیہ علیحدہ رہتے ہیں۔ تلمیذہ نے واپس آکر پوری کیفیت بیان کی تو اسی کے ذریعہ پیغام بھجوایا کہ آخر حضور انور ﷺ کے طریقہ سے اعراض کیوں ہے؟ آپ تو ایام کے زمانے میں بھی بستر پر ہمارے ساتھ لیٹا کرتے تھے، روایت ملاحظہ ہو:

"عن بدية قالت: أرسلتني ميمونة بنت الحارث إلىٰ امرأة عبد الله بن عباسؓ وكانت بينهما قرابة، فرأيت فراشها معتزلا فراشه فظننت أن ذٰلك لهجران، فسألتها فقال: لا، ولكني حائض، فإذا حضت لم يقرب فراشي، فأتيت ميمونة فذكرت ذٰلك بها، فردتني إلىٰ ابن عباسؓ فقالت: أرغبة عن سنة رسول الله ﷺ لقد كان رسول الله ﷺ ينام مع المرأة من نسائه الحائض وما بينها إلا ثوب ما يجاوز الركبتين".

یہ چند واقعات تھے جو آج بھی پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ: اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ دین کے معاملہ میں ہرگز غلو اور تشدد کی روادار نہ تھیں، انہوں نے اپنی پاکیزہ زندگی کے ہر پہلو سے امت کو یہ پیغام دینے کی کوشش کی کہ دینِ اسلام ایک فطری دین ہے، اس میں انسانی اقدار و روایات اور سہولیات وضروریات کا ہر حیثیت سے پاس ولحاظ رکھا گیا ہے۔

درحقیقت یہ اسی تربیت کا نتیجہ تھا جو حضرت میمونہؓ نے خانۂ نبوت میں رہ کر براہِ راست آں حضرت ﷺ سے پائی تھی، وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ: میری ایک کنیز

تھی، اس کو کہیں سے صدقہ میں بکری دی گئی؛ لیکن کسی وجہ سے بکری مرگئی، نبی ﷺ کی جب ہمارے یہاں آمد ہوئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اس کے چمڑے کو رنگ کیوں نہیں دیتے؟ تاکہ اس کے چمڑے سے فائدہ اٹھا سکو، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ مردہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: مردہ جانور کا گوشت حرام ہے، مگر اس کے چمڑے کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ گویا آپ ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ حرمت میں اتنا زیادہ غلو نہ کرو کہ ہر چیز کو حرام ٹھہرانے لگو؛ بلکہ حلال چیز کو استعمال کرو۔ (رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں: ۴۷۲)

آپ کی سادگی

آپ بڑی سادہ طبیعت خاتون تھیں، دنیا کی زیب وزینت اور سامانِ عیش وعشرت سے کنارہ کش تھیں، زہد وقناعت کی مجسّم تصویر تھیں، لباس بھی نہایت سادہ ہوا کرتا تھا۔ آپ کے تربیت یافتہ حضرت عبداللہ الخولانی کا بیان ہے کہ: سیدہ کا لباس اکثر دوپٹہ اور لمبی قمیص پر مشتمل ہوتا تھا، اور لباس بھی نہایت ڈھیلا ڈھالا ہوتا تھا، اسی میں نماز پڑھتی تھیں۔

نماز ومسواک کا اہتمام

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہاں عبادتوں میں شغف تھا وہیں آپ ﷺ کی سنتوں کو بھی بڑی پابندی سے ادا کیا کرتی تھیں۔ چناں چہ آپ کے بھانجے یزید بن اصمّ بیان فرمایا کرتے تھے کہ: حضرت میمونہؓ ہروقت نماز پڑھتی تھیں یا گھر کا کام انجام دینے میں ان کا وقت گذرتا تھا، ان دونوں مشغلوں سے فرصت ملتی تو مسواک کرنے لگتی تھیں۔

بصیرت وذکاوت

خداوندِ قدوس نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فہم وفراست اور بصیرت وذکاوت کی نعمت سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا، چناں چہ وہ پیش آمدہ مسائل

ومعاملات کونہایت آسانی اور سرعت کے ساتھ حل کر دیا کرتی تھیں، مشکل مرحلوں کو چٹکیوں میں حل کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر تمام ازواجِ مطہرات حضور ﷺ کے ساتھ تھیں، عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کے روزے کی فضیلت یہ ہے کہ اس کے پچھلے ایک سال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں،"إن صوم يوم عرفة يكفي العام الذي قبله". (مسند احمد:۶/ ۱۲۸، بحوالہ امہات المؤمنین: ٦٦٠) مگر حجاج کے لیے آپ ﷺ نے اِس دن افطار کو بہتر قرار دیا ہے؛ تا کہ وقوفِ عرفہ کے اعمال چستی کے ساتھ ادا کیے جا سکیں۔

اس دن روزے کی عمومی فضیلت کی بنا پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو شک ہوا کہ آپ ﷺ روزے سے ہیں یا نہیں؟ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک جب یہ بات پہنچی تو آپ نے فوراً حضور ﷺ کی خدمت میں دودھ کا پیالہ بھیجا، آپ نے اسے نوش فرمالیا، اس طرح شک وتردّد ختم ہوگیا اور تمام لوگوں کو اس کا علم ہوگیا کہ آپ ﷺ روزے سے نہیں ہیں۔ روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

"عن ميمونة زوج النبي ﷺ انها قالت: إن الناس شكّوا في صيام رسول الله ﷺ يوم عرفة فأرسلت إليه ميمونة حلاب اللبن وهو واقف في الموقف فشرب منه والناس ينظرون إليه". (مسلم: ١/ ٣٥٧، استحباب الفطر للحاج يوم عرفة، امہات المؤمنین:٦٦١)

اسی باب کی دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ دودھ کا پیالہ حضرت اُمّ الفضلؓ نے بھیجا تھا؛ مگر دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں نے بھیجا ہو۔ اور اس کا بھی امکان ہے کہ دونوں نے آپس میں مشورہ کر کے بھیجا ہو اور راویوں نے علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہو۔ قرینِ قیاس یہی ہے کہ دونوں نے مشورہ کر کے بھیجا ہوگا؛ اس لیے کہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔

وفات

مجمع الزوائد میں ہے کہ: حضرت میمونہؓ حج کرکے مکّہ میں مقیم تھیں، وہاں کچھ طبیعت بھاری ہوئی اور علالت محسوس ہوئی، فرمایا: مجھے مکّہ سے لے چلو؛ کیوں کہ مجھے مکّہ میں موت نہیں آئے گی۔ مجھے اس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے، چناں چہ انہیں مکّہ سے ''سرف'' لایا گیا اور وہیں وفات پائی۔ سیدہ کے سنِ وفات کے سلسلہ میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں:

علامہ ابنِ سعد کی تحقیق کے مطابق آپ کا سنِّ وفات: ۶۱ھ ہے (جب یزید بن معاویہ برسرِ اقتدار تھے) جب کہ اکثر اربابِ سیر نے ان کا سنِ وفات: ۵۱ھ بتایا ہے۔ علاّمہ شبلی، قاضی سلیمان منصور پوری اور طالب الہاشمی جیسے ثقہ سیرت نگار اسی کو درست قرار دیتے ہیں۔

نمازِ جنازہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے (جو آپ کے بھانجے ہوتے ہیں) نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جب جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت ابنِ عباسؓ نے بہ آوازِ بلند فرمایا: ''مسلمانو! یہ اللہ کے آخری رسول ﷺ کی آخری رفیقۂ حیات اور اہلِ ایمان کی ماں ہیں، ان کا جنازہ آہستہ، ادب اور وقار کے ساتھ لے کر چلو، دیکھو! انہیں کہیں دھکّا نہ لگنے پائے۔

تدفین

امّ المؤمنین کے جسدِ اطہر کو حضرت ابن عباسؓ، عبیداللہ بن شداد اور عبیداللہ الخولانی نے لحد میں اتارا۔ یزید بن اصمّ بیان کرتے ہیں کہ: جب ہم نے سیدہ کو ان کی آخری اور ابدی قیام گاہ میں اتارا تو ان کا سر ایک طرف کو جھک گیا، میں نے سیدھا کرنے کے لیے سر کے نیچے اپنی چادر رکھ دی؛ لیکن ابن عباسؓ نے چادر نکال کر اس کی جگہ ایک پتھر

رکھ دیا۔

مقامِ ''سرف'' میں خاص اسی جگہ پر اُمّ المؤمنین سیدہ میمونہؓ ہمیشہ کے لیے محوِ خواب ہے جہاں ۴۳/سال پہلے ۷ھ میں رحمۃ للعالمین ﷺ کا خیمہ نصب ہوا تھا جس میں ان کی رسمِ عروسی عمل میں آئی تھی۔

پیغامِ حیات

یہ تھیں سیدہ میمونہ بنتِ حارثؓ کی حیاتِ مبارکہ کی کچھ جھلکیاں، غور کیا جائے تو آپ کی زندگی کے ہر لمحہ اور ہر گھڑی میں مسلمان مرد وزن کے لیے عبرت کے سینکڑوں سامان موجود ہیں، ہے کوئی جو عبرت حاصل کرے، ہے کوئی جوان کی مقدس ومنوّر زندگی سے اپنے ظلمت کدوں کو روشن کرے، افسوس صد افسوس! کہ ذرائعِ ابلاغ اور انٹرنیٹ کی تیز رفتار دنیا میں ان جواہر پاروں سے استفادے کے لیے کسی کے پاس وقت ہی نہیں۔

علامہ اقبال نے کتنے درد سے کہا تھا:

تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں
ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ بتلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ ''الدین'' کے بارے میں.....

عبدالرحیم کشمیری، مدیر الدین

تحریر ایک انتہائی نازک اور مقدس عمل ہے، یہ قوموں کے مزاج اور سوچ کی رہنما ہے، قرآنِ مقدس نے نے بڑے اچھوتے انداز میں ﴿الذي علم بالقلم﴾ فرما کر قلم کی اہمیت کو اجاگر کیا، آج جب کہ ذرائعِ ابلاغ وتشہیر کے نت نئے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں، تب بھی قلم وتحریر کی اہمیت مسلّم ہے۔

آج جب کہ الیکٹرانک میڈیا کا بڑا چرچا ہے، ہر فردِ بشر انٹرنیٹ سے حاصل ہونے والی معلومات کے سحر میں گرفتار نظر آتا ہے، اس کے باوجود کتاب کی حلاوت وچاشنی اپنا وجود ہے جس کے عاشقانِ عالم معترف ہے۔

''الدین'' کی مختصر تاریخ

آج سے برسہا برس پہلے جب سرزمینِ گجرات کی ڈابھیل نامی بستی میں یگانۂ روزگار ہستی محسنِ قوم وملت حضرت مولانا احمد حسن بھام سملکیؒ کے قائم کردہ مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل نے آنکھیں کھولی تو علاقہ کے حالات (ضلالت، گمراہی، بدعات ورسومات اور اسی طرح کے امورِ قبیحہ) کے پیشِ نظر حضرت مولانا رحمۃ اللہ کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ ایسے نازک وقت میں امت کو صحیح تعلیماتِ نبویہ سے روشناس کروانا ضروری ہے، اس موقع سے مولانا کی نگاہِ دوراندیش فرمانِ باری سبحانہ وتعالیٰ: ﴿وما أرسلنا من رسول

إلا بلسان قومه﴾ پر جاٹکی، چناں چہ بانیٔ جامعہ نے لوگوں میں علمی ذوق وشوق پیدا کرنے، مذہبی معلومات فراہم کرنے اور گمراہی سے بچا کر ہدایت پر گامزن کرنے کے لیے''الدین'' نامی ایک رسالہ بہ زبانِ گجراتی جاری کیا، رفتہ رفتہ یہ رسالہ اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ اہالیانِ گجرات کو خود ان ہی کی زبان میں احکاماتِ شرعیہ سے روشناس کروانے لگا، گپ اندھیروں میں روشنی کے دیپ جلاتا رہا، اسے بانیٔ جامعہ کا خونِ جگر ملتا اور وہ مسلمانانِ گجرات کو رگوں میں خون بن کر دوڑتا رہا، یہاں تک کہ افریقہ کے ایک سفر میں بانیٔ جامعہ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے، اور وقت کی نزاکتوں اور حالات کے تھپیڑوں نے''الدین'' کو بھی گوشہ نشیں کر دیا۔

''الدین کی نشأۃِ ثانیہ

ایک طویل اور لمبے عرصے کے بعد ایک وقت وہ بھی آیا کہ استاذ الاساتذہ حضرت اقدس شیخ الحدیث مفتی احمد صاحب خانپوری متعنا اللہ بطول حیاتہ سرزمینِ ڈابھیل پر جلوہ آرا ہوئے اور انھوں نے اپنی دور رس نگاہ سے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے اکابر کی ان یادگاروں کو باقی رکھا جائے۔ حضرت اقدس نے اپنی اس تمنّا کو بہ روئے کار لانے کے خاطر سابق مہتممِ جامعہ حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ سے اس کا اظہار کیا، چناں چہ حضرت اقدس کی زیرِ پرستی''الدین'' کی بہ بزبانِ اردو نشأۃِ ثانیہ ہوئی اور بحمد للہ آج اسی ''الدین'' کے پلیٹ فارم سے قلم کاروں کی کھیپ کی کھیپ تیار ہو کر دنیائے افق پر اپنی تحریر کے ذریعہ امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔

الدین سالِ رواں

سالِ رواں بھی الحمد للہ طلبہ کی ایک بڑی تعداد (عربی دوم سے دورۂ حدیث تک) نے مختلف موضوعات پر خامہ فرسائی کی، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

پہلے طلبہ مضامین کو فاضل کاغذات پر تیار کرتے ہیں، پھر کسی استاذ یا مشّاق طالبِ علم کے پاس نظرِ ثانی کرواتے ہیں، بعدہ اصلاح شدہ مضمون کو ''الدین'' کے مخصوص ورق پر خوش خطی کے ساتھ کاتبین سے لکھوا کر جداری پرچے کی زینت بناتے ہیں۔ یہ بات بھی لائقِ ذکر ہے کہ اس سال موقع کے مناسب کئی ایک خصوصی شمارے مثلاً بقرعید کی تعطیلات کے موقع سے ایک تحریری مسابقہ بہ عنوان ''مدرسہ سے گھر اور گھر سے مدرسہ'' اسی طرح ''علاء الدین خلجی اور غلط فہمیاں'' ''ویلنٹائن ڈے'' (یومِ عاشقان) وغیرہ نکالے گئے۔ نیز سال کے اخیر میں الدین وعزائم کے مشترکہ پلیٹ فارم سے نیا قدم اٹھاتے ہوئے ایک برجستہ تحریری مسابقہ عمل میں آیا جس کا طریقۂ کار کچھ اس طرح رہا کہ طلبہ کو تین طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

طبقۂ اولیٰ: عربی پنجم، ششم، ہفتم۔

طبقۂ ثانیہ: عربی دوم، سوم، چہارم۔

طبقۂ ثالثہ: فارسی اول، دوم، عربی اول۔

ان کے عناوین کی ترتیب درجِ ذیل رہی:

طبقۂ اولیٰ کے لیے پانچ موضوعات:

(۱) رجب طیب اردگان ایک کامیاب سیاسی حکمران۔

(۲) آج کے دور میں مسلمانوں کے بنیادی مسائل کیا ہیں؟

(۳) مسلمان اپنے دورِ عروج کی بازیافت کیسے کریں؟

(۴) عالمی اور ملکی سطح پر بدلتے حالات میں فضلائے مدارس کا کردار۔

(۵) عالمِ اسلام پر مغرب کا تسلّط، اسباب ونتائج۔

طبقۂ ثانیہ کے لیے چار موضوعات:

(۱) جہیز کے بڑھتے نقصانات اوران کا تدارک۔

(۲) تذکرۂ مجاہدینِ فلسطین۔

(۳) صحابۂ کرامؓ نے فتوحات کیسے حاصل کیں؟

(۴) قیامِ مکاتب وقت کی اہم ضرورت۔

طبقۂ ثالثہ کے لیے تین موضوعات:

(۱) بسنت و پتنگ بازی۔

(۲) شیخ الہندؒ کا تحریکِ آزادی میں کردار۔

(۳) زینب الغزالی ایک اولوالعزم خاتون۔

طلبۂ عزیز کو اس بات کا مکلّف بنایا گیا کہ آپ کو دو ہفتوں میں ان متعین کردہ موضوعات میں سے ہر ایک پر تیاری کر لینی ہوگی۔ چناں چہ متعینہ وقت پر تمام مساہمین دورۂ حدیث میں حاضر ہوئے، پھر ان کے مابین قرعہ اندازی کی، قرعہ میں آئے ہوئے موضوع پر ماشاء اللہ تینوں ہی طبقات کے طلبہ نے اپنے قلمی جوہر دکھائے۔

امسال ۱۰۵/مضمون نگار طلبہ نے اپنے گراں قدر مضامین پیش کیے، جب کہ اکیس طلبہ نے کتابت کا فریضہ انجام دیا، مضامین کی تعداد ۲۱۲/رہی، جنہیں تا دمِ تحریر ۷۰/شماروں میں تقسیم کر کے منصۂ شہود پر لایا گیا ہے۔ بحمد اللہ سال کے اخیر میں تمام ہی طلبہ کو بہ طورِ حوصلہ افزائی گراں قدر انعامات سے بھی نوازا گیا۔

ایک اور خوش کن بات جو یقیناً فرحت آمیز اور طرب انگیز ہے، ’’الدین‘‘ کے پلیٹ فارم سے ہر سال ایک سال نامہ بھی شائع کیا جاتا ہے، چناں چہ امسال بھی الدین

کے پلیٹ فارم سے طلبہ کی جدوجہد اور سعیٔ پیہم کے نتیجہ میں الدّین کے تین خصوصی شمارے بہ عنوان: پندرہ جنتی صحابیات، بناتِ طیبات اور ازواجِ مطہرات منظرِ عام پر آئے۔وما توفيقي إلا بالله.

اخیر میں راقم آثم اپنے تمام محسنین -حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری ادام اللہ فیوضہم علینا، حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور ہمارے اس قافلے کے روحِ رواں حضرت مفتی ابوبکر صاحب مدظلہٗ العالی اور حضرت مفتی معاذ صاحب زیدمجدہٗ ذمہ دارانِ شعبہ- کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ممنون ومشکور ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔تمام مضمون نگار طلبہ کاتبین، معاونین اور مشفق اساتذۂ کرام کو اپنی شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے اور ’’الدین‘‘ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، آمین۔

’’الدین‘‘ کے مسابقۂ سالنامہ میں شریک طلبہ

عربی ھفتم

(۱) عبدالرحیم کشمیری (۲) ثاقب نوادوی
(۳) امان اللہ امریلی (۴) زکریا بھہالی
(۵) سفیان مالیگانوی (۶) ظہیر نادنپیڑا
(۷) عبدالرحمٰن سورتی (۶) جنید وتجل پوری

عربی ششم

(۱) عبداللہ بلساڑی (۲) معاویہ پالن پوری
(۳) یاسر دساڑا (۴) محمد فہیم بیلگامی
(۵) ہشام الدین راجستھانی (۶) علی محمد راجستھانی
(۷) محمد عبدالمجید پالن پوری (۸) حمزہ پالین پوری
(۹) خبیب بمبوی (۱۰) محمد اقبال پٹنی

عربی پنجم

(۱) محمد سعد اورنگ آبادی (۲) سعد بیلگامی
(۳) زبیر بیڑ (۴) لقمان احمد آبادی
(۵) شہزاد اورنگ آبادی (۶) سلمان کوکنی

عربی چھارم

(۱) عثمان غنی رامپوری (۲) انس نرولی
(۳) عثمان غنی اکل کوا (۴) محمد اطہر بمبوی
(۵) یوسف بمبوی (۶) مدثر بمبوی

(۷) اویس بھاؤنگری
(۸) معاذ بیجاپوری
(۹) ساجد کلکتہ
(۱۰) توصیف بھاگلپوری
(۱۱) انوارالاسلام ترکیسری

عربی سوم

(۱) حنظلہ دھولیہ
(۲) محمد سعد اصغر احمد آبادی
(۳) زاہد کوڈینار
(۴) نعمان احمد آبادی
(۵) جابر نادنپیڑا
(۶) اویس کنجری
(۷) سعد احمد آبادی
(۸) معاویہ ہتھوڑی
(۹) سلمان گونماوی
(۱۰) فیصل اندوری
(۱۱) ثناء اللہ امریلی
(۱۲) سیف الحق اندوری
(۱۳) نعمان بابر کھڑک

عربی دوم

(۱) معاذ بھوپالی
(۲) زبیر دیوادی
(۲) ریحان بمبوی
(۴) لطف الرحمٰن انکلیشوری
(۵) محمد سعد کولہاپوری
(۶) خالد نادنپیڑا
(۷) عماز بمبوی
(۸) مذکر احمد نگری
(۹) حارث بمبوی
(۱۰) الیاس مانگرولی
(۱۱) تعیان بھروچی
(۱۲) حذیفہ کوساڑی
(۱۳) الماس اندوری
(۱۴) عبید الرحمٰن اکولوی
(۱۵) طارق الرحمٰن میرجوری